ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ترجمان ''تعمیر حیات'' سے ماخوذ

اسلامی معاشرت

مضامین خالد غازی پوری

(حصہ دوم)

بقلم:

مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ترتیب وپیشکش:

قاضی محمد نوشاد الدین ندوی

ناشر

جمعیت المعارف الاسلامیہ

ٹیگور مارگ نزد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

فون:9984778800

E-mail: jmi_lkoyahoo.co.in

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

باراول

فروری ۲۰۲۴ء-شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ

کتاب کا نام	:	اسلامی معاشرت: مضامین خالد غازی پوری (حصہ دوم)
نام مصنف	:	مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی
صفحات	:	۲۶۴
کمپوزنگ	:	شکیل الرحمٰن خان
ترتیب وپیشکش	:	قاضی محمد نوشاد الدین ندوی
طباعت	:	ورک لائن، پریس، لکھنؤ
قیمت	:	۲۰۰/روپے

ناشر

جمعیت المعارف الاسلامیہ

ٹیگور مارگ نزد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

فون:9984778800

E-mail: jmi_lkoyahoo.co.in

فہرست

''مضامین خالد غازی پوری''

(جلد دوم)

شمار نمبر	عناوین	صفحہ
	تقریظ	۱۰
	مقدمہ	۱۲
	عرض حال	۱۸
۱	ایمانی کردار کے آبگینے	۱۹
۲	اسلامی تہوار مزاج وخصوصیات	۲۲
۳	احسان اور ہماری زندگی	۲۵
۴	اولاد کی تعلیم وتربیت	۳۱
۵	اچھے سماج کی تشکیل میں والدین کی ذمہ داریاں	۳۴
۶	بچے لاڈ پیار میں خراب ہوتے ہیں	۳۵
۷	اولاد کی تعلیم وتربیت کی فکر، والدین کا اولین فریضہ	۳۸
۸	اپریل فول کی تاریخی اور شرعی حیثیت	۴۲

۹	اپنے گھر کی فکر کیجئے	۴۷
۱۰	انسان کی بے بسی	۵۰
۱۱	اسلامی تقویم کا بہار آفریں مہینہ: ربیع الاول	۵۴
۱۲	برقعہ تحفظ کا احساس پیدا کرتا ہے	۶۰
۱۳	بیٹیوں کی مثالی رخصتی	۶۳
۱۴	جہیز مسئلہ کا حل نہیں	۶۴
۱۵	جامع وصیت	۶۶
۱۶	بابرکت دن رحمت بھری راتیں	۶۹
۱۷	بابرکت راتیں اور خوشی کا دن	۷۲
۱۸	عید کی خوشی کا دن	۷۴
۱۹	ماہ صفر میں تیرہ تیزی کی نحوست ایک جاہلانہ تصور	۷۶
۲۰	عقیقہ سنت ہے	۸۰
۲۱	عقیقہ میں بکری یا بکرا ذبح کرنا ضروری نہیں	۸۰
۲۲	عقیقہ کیوں کرتے ہیں	۸۱
۲۳	عقیقہ کا وقت	۸۱
۲۴	عقیقہ کے جانور کا خون بچہ کے سر پر نہیں لگائیں گے	۸۲
۲۵	عقیقہ کی دعوت	۸۲
۲۶	نکاح میں چھوہاروں کا لوٹنا	۸۴

۲۷	عیدالفطر کا پیغام	۸۶
۲۸	حقیقی خوشی ومسرت عیدالفطر کے تناظر میں	۹۰
۲۹	کان کے کچے	۹۰
۳۰	کامیابی کی کلید	۹۸
۳۱	رضاجوئی کے لئے یار سے آشنائی ضروری ہے	۹۸
۳۲	ختنہ اسلامی شعار ہے	۱۰۰
۳۳	چھوٹی عمر میں ختنہ مناسب ہے	۱۰۱
۳۴	ختنہ کے فوائد	۱۰۲
۳۵	ختنہ میں دعوت وغیرہ	۱۰۲
۳۶	کھیل اسلامی نقطہ نظر سے	۱۰۴
۳۷	کسی کی تنقید پر خاموشی اختیار کرنے کی فضیلت	۱۰۷
۳۸	ناموں کے ساتھ کنیت اور لقب	۱۱۰
۳۹	رجب المرجب رفعت وسروری کا امین	۱۱۳
۴۰	''ربوہ'' قادیانیوں کے مرکز سے ''نوا قادیان'' تک	۱۱۸
	ولادت کے بعد تحنیک سنت ہے	۱۲۲
	ولادت کے بعد اذان واقامت	۱۲۴
	ولادت کے ساتویں دن اچھا نام رکھنا واجب ہے	۱۲۷
	معاشرہ کی اصلاح	۱۳۰
۴۱	خرابی کی بنیاد مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب	۱۳۵

۴۲	ماحول کی اثر انگیزی	۱۴۰
۴۳	عظمت صحابہؓ اور مشاجرات میں راہ اعتدال	۱۴۵
۴۴	مشاجرات میں راہ اعتدال	۱۵۰
۴۵	مولانا علی میاں ندویؒ کا نوع انسانی کے نام محبت بھرا دل آویز پیغام	۱۵۴
۴۶	خود کرنے کے کام	۱۵۶
۴۷	انسانیت کی بقاو تحفظ کی فکر	۱۵۸
۴۸	اس ملک کا امتیاز	۱۵۸
۴۹	پرشین امپائر	۱۵۹
۵۰	تبدیلی کے لئے قربانی کی ضرورت	۱۵۹
۵۱	قربانیوں کی نوعیت	۱۶۰
۵۲	اقتدار کی ہوس	۱۶۲
۵۳	عالمی جنگوں کی حقیقت	۱۶۳
۵۴	اسلام کے خلاف سازش	۱۶۴
۵۵	کامیابی کے لئے سیرت کی تعمیر ضروری ہے	۱۶۵
۵۶	ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو	۱۶۶
۵۷	آخری بات	۱۶۹
۵۸	کہکشاں کی انجمن میں ہو جیسے ماہِ تمام	۱۷۱
۵۹	دعوت کا آغاز	۱۷۳

۶۰	اجلاس کا مقصد	۱۷۹
۶۱	ملت کے نام پیغام	۱۸۱
۶۲	محرم الحرام کی اہمیت اور فضیلت	۱۸۴
۶۳	اس مسئلہ میں سب کا اتفاق	۱۸۶
۶۴	دوسری بدعت	۱۸۷
۶۵	روایت کا ضعف	۱۸۸
۶۶	یوم عاشوراء	۱۸۸
۶۷	اس دن کے تعلق کا خاص حکم	۱۸۸
۶۸	یوم عاشوراء کی تاریخی حیثیت	۱۸۹
۶۹	صوم عاشوراء کی فضیلت	۱۸۹
۷۰	قادیانیت اور ہماری ذمہ داریاں	191
۷۱	ایک ہی مرتبہ ایک ہی شان	۱۹۷
۷۲	ہلال و بدر کی نسبت	۱۹۷
۷۳	مرزا غلام احمد کی ذہنی ارتقاء	۱۹۸
۷۴	محمد عربی کا کلمہ پڑھنے والا کافر	۱۹۸
۷۵	ہماری ذمہ داری	۱۹۹
۷۶	قادیانیت: مفکر اسلامؒ کی تحریروں کے آئینہ میں	۲۰۰
۷۷	قادیانیت کا فروغ	۲۰۱

۷۸	قادیانیت کی جدت	۲۰۶
۷۹	سعد ونحس کا جاہلانہ تصور	۲۰۹
۸۰	ہندوؤں کا عمل	۲۰۹
۸۱	شقاوت وبدبختی میں اعمال کا اثر	۲۱۰
۸۲	بعض تاریخوں میں نحوست کا اثر	۲۱۱
۸۳	۱۳/کا عدد اور مغربی دنیا	۲۱۲
۸۴	جلیل القدر انبیاء اور تیرہ کا عدد	۲۱۳
۸۵	اسلام کا عظیم احسان	۲۱۴
۸۶	شعبان المعظم عظمت وفضیلت کا مہینہ	۲۱۵
۸۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل	۲۱۶
۸۸	بدبخت لوگ	۲۱۸
۸۹	فیصلہ کن رات	۲۱۸
۹۰	عبادت کی رات، روزہ کا دن	۲۱۸
۹۱	کوئی مخصوص نماز نہیں	۲۲۰
۹۲	چراغاں اور آتش بازی	۲۲۱
۹۳	رمضان المبارک۔ سعادت انسانیت اور ہدایت امم کے ظہور کی یادگار	۲۲۳
۹۴	بہاروں کا موسم	۲۲۶
۹۵	روزہ کا حق	۲۲۶

۹۶	رب کے ہاتھوں انعام	۲۲۷
۹۷	روزہ کی شفاعت	۲۲۸
۹۸	جو روزہ چھوڑے	۲۲۸
۹۹	سحری	۲۲۹
۱۰۰	افطار	۲۳۰
۱۰۱	خیر سے مراد کیا ہے	۲۳۰
۱۰۲	نماز سے پہلے کھانا	۲۳۱
۱۰۳	افطار کے بعد	۲۳۱
۱۰۴	شب برأت اور ہمارا طرزِ عمل	۲۳۳
۱۰۵	غیر مسلموں کے درمیان دعوتی کام اور اُس کا اُسلوب	۲۳۹
۱۰۶	لاٹری سماج کا ناسور	۲۴۶
۱۰۷	عالمی تناظر میں مسلمانوں کی حیثیت، ایک تجزیہ.....	۲۵۲
۱۰۸	حالات سے مایوس نہ ہوں	۲۵۹
۱۰۹	مالِ حرام کی نحوست	۲۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

الحمدللّٰہ رب العلمین والصلوۃ والسلم علی سید الانبیاء والمرسلین محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنے اسلامی مضامین کا مجموعہ ''اسلامی معاشرت'' (مضامین خالد غازی پوری) کے نام سے شائع کیا ہے، یہ سارے مضامین ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' میں وقتاً فوقتاً شائع ہو چکے ہیں، لیکن ان مضامین کو ترتیب سے مزین کر کے ایک مفید اور ضروری کتاب تیار کر دی ہے، جو اسلامی زندگی کے تمام محور پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب اسلام اور مسلمانوں دونوں کی تعریف وتعارف کے میدان میں ایک گل دستہ کی حقیقت رکھتی ہے، اس کے اندر (۲۶ رچھبیس سال) کے دوران شائع شدہ مضامین کو اسلامی زندگی کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرتب کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، ان مضامین کے اندر زندگی کے سارے معاملات جو کتاب وسنت کے مطابق ہوں اور جن کا تعلق اسلامی مزاج اور مسلمانوں میں رائج فہم صحیح وغیر صحیح جیسے ہو، پوری وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

اس کتاب میں جملہ طرز عمل اور مسلمانوں کے اندر رائج اور عمل پیرا ہونے کے

ساتھ کتاب سنت سے اس کا تعلق ہے، صرف راوج اور دوسرے طرز ہائے عمل سے تعلق کی بنا پر ان کا ذکر کر دیا گیا ہے، یہ کتاب انتہائی اہم اسلامی زندگی کی صحیح روایات اور حقائق کو جاننے کے لئے ہر مسلمان بلکہ غیر مسلم کے لئے ضروری ہے، تاکہ انسان غیر مخلوقوں سے بہت بلند اور اس کا طرز عمل انسانی فطرت کے مطابق ہے، میں مولانا محمد خالد غازی پوری کو اس کی توفیق پر مبارک باد دیتا ہوں۔

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو

۱۱ر رجب المرجب ۱۴۴۵ھ

۲۳ر جنوری ۲۰۲۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، ومن تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلی یوم الدین، أما بعد!

پیش نظر مجموعہ کلیۃ الدعوۃ والاعلام دار العلوم ندوۃ العلماء کے عمید ،استاد حدیث اور معروف خطیب مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی مدظلہ کے ان مضامین پر مشتمل ہے، جوانہوں نے ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' میں مختلف موضوعات پر اور مختلف مناسبتوں سے لکھے تھے، مولانا قاضی نوشاد الدین ندوی نے ان مضامین کی اہمیت وافادیت کو محسوس کرتے ہوئے ان کو جمع کیا، ترتیب قائم کی، فہرست مرتب کی اور کتابی شکل دے کر طباعت کے مرحلہ تک پہنچایا۔

مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی کے قلم سے نکلے یہ مضامین دعوتی بھی ہیں، اصلاحی بھی ہیں، تربیتی بھی ہیں، فکری اور علمی بھی، ان میں مسلم معاشرہ میں پائی جانے والی خرابیوں کی نشان دہی بھی ہے اور ان کا علاج بھی، کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی بیک وقت مقرر بھی ہو، شاعر بھی ہو، مدرس بھی ہو اور اچھا نثر نگار بھی، اسلوب جس کا دلآویز اور تحریر جس کی شگفتہ ہو، تقریر جس کی دلنشیں اور اندازِ بیان جس کا دلکش ہو، اشعار میں جس کے تخیل کی بلندی اور فکر کی وسعت وجولانی ہو، مولانا محمد خالد صاحب ندوی

کو اگر ان کی تحریروں، تقریروں اور اشعار کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ ان خصوصیات کے حامل نظر آتے ہیں۔

اس سے پہلے مولانا کی کئی کتابیں اور شعری مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں اور علمی اور دینی حلقوں میں اپنی جگہ بنا چکے ہیں، یہ مجموعہ جس کا پہلا حصہ شائع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے، ایسے عناوین پر مشتمل ہے، جن میں سے ہر عنوان ہماری زندگی سے خواہ وہ انفرادی ہو، یا اجتماعی، بڑا گہرا تعلق رکھتا ہے، مثلاً ''اولاد کی تعلیم وتربیت''، ''ایمانی کردار کے آبگینے''، ''اسلامی تہوار مزاج وخصوصیات''، ''اپنے گھر کی فکر کیجیے''، ''عقیقہ کیوں کرتے ہیں'' ''کھیل اسلامی نقطہ نظر سے'' ''ماحول کی اثر انگیزی''، ''خرابی کی بنیاد مغرب کی مادپرستانہ تہذیب''۔

مولانا بحیثیت ایک داعی، ایک خطیب، ایک واعظ اور استاد حدیث ہندوستان کے تقریباً تمام صوبوں، یورپ وامریکہ کے کئی بڑے شہروں اور عرب ممالک کے مختلف اہم مقامات کا سفر کر چکے ہیں اور سماج کے مختلف طبقات سے براہ راست واقفیت رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے مضامین دوسروں کے مضامین سے کچھ مختلف نظر آتے ہیں۔

مولانا تدریس کا ایک وسیع تجربہ رکھتے ہیں، دارالعلوم میں نگران اعلیٰ کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے طلبہ کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کے گھریلو حالات، گھریلو مسائل اور گھریلو الجھنوں کو سمجھنے کا انھیں موقع ملا ہے، چنانچہ مرض کی تشخیص میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگتی اور احادیث کی روشنی میں اس مرض کے صحیح علاج تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''اولاد کے سلسلہ میں مرد وعورت کی مشترکہ ذمہ داریاں ہیں، دونوں کے باہمی تعاون سے بچہ کی نشو ونما فطری طور پر اچھے انداز میں ہوتی ہے، بچہ کا دل ودماغ آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہوتا ہے، لہٰذا والدین کو جس طرح دیکھتا ہے اس کا عکس اس کے دل ودماغ پر نقش ہوجاتا ہے، ان کی گفتگو کا انداز، ان کا رہن سہن، کھانا پینا اور ان کی ترجیحات کا بچہ امین ہوتا ہے، لہٰذا اگر والدین نیک ہیں، تو عموماً بچہ بھی نیک ہوتا ہے، اور صحیح فطرت پر قائم ہوتا ہے، والدین کے مذہب، کلچر، اور ثقافت کا بھی گہرا اثر بچہ کی زندگی پر پڑتا ہے، حدیث شریف میں اس کو یوں ادا کیا گیا ہے: ''كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ أَوْ يُشَرِّكَانِهِ'' (صحیح بخاری (٦٥٩٩) وصحیح مسلم (٢٦٥٨)۔

ہر بچہ اپنی فطرت صحیحہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، مجوسی اور مشرک بنادیتے ہیں، والدین کی ذمہ داری یہاں بڑھ جاتی ہے، اس طور پر کہ بچہ کا فطری بہاؤ، انحراف، شذوذ کا شکار نہ ہو، اگر وہ مسلمان ہیں تو بچہ بھی اسلام پر قائم رہے، یہ ان کی ذمہ داری ہے، اور ماحول اگر مشرکانہ، کافرانہ اور ملحدانہ ہے تو ایسی صورت میں یہ ذمہ داری دوچند ہوجاتی ہے، لہٰذا بچہ کی فکر پہلے دن سے ہونی چاہئے، جب اس کی زبان کھلنے لگے تو کوشش یہ کرنی چاہئے کہ پہلا کلمہ جو اس کی زبان پر آئے وہ اللہ کا نام ہو، بسم اللہ سے اس کا آغاز ہو، بسم اللہ کی سلسبیل سے جو زبان ابتداء میں دھل جائے گی، انشاء اللہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ شرک وکفر کی غلاظتوں سے پاک وصاف رہے گی''۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اچھی تعلیم وتربیت کے ذریعہ ہم اچھا سماج تشکیل دے سکتے ہیں، آج سماجی

الجھنیں تعلیم وتربیت کی خامیوں کی رہین منت ہیں، موجودہ سماج میں تعلیم پر توجہ دی جارہی ہے، لیکن اسلامی اخلاق وتربیت پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے تعلیم یافتہ سماج ظلم، ناانصافیوں، اور حق تلفیوں کے گھناؤنے مزمن امراض کا شکار ہوکر متعفن ہوتا جارہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ'' (رواہ الترندی ۱۹۵۲) کسی باپ نے اپنے بچہ کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب یعنی اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا، آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے: اپنے بچوں کا اکرام کرو اور انہیں اچھی تربیت دو۔

بچوں کے اکرام کا مفہوم یہ ہے کہ بچوں کو پیار دیں، ان کو تعلیم دینے کے لیے ادب سے بلائیں، تاکہ وہ والدین کی جانب سے کسی توہین کا احساس نہ کریں، بچوں کی نفسیات محاکات کی ہوتی ہے، وہ ہر اچھی اور بری چیز کو اخذ کرتے ہیں، ہر منظر سے متاثر ہوتے ہیں، اپنے اور دوسروں کو پہنچانتے ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ معاملہ اس شعور کے ساتھ کرنا چاہئے، تاکہ بچے کی تربیت متاثر نہ ہو''۔

مولانا کے تحریر کردہ ان مضامین سے ان کا قاری بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ مولانا اپنے سماج سے اور سماج کے مسائل سے ذرا بھی غافل نہیں ہیں، مولانا وہ سوالات سمجھ رہے ہیں جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہورہے ہیں، وہ اعتراضات سمجھ رہے ہیں جو کچھ نادانوں کی طرف سے کیے جارہے ہیں، وہ غلط فہمیاں دیکھ رہے ہیں جو جہالت، بری صحبت اور غلط طرز تعلیم کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں پائی جارہی ہیں، چنانچہ وہ کوشش کرتے ہیں اور بڑی حد تک وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نظر آتے ہیں، کہ ان اعتراضات کا جواب دے سکیں، ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرسکیں اور ان سوالات کا جنہوں نے لوگوں کو الجھن میں ڈال رکھا ہے، صحیح جواب دے کر لوگوں کو

مطمئن کر سکیں۔ مولانا اپنے مضامین میں ان رسوم وبدعات اوران غلط خیالات وتصورات سے بھی پردہ اٹھاتے ہیں جن میں لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر مبتلا ہوجاتے ہیں اور یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ ان کی حقیقت کیا ہے اور دینی وشرعی نقطۂ نظر سے ان کی حیثیت کیا ہے؟۔

مولانا کے مضامین کا یہ مجموعہ ہر شخص کے لیے مفید ثابت ہوگا، اوراس کو وہ علمی اور فکری غذا پہنچائے گا جس کی اسے اس وقت ضرورت ہے، لکھنے والے یوں تو بہت ہیں، لیکن صحیح فکر، تصحیح خیال کے ساتھ اور صحیح سمت اور صحیح رخ پر لکھنے والے بہت کم ہیں، مولانا کی خوبی یہ ہے کہ ان کے مضامین صحیح دینی فکر کے ترجمان ہیں، یہ مضامین ان کے تجربہ اور مشاہدہ کی بنیاد پر ہیں، اس لیے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، امید ہے قارئین ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی
ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنو
۲۵/ جمادی الاُخری ۱۴۴۵ھ
۸/ جنوری ۲۰۲۴ء

عرض حال

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ أصحابہ أجمعین ،امابعد۔

زندگی کا کاروان علم کی روشنی میں منزل کی طرف گامزن ہوتا ہے تو ہر طرح کی ظلمتوں اندھیروں اور پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے، اور کامیابیوں کی حصولیابیوں سے سرفراز ہوتا ہے۔

اسلامی زندی کے خدوخال کو ابھارنے اور سنوارنے کے لئے ایسے علمی مضامین، تحریروں نیز تقریروں کی ضرورت ہوتی ہے، جن میں معاشرتی زندگی اور اخلاقیات کے ساتھ ساتھ معاملات کی تسہیل اور وضاحت پیش نظر ہو۔

الحمد للہ پیش نظر کتاب ''اسلامی معاشرت'' میں وہ مضامین شامل ہیں جن میں اس نقطہ نظر کو پیش نظر رکھا گیا ہے، عزیزم مولانا قاضی نوشادالدین ندوی اورنگ آبادی نے ''تعمیر حیات'' سے منتخب کر کے ان مضامین کو جمع کیا ہے، جو جستہ جستہ مختلف شماروں میں شائع ہوتے رہے ہیں، پہلی جلد طبع ہو کر منظر عام پر الحمد للہ آچکی ہے، اور اس مجموعہ کی یہ دوسری جلد ہے، جو ''اسلامی معاشرت'' پر مشتمل ہے، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنی علالت کے باوجود مختصر مگر جامع تقریظ سے نوازا ہے۔

لہٰذا! ہم حضرت والا کے سراپا سپاس ہیں اور یہ آپ کی خوردنوازی کی بین ثبوت

ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کو شفائے کامل وعاجل عطا فرمائے۔

اسی طرح حضرت مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظر عام ندوۃ العلماء نے اپنے وقیع مقدمہ کے ذریعہ اس مجموعہ کو زینت بخشی ہے، اور مقدمہ میں کتاب کی خصوصیات پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ہم ان کے بھی بہت مشکور ہیں، اسی طرح جن لوگوں نے اس کتاب میں ہمارا تعاون کیا ہے، ان سب لوگوں کے ہم مشکور ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو جزاء خیر عطا فرمائے، آمین۔ امید کہ یہ مجموعہ سابقہ مجموعہ کی طرح قابل قبول ہوگا اور افادہ عام ہوگا۔

گر قبول افتد زہے عز وشرف

محمد خالد غازی پوری ندوی
استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء
وعمید کلیۃ الدعوۃ والاعلام
ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۱ر رجب المرجب ۱۴۴۵ھ
۲۳ر جنوری ۲۰۲۴ء

ایمانی کردار کے آبگینے

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ.

(رواہ الترمذی : رقم ۱۹۸۷)

(ترجمہ): حضرت ابوذر غفاری اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم جہاں کہیں رہو اللہ سے ڈرتے رہو، خطا ہوجانے کے بعد نیکی کرلیا کرو، کہ وہ برائی کو مٹا دیتی ہے، اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔

اللہ عزوجل نے حضور اکرم ﷺ کو جوامع الکلم کی خصوصیات سے نوازا تھا، مختصر الفاظ میں معانی کا دریا موجزن ہوتا تھا، اس خصوصیت میں آپ منفرد تھے، زندگی بے راہ روی کا شکار نہ ہو، صحیح رخ پر قائم رہے، اس کے لئے استحضار ضروری ہے، ہر وقت ہر جگہ اور ہر کام اور ہر معاملہ میں یہ خیال پختہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہم ہیں اور وہ ذات ایسی ہے جس کی نگاہ میں چشم ابرو کے اشارہ بھی شمار کئے جاتے ہیں "یَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَاتُخْفِیُ الصُّدُوْرِ" (وہ نگاہوں کی خیانت اور دلوں کے بھید بھی جانتا ہے)

لہٰذا اس استحضار کے بعد گناہ کا صدور ناممکن ہوگا، اور پاکیزہ زندگی کا حصول آسان تر ہوجائے گا، اسی کو تقویٰ کہا جاتا ہے، تقویٰ الگ سے کوئی عمل نہیں ہے، جس طرح نماز، روزہ، حج اور زکوۃ اعمال ہیں، اس طرح تقوی کوئی عمل نہیں بلکہ اعمال

کا سپورٹ اور روح ہے، نیز قبولیت کی راہ تقوی کے ذریعہ ملتی ہے، تقوی ایک اینٹی وائرس ہے جو ایمان اور اعمال کو وائرس کے اثر سے بچاتا ہے اور دل کو مانجھ کر چمکا دیتا ہے، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: 'اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ' (جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو، تقوی اختیار کرو)۔

حدیث کا دوسرا جزء ہمیں اپنی عملی زندگی میں حوصلہ عطا کرتا ہے، خود کردہ را علاج نیست' کے برعکس ہمیں یہ دعوت دیتا ہے کہ اگر بھول چوک ہو جائے، خطا ہو جائے تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کہ اب داغ کیسے دھلے گا، اللہ کے مؤاخذہ سے ہم کیسے بچیں گے، تو فرمایا گیا کہ برائی یا خطا کے بعد کوئی نیکی کر لیا کرو، وہ گناہ کے اثر کو زائل کر دے گا، اللہ عزوجل کا صاف ارشاد ہے ''اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ'' (نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں)۔

حدیث کا تیسرا جزء ہمیں اس انسانی وصف پر ابھارتا ہے جو تمام مخلوقات میں مابہ الامتیاز ہے، جو حسن انسانی کا جھومر ہے، جس سے اس کی ذات کو صبر و تحمل میسر آتا ہے، وہ اچھے اخلاق ہیں۔

اچھے اخلاق کا حامل جنت کے قریب ہے اور بداخلاق کا ٹھکانہ جہنم بتایا گیا ہے، لہٰذا اپنی زندگی کو اگر ہم آراستہ کرنا چاہتے ہیں اور قرب الٰہی کا فیضان اس میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے، اچھے اخلاق کا مطلب یہ ہے کہ جب اخلاق کو متاثر کرنے والی کوئی بات پیش آئے، اس وقت آدمی اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے۔

حسن اخلاق ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سب سے اہم صفت تھی، قرآن مجید آپ کے بارے میں صاف کہتا ہے ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' (آپ بلند اخلاق کے حامل ہیں) آپ ﷺ کی زندگی کے جملہ امور و معاملات اور معاشرتی تعلقات میں اسی

وصف نے کفار ومشرکین کے دلوں کو فتح کیا تھا، اور یہ ایسا ہتھیار تھا کہ جس کے سامنے سخت سے سخت دشمن بھی آپ کا گرویدہ اور شیدائی ہوجاتا تھا، اور پھر اس کے لئے کوئی مفر نہیں رہ جاتا تھا۔

آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین کی زندگیوں میں حسن خلق کے ہزاروں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن کے ذریعہ ان حضرات نے ملکوں اور قبیلوں کو فتح کرلیا اور اخلاق حسنہ کی سحر انگیزی کے سامنے ان کے دل بچھ گئے، اور انہوں نے اسلام کے آغوش میں پناہ لی۔

آج کے معاشرہ وماحول میں جہاں ہر وقت ہمارا کسی نہ کسی کے ساتھ لین دین ہے، مسلمان ہی نہیں کافر، مشرک اور دین بیزار لوگوں سے ہر لمحہ ہمارا رابطہ ہے، اس حسن خلق کے وصف سے ہم دین اسلامی کی ایسی ترجمانی کرسکتے ہیں کہ اس کے سامنے زبان کی روانی اور قلم کی جولانی ہیچ ہے۔

اسلامی تہوار مزاج وخصوصیات

انسان کی طبیعت اجتماعیت پسند ہے، وہ تنہا نہیں رہ سکتا، یکسانیت سے اس کی فطرت گریزاں ہے، یکساں زندگی سے اس کی طبیعت اکتاہٹ محسوس کرنے لگتی ہے، یکساں لباس، یکساں کھانا، یکساں زبان، یکساں مزاج وذوق اس کی وجدانی قوت کے خلاف ہے، البتہ وہ چاہتا ہے کہ وقفہ وقفہ سے وہ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ اجتماعی طور پر خوشیاں منائے، خوش گپیاں کرے، ایک دوسرے کے یہاں جائے، خوشی ومسرت کا باہمی تبادلہ کرے، اور کرب وغم کو بانٹے۔

انسان کی اسی طبیعت نے تہواروں کو جنم دیا ہے، تمام قومیں اپنے ذوق ومزاج کے باہمی اختلاف کے باوجود تہوار منانے کے جذبہ میں مشترک ہیں، خوشی کی تمنا انسان کی فطری خواہش ہے، لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی میں ہر سال کچھ ایسے دن مقرر ہوں جس میں وہ کچھ ایسے اعمال کرے تاکہ خوشی ومسرت کے شادیانے اس کے دروازے پر بجتے رہیں، فکر وغم کی بدلی اس کی دیوڑھی تک نہ پہنچنے پائے، اس جذبہ کی تسکین کے لئے انسان اپنے ماضی کے آئینہ میں ایسے ایام کی تلاش کرتا ہے جو اس کے لئے یادگار ثابت ہوں، اور پھر اس کے لئے کچھ رسومات مقرر کرلیتا ہے، رفتہ رفتہ وہ دن آنے والی نسلوں میں ایک یادگار قومی دن شمار کیا جانے لگتا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے، انسان کی ہر جائز اور فطری خواہش کی تکمیل کے لئے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے وہ راہبانہ زندگی کو پسند نہیں کرتا، اور نہ ہی غیر معتدل اعمال کی حوصلہ افزائی

کرتا ہے، اسی طرح وہ ودیعت کردہ جسمانی صلاحیتوں کوفروغ دینے پر ابھارتا ہے، فطری صلاحیتوں کومفلوج ومعطل کرنے پر وہ یقین نہیں رکھتا، وہ انسان کواس کائنات کا سب سے حسین پھول تصور کرتا ہے اوراسے کھلتا ہوا، برگ وبار لاتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔

لہٰذا اسلام نے انسان کواس فطرت کی رعایت کرتے ہوئے دو دن ''عید'' (خوشی) کے مقرر کئے ہیں، حضور اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ دو عیدیں مہرجان اور نیروز منایا کرتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان دونوں سے بہتر دو دن عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ دیے ہیں۔

عیدالفطر کا دن کوئی تاریخی دن نہیں، اس دن کے انتخاب میں اللہ عزوجل نے سابقہ قوموں کی روایت سے ہٹ کر خوشی کو وہ شعور دیا ہے جس کا تعلق صرف ماضی ہی سے نہیں بلکہ انسان کے حال اوراس کے مستقبل سے جڑا ہوا ہے، ایک ماہ کے روزے، تراویح، اور تلاوت قرآن پاک اور ایک خاص روحانی ایمانی ماحول میں زندگی گزارنے کے بعد عیدالفطر کا دن آتا ہے، یہ ہمیں اس کا شعور عطا کرتا ہے کہ ہم غور کریں کہ اللہ نے اس ماہ میں ہمارے اوپر کیسی کیسی نعمتوں کی بارش کی، کیسے کیسے مغفرت کے سامان کیے، کیسی عزت افزائی فرمائی کہ اپنا کلام ہمارے لئے اتارا، یہ سوچ کر اس کا دل جھوم اٹھتا ہے، لہٰذا اس ماہ کے اختتام پر وہ دوگانہ ادا کر کے مالک کا شکریہ ادا کرتا ہے، اسی لئے اس دن کو حدیث پاک میں یوم الجائزہ بھی کہا گیا ہے' 'انعام کا دن'' گویا عیدالفطر انعام خداوندی کی تحصیل کا دن ہے، اور ہر مسلمان انعام حاصل کر کے بارگاہ ایزدی میں خوشی منانے کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا اس دن کھانے کھلانے، کھیلنے کودنے، سیر وتفریح کرنے کی عام اجازت ہے، البتہ اعتدال وجواز کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

عیدالاضحیٰ قربانی کا دن ہے، یہ دن اس اجتماعی عبادت کے ادا کرنے کے بعد

آتا ہے، جب لاکھوں کی تعداد میں حجاج عرفات میں وقوف کر کے لوٹتے ہیں، حجاج کی قربانیوں میں ہم بھی اپنے گھروں میں رہتے ہوئے اس قربانی کے ذریعہ شریک ہوجاتے ہیں، اوراجتماعی طور پر یہ قربانی پیش کی جاتی ہے، جس سے خوشی دوبالا ہوجاتی ہے، اس قربانی کا احساس وشعور ہماری زندگی کو خوشی ومسرت سے بھر دیتا ہے، لہٰذا اس سے پہلے ہم دوگانہ ادا کر کے اس مالک بے ہمتا کا شکریہ ادا کرتے ہیں، جس نے یہ لیل ونہار ہمیں عطا فرمائے ہیں، اس طرح یہ دونوں دن ایک اہم اجتماعی عبادت کے اختتام پر رکھے گئے ہیں تا کہ ہم اس کا بھی احساس کرتے رہیں کہ انسان کی اصل خوشی کا باعث اس مزاج عبدیت کو فروغ دینا ہے جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ لہٰذا اسلام نے ان دونوں کو خوشی کا دن قرار دیا ہے، ورنہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں آپ کی سیرت کی جلوہ سامانی، مروارید کی جگمگاہٹ لئے ہوئے ہے، ہر دن آپ کی زندگی کا تاریخی اور ہر لمحہ آپ کا مثالی اور ہر عمل آپ کا امتیازی اور ہر کردار بے مثال وانفرادیت کا حامل ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اسلامی تہوار شعور عبدیت کے جذبۂ صادق کا غماز ہے، وہ دلوں کی طہارت، حسن انجام، محبت واخوت، اخلاص وللّٰہیت، ایثار وقربانی کو مہمیز کرنے کا ذریعہ ہے، اسلامی تہوار میں حسن بھی ہے، جمال بھی، عقل وخرد کی پاسبانی بھی ہے اور دل کی جلوہ سامانی بھی، دنیا میں خوشی اور آخرت میں اجر وثواب کا حامل بھی ہے، شرط یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق منائیں۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہے

احسان اور ہماری زندگی

ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب عارفیؒ زمانہ کی ان درخشاں شخصیتوں میں سے تھے جو عمر بھر شہرت، جاہ ومنصب اور نام ونمود سے دامن بچا کر زندگی گذارتے ہیں، لیکن ان کی سیرت کردار کی خوشبو خود بخود دلوں کو کھینچتی اور ماحول کو معطر کرتی ہے، وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تربیت یافتہ اور تصوف وسلوک میں ان کے خلیفہ مجاز تھے، چنانچہ لوگ اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح کے لئے ان سے رجوع کرتے، اور ان کے ہدایات وارشادات سے فیض یاب ہوتے تھے، ایک مرتبہ ایک صاحب ڈاکٹر صاحبؒ کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا حال بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ الحمدللہ! مجھے احسان کا درجہ حاصل ہوگیا ہے، (''احسان'' ایک اصطلاح ہے، جس کی تشریح حدیث جبرئیل میں یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس دھیان کے ساتھ کی جائے جیسے عبادت کرنے والا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، یا کم از کم اس دھیان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں) ان صاحب کا مطلب یہ تھا کہ عبادت کی ادائیگی کے دوران بحمدللہ مجھے یہ دھیان حاصل ہوگیا ہے، جسے حدیث کی اصطلاح میں ''احسان'' کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جواب میں انہیں مبارکباد دی اور فرمایا کہ 'احسان' واقعی بڑی نعمت ہے، جس کے حاصل ہونے پر شکر ادا کرنا چاہئے، لیکن میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ احسان کا یہ درجہ صرف نماز ہی میں حاصل ہوا ہے یا جب آپ اپنی بیوی، بچوں سے یا دوست واحباب سے کوئی معاملہ کرتے ہیں اس وقت بھی یہ دھیان باقی رہتا ہے؟ اس

پر وہ صاحب کہنے لگے کہ ہم نے تو یہی سنا تھا کہ احسان کا تعلق نماز اور دوسری عبادتوں کے ساتھ ہے، لہٰذا میں نے تو اس کی مشق نماز ہی میں کی ہے، اور بفضلہٖ تعالیٰ نماز کی حد تک یہ مشق کامیاب رہی ہے، لیکن نماز سے باہر زندگی کے عام معاملات میں کبھی احسان کی مشق کا خیال ہی نہیں آیا، ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے آپ سے یہ سوال کیا تھا، بے شک نماز اور دوسری عبادتوں میں یہ دھیان مطلوب ہے، کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، لیکن اس دھیان کی ضرورت صرف نماز ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ زندگی کے ہر کام میں اس کی ضرورت ہے، انسان کو لوگوں کے ساتھ زندگی گذارتے اور ان کے ساتھ مختلف معاملات انجام دیتے ہوئے بھی یہ دھیان رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، خاص طور پر میاں بیوی کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے دم دم اور لمحہ لمحہ کے ساتھی ہوتے ہیں، اور ان کی رفاقت میں بے شمار اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں، بہت سی ناگواریاں بھی پیش آتی ہیں، اور ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب انسان کا نفس اسے ان ناگواریوں کے جواب میں ناانصافیوں پر ابھارتا ہے، ایسے موقع پر اس دھیان کی ضرورت کہیں زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، اگر یہ احساس ایسے وقت دل میں جاگزیں نہ ہو تو عموماً اس کا نتیجہ ناانصافی اور حق تلفی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کی سنت یہ ہے کہ آپ نے تمام عمر کبھی اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ طبعی غصے اور ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ نہیں فرمایا، اور اس سنت پر عمل کرنے کے لئے میں نے بھی یہ مشق کی ہے کہ میں اپنے گھر والوں پر غصہ نہ اتاروں، چنانچہ میں اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر کہتا ہوں کہ آج مجھے اہلیہ کے ساتھ رفاقت کو (۵۱) اکیاون سال ہو چکے ہیں لیکن اس عرصے میں الحمدللہ میں نے کبھی ان سے لہجہ بدل کر بات بھی نہیں کی۔ بعد میں ایک مرتبہ کسی موقع پر ڈاکٹر صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ نے از خود حضرت کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ تمام عمر مجھے یاد نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے

ناگواری کے لہجے میں بات کی ہو، اور نہ کبھی مجھے یہ یاد ہے کہ انہوں نے مجھ سے براہ راست اپنا کوئی کام کرنے کو کہا ہو، میں خود ہی اپنے شوق سے ان کے کام کرنے کی کوشش کرتی تھی، لیکن مجھ سے حکماً وہ نہیں کہتے تھے۔

ڈاکٹر صاحبؒ کی مذکورہ باتیں یہ بتارہی ہیں کہ پرمسرت اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے تقویٰ ضروری ہے، ڈاکٹر صاحبؒ کا یہ عمل (جو ہوا میں اڑے اور پانی پر چلنے کی کرامتوں سے ہزار درجہ اونچے درجہ کی کرامت ہے) درحقیقت اسی تقویٰ کا نتیجہ اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی عملی تصویر تھا کہ 'تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہوں'۔

بے شک قرآن کریم نے مردوں کو عورتوں پر قوام (نگراں) قرار دیا ہے، لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشادات اور اپنے عمل سے یہ بات واضح فرمادی ہے کہ نگراں ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ مرد ہر وقت عورتوں پر حکم چلایا کرے، بیوی کے ساتھ خادمہ جیسا معاملہ کرے، یا اسے اپنی آمریت کے شکنجے میں کس کر رکھے، حقیقت یہ ہے کہ خود قرآن کریم نے ہی ایک دوسری جگہ میاں بیوی کے رشتے کو مودت (دوستی) اور رحمت سے تعبیر کیا ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت میں شوہر کے لئے بیوی کو سکون کا ذریعہ قرار دیا ہے (الروم:۲۱) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اصل رشتہ دوستی اور محبت کا ہے، اور دونوں ایک دوسرے کے لئے سکون اور راحت کا ذریعہ ہیں، لیکن اسلام ہی کی ایک تعلیم یہ ہے کہ جب کبھی کوئی اجتماعی کام کیا جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ کسی کو اپنا امیر بنالیں تاکہ کام نظم وضبط کے ساتھ انجام پائے، یہاں تک کہ اگر دو شخص کسی سفر پر جارہے ہوں تب بھی مستحسن یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں، خواہ دونوں آپس میں دوست ہی کیوں نہ ہوں، اب جس شخص کو بھی امیر

بنایا جائے وہ ہر وقت دوسرے پر حکم چلانے کے لئے نہیں بلکہ سفر کے معاملات کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے امیر بنایا گیا ہے، اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھی یا ساتھیوں کی خبر گیری کرے، سفر کا ایسا انتظام کرے جو سب کی راحت وآرام کے لئے ضروری ہو، اور جب وہ یہ فرائض انجام دے تو دوسروں کا کام یہ ہے کہ وہ ان امور میں اس کی اطاعت اور اس کا تعاون کریں۔

جب اسلام نے ایک معمولی سے سفر کے لئے بھی یہ تعلیم دی ہے تو زندگی کا طویل سفر اس تعلیم سے کیسے خالی رہ سکتا تھا؟ لہذا جب میاں بیوی زندگی کا مشترک سفر شروع کر رہے ہوں تو ان میں سے شوہر کو اس سفر کا امیر یا نگراں بنایا گیا ہے، کیونکہ اس سفر کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے جو جسمانی قوت اور جو دیگر صفات درکار ہیں وہ قدرتی طور پر مرد میں زیادہ ودیعت کی گئی ہیں، لیکن اس انتظام سے یہ حقیقت ماند نہیں پڑتی کہ دونوں کے درمیان اصل تعلق دوستی، محبت اور رحمت کا ہے، اور ان میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ نوکر کا سا معاملہ کرے، یا شوہر اپنی امارت کے منصب کی بنیاد پر یہ سمجھے کہ بیوی اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے پیدا ہوئی ہے یا اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی سے اپنی ہر جائز، ناجائز خواہش کی تکمیل کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو جو قوت اور جو صفات عطا کی ہیں ان کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے اس منصب کو جائز حدود میں رہتے ہوئے بیوی کی دلداری میں استعمال کرے، اور اس کی جائز خواہشات کو حتی الامکان پورا کرے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بیوی کو جو مقام بخشا ہے اور اسے جو حقوق عطا کیے ہیں ان کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتیں اپنے شریک زندگی کے ساتھ تعاون اور اسے خوش رکھنے میں صرف کردے، اگر دونوں یہ کام کرلیں تو نہ صرف یہ کہ گھر دونوں کے لئے دنیوی جنت بن جاتا ہے بلکہ اس کا یہ طرز عمل مستقل عبادت کے حکم میں ہے جو آخرت کی نجات کا وسیلہ بھی ہے، اسی لئے نکاح کے خطبہ میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے اور اسی لئے ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ احسان کا موقع صرف نماز ہی نہیں بلکہ میاں بیوی کے تعلقات

بھی ہیں۔

قرآن پاک کی بے شمار آیات میں سے آنحضرت ﷺ نے نکاح کے خطبہ کے لئے خاص طور پر انہی تین آیات کا جو انتخاب فرمایا یقیناً اس میں کوئی بڑی مصلحت ہوگی، غور کیا جائے تو ان تینوں آیتوں میں جو بات مشترک طور پر کہی گئی ہے، وہ تقویٰ کا حکم ہے، تینوں آیتیں اسی حکم سے شروع ہورہی ہیں، کہ تقویٰ اختیار کرو، کوئی نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ تقویٰ کا شادی بیاہ سے کیا جوڑ؟ لیکن جو شخص حالات کے نشیب وفراز اور میاں بیوی کے تعلقات کی نزاکتوں کو جانتا ہے، اور جسے ازدواجی الجھنوں کی تہہ تک پہنچنے کا تجربہ ہے وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات اور ایک دوسرے کے حقوق کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کے لئے تقویٰ ایک لازمی شرط ہے۔

میاں بیوی کا رشتہ نازک ہوتا ہے، ان دونوں کے سینے میں چھپے ہوئے جذبات اور ان کی حقیقی سرشت وفطرت ایک دوسرے کے سامنے اتنی کھل کر آتی ہے کہ کسی اور اس کے سامنے اتنی کھل کر نہیں آسکتی، دوسروں کے سامنے ایک شخص اپنی بدطینتی کو ظاہری مسکراہٹوں کے پردے میں چھپا سکتا ہے، اپنے اندر کے انسان پر خوبصورت الفاظ اور مصنوعی خوش اخلاقی کا ملمع چڑھا سکتا ہے، لیکن بیوی کے ساتھ اپنے شب وروز کے معاملات میں وہ یہ ملمع باقی نہیں رکھ سکتا، اسے اپنی ظاہرداری کے خول سے کبھی نہ کبھی باہر نکلنا ہی پڑتا ہے، اور اگر اندر کا یہ انسان تقویٰ سے آراستہ نہ ہو تو اپنے شریک زندگی کا جینا دوبھر کردیتا ہے۔

ایک بیوی کو اپنے شوہر سے جو تکلیفیں پہنچتی ہیں ان کا ازالہ ہمیشہ عدالتوں کے ذریعہ نہیں ہوسکتا، ان میں سے بے شمار تکلیفیں ایسی ہیں جو وہ عدالت تو کجا اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے سامنے بھی بیان نہیں کرسکتی، اسی طرح ایک شوہر کو بیوی سے جو شکایتیں ہوسکتی ہیں بسا اوقات شوہر کے پاس ان کا کوئی حل نہیں ہوتا، نہ وہ کسی اور کے ذریعہ وہ انہیں دور کرنے کا کوئی سامان کرسکتا ہے، اس قسم کی تکلیفوں اور شکایتوں کا کوئی علاج دنیا کی کوئی

طاقت فراہم نہیں کرسکتی، ان کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ دونوں کے دل میں تقویٰ ہو، یعنی وہ اس احساس کی دولت سے مالا مال ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے لئے امانت ہیں، اوراس امانت کی جواب دہی انہیں اپنے اللہ کے سامنے کرنی ہے، اپنے شریک زندگی کو اپنے کسی طرز عمل سے ستا کر وہ شاید دنیا کی جواب دہی سے بچ جائیں، لیکن ایک دن وہ آئے گا جب وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے، اورانہیں اپنی ایک ایک حق تلفی کا بھگتان بھگتنا پڑے گا، اسی احساس کا نام تقویٰ ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل پر ان تنہائیوں میں بھی پہرہ بٹھاتی ہے، جہاں اسے کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہوتا۔

آنحضرت ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ جب دو مرد وعورت زندگی کے سفر میں ایک دوسرے کے ساتھی بنیں تو وہ روانہ ہونے سے پہلے اپنے دلوں پر یہ غیبی پہرہ بٹھالیں تاکہ ان کی دوستی پائیدار ہو، اوران کے دل میں ایک دوسرے کی محبت محض وقتی خواہش نفسانی کی پیداوار نہ ہو جو نئی نویلی زندگی کا جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد فنا ہو جائے بلکہ وہ تقویٰ کے سایہ میں پلی ہوئی پائیدار محبت ہو جو خود غرضی سے پاک اور ایثار، وفا اور خیر خواہی کے سدا بہار جذبات سے مزین ہوتی ہے، اور جسم سے گزر کر واقعی قلب وروح کی گہرائیوں تک سرایت کر جاتی ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے نکاح کے خطبہ میں ان تین آیات کا انتخاب فرمایا جن میں سے ہر آیت تقویٰ کے حکم سے شروع ہو رہی ہے، اور وہی اس کا بنیادی پیغام ہے۔ (منقول)۔

اولاد کی تعلیم وتربیت

اولاد کے سلسلہ میں مرد وعورت کی مشترکہ ذمہ داریاں ہیں، دونوں کے باہمی تعاون سے بچہ کی نشو ونما فطری طور پر اچھے انداز میں ہوتی ہے، بچہ کا دل ودماغ آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہوتا ہے، لہٰذا والدین کو جس طرح دیکھتا ہے اس کا عکس اس کے دل ودماغ پر نقش ہوجاتا ہے، ان کی گفتگو کا انداز، ان کا رہن سہن، کھانا پینا، اوران کی ترجیحات کا بچہ امین ہوتا ہے، لہٰذا اگر والدین نیک ہیں، تو عموماً بچہ بھی نیک ہوتا ہے، اور صحیح فطرت پر قائم ہوتا ہے، والدین کے مذہب، کلچر، اور ثقافت کا بھی گہرا اثر بچہ کی زندگی پر پڑتا ہے، حدیث شریف میں اس کو یوں ادا کیا گیا ہے :

'کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْیُمَجِّسَانِهٖ اَوْ یُشَرِّکَانِهٖ'۔

(صحیح بخاری (۶۵۹۹) وصحیح مسلم (۲۶۵۸)۔

ہر بچہ اپنی فطرت صحیحہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، مجوسی اور مشرک بنادیتے ہیں، والدین کی ذمہ داری یہاں بڑھ جاتی ہے، اس طور پر کہ بچہ کا فطری بہاؤ، انحراف شذوذ کا شکار نہ ہو، اگر وہ مسلمان ہیں تو بچہ بھی اسلام پر قائم

رہے، یہ ان کی ذمہ داری ہے، اور ماحول اگر مشرکانہ کافرانہ اور ملحدانہ ہے تو ایسی صورت میں یہ ذمہ داری دوچند ہوجاتی ہے، لہٰذا بچہ کی فکر پہلے دن سے ہونی چاہئے، جب اس کی زبان کھلنے لگے تو کوشش یہ کرنی چاہئے کہ پہلا کلمہ جو اس کی زبان پر آئے وہ اللہ کا نام ہو، بسم اللہ سے اس کا آغاز ہو، بسم اللہ کی سلسبیل سے جو زبان ابتداء میں دھل جائے گی، انشاء اللہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ شرک وکفر کی غلاظتوں سے پاک وصاف رہے گی۔

اسی لئے مسلم معاشرہ میں اس کا اہتمام رہا ہے کہ جب بچہ بولنے لگتا ہے تو اس کی تسمیہ خوانی کی جاتی ہے یعنی کسی بزرگ یا عالم کی خدمت میں لے جاکر بچہ کی بسم اللہ کرائی جاتی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بچہ بسم اللہ پڑھتا ہے تو اس کی مغفرت، اس کے والدین اور پڑھانے والے استاذ کی مغفرت ہوجاتی ہے، لہٰذا زندگی کی شاہراہ پر اس بسم اللہ کے برکات وثمرات نمایاں طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔

آج کا ماحول گندہ اور مشرکانہ ہے، شرک دبے پاؤں ہر جگہ پہنچ رہا ہے، گذرتی ہوئی گاڑیوں پر جئے ماتادی کی تحریر نظر پڑتے ہی زبان پر آنا چاہتی ہے، بے خیالی میں اور اکثر ہوش وحواس کے ساتھ آپ پڑھ لیتے ہیں، کیا اس سے شرک کی بو نہیں آتی، دوکانوں، مکانوں، گاڑیوں، اور عوامی مقامات پر مجسموں نے شرک کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، لہٰذا کم از کم اتنا ہو رہا ہے کہ شرک کی قباحت دل سے نکلتی جارہی ہے، حالانکہ کمال ایمان کی علامت یہ ہے کہ شرک اور مظاہر شرک سے دل بیزار ہو، اس کی قباحت محسوس کی جائے، آخر شیطان کی یہ کوشش ہے کہ مسلم بچوں کے دلوں سے شرک وکفر کی قباحت ونفرت نکال دی جائے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ تین خصلتیں ایسی ہیں جس سے ایمان کی لذت محسوس ہوتی ہے:

(۱) اللہ اور اس کے رسول کی محبت سب سے زیادہ ہو۔

(۲) جس سے بھی محبت ہو اللہ کے لئے اس سے محبت ہو۔

(۳) کفر سے ایسی نفرت ہو جیسے آگ میں ڈالا جانا، یہ تین خصلتوں کا حامل ایمان کی لذت پائے گا، اور ایمان کی لذت ابتلاء وآزمائش کی تلخیوں کو شیریں بنادیتی ہے، پھر کوہ گراں بھی صراط مستقیم سے اسے ہٹا نہیں سکتا۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کا انداز غیر اسلامی ہے، مخلوط تعلیم نے اس کی غیرت وحمیت کے ساتھ ساتھ بچوں کی عفت کو داغدار کر دیا ہے، بچہ روزانہ اسکولوں میں ایسے مظاہر سے گزرتا ہے جو خالص مشرکانہ ہوتے ہیں، خواہ اس وقت ہاتھ جوڑ کر نہ کھڑا ہو، یا پانی، مورتی یا فوٹو پر نہ گرائے، اپنے ہاتھوں سے آرتی نہ اتارے، یا اس طرح کے مشرکانہ نعرے، جے بھوانی 'جے کالی، جے شری رام نہ لگائے، لیکن اسی ماحول میں رہتے رہتے ان کی کراہیت ضرور نکل جاتی ہے، پھر بچہ بڑا ہوتا ہے، اور اس کے دماغ میں یہ بات ہوتی ہے کہ انسانی زندگی کی تعمیر میں سارے مذاہب مثبت کردار ادا کرتے ہیں، اور یہیں سے شرک سے بیزاری کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہ مسلم معاشرہ کے لئے بڑا المیہ ہے، لہٰذا والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی جس طرح جسمانی نشوونما کی فکر کی جاتی ہے، اس سے کہیں زیادہ ان کی معنوی وروحانی زندگی کی سنوارنے کی فکر کی جائے، ورنہ آنے والا کل ہماری مجرمانہ غفلت کو معاف نہیں کرے گا۔

نوٹ: بچوں کے ایمان کی فکر سب سے بڑی عبادت ہے۔

اچھے سماج کی تشکیل میں والدین کی ذمہ داریاں

قرآن وحدیث میں اولاد کی تربیت اور تعلیم کے بارے میں واضح احکامات دیے گئے ہیں، اور اس کی تاکید کی گئی ہے، اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ والدین نے بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ نہیں کی تو یہ بڑے خطرے کی چیز ہے، اس کے خطرناک نتائج سامنے آئیں گے، اور ذمہ داری والدین کی ہوگی، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. (بخاری ۸۹۳، ومسلم ۱۸۲۹) تم سب راعی ہو اور اپنی رعیت کے ذمہ دار ہو۔

اچھی تعلیم وتربیت کے ذریعہ ہم اچھا سماج تشکیل دے سکتے ہیں، آج سماجی الجھنیں تعلیم وتربیت کی خامیوں کی رہین منت ہیں، موجودہ سماج میں تعلیم پر توجہ دی جارہی ہے، لیکن اسلامی اخلاق وتربیت پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے تعلیم یافتہ سماج ظلم، ناانصافیوں، اور حق تلفیوں کے گھناؤنے مزمن امراض کا شکار ہوکر متعفن ہوتا جارہا ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے 'مَانَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ' (رواہ الترمذی، ۱۹۵۲) کسی باپ نے اپنے بچہ کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب یعنی اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا، آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے 'اپنے بچوں کا اکرام کرو اور انہیں اچھی تربیت دو۔

بچوں کے اکرام کا مفہوم یہ ہے کہ بچوں کو پیار دیں، ان کو تعلیم دینے کے لئے ادب سے بلائیں، تاکہ وہ والدین کی جانب سے کسی توہین کا احساس نہ کریں، بچوں کی نفسیات

محاکات کی ہوتی ہے، وہ ہر اچھی اور بری چیز کو اخذ کرتے ہیں، ہر منظر سے متاثر ہوتے ہیں، اپنے اور دوسروں کو پہنچانتے ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ معاملہ اس شعور کے ساتھ کرنا چاہئے، تاکہ بچے کی تربیت متاثر نہ ہو۔

بچے لاڈ پیار میں خراب ہوتے ہیں :

بچے عام طور پر لاڈ پیار میں خراب ہوتے ہیں، وہ لاڈ پیار جو تربیت کی روح سے خالی ہو، تربیت کے معاملہ میں نرمی اور سختی دونوں کی ضرورت ہوتی ہے، بچوں کے ہاتھ میں زیادہ پیسہ دینا، پیسہ دے کر حساب نہ لینا انہیں خراب کر دیتا ہے، اسراف کی عادت پڑ جاتی ہے، وہ اپنے ہم جولیوں میں شیخی مارنے کا عادی بن جاتا ہے اور احساس برتری کا شکار ہو جاتا ہے۔

اسی طرح انہیں جھوٹ بولنے، چوری کرنے، گالی دینے، غیبت کرنے، امانت میں خیانت کرنے، وعدہ خلافی کرنے، شراب پینے، جوا کھیلنے، آوارہ پھرنے اور وقت ضائع کرنے کی شناعت وقباحت سے بھی برابر آگاہ کرتے رہنا چاہئے، اور اگر ایسی کوئی بات بچے سے سرزد ہو جائے تو فوراً تنبیہ بھی کرنی چاہئے، گربہ کشتن روز اول' کے مصداق اس میں تسامح نہیں کرنا چاہئے، تنبیہ نہ کرنے سے بچے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، کہا جاتا ہے کہ سلطانہ ڈاکو ابتداء میں ایک انڈا چوری کر کے لایا تھا، اس پر تنبیہ نہ کرنے کی وجہ سے اسے جرأت ہوئی اور چوری کی عادت نے اسے شہرت یافتہ ڈاکو بنا دیا، جب وہ گرفتار ہوا اور اس کو پھانسی دی جارہی تھی تو اس سے پوچھا گیا کہ اس کی آخری خواہش کیا ہے تو اس نے کہا کہ میری آخری خواہش اپنی ماں سے ملاقات کرنا ہے، اس کی خواہش کے احترام میں اس کی ماں کو اس کے سامنے لایا گیا، اس نے ماں کے قریب جا کر بجائے کچھ کہنے کے ماں کے کان کو دانتوں سے چبالیا، جب اس سے دریافت کیا گیا کہ اس

نے ایسا کیوں کیا تو اس کا جواب تھا کہ جس وقت میں انڈا لے کر آیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ چوری کر کے لایا ہوں اگر میری ماں نے سن کر تنبیہ کیا ہوتا تو میں نہ ڈاکو بنتا اور نہ آج تختہ دار پر لٹکایا جاتا۔

امام غزالیؒ نے 'احیاء العلوم' میں یہ وصیت کی ہے کہ بچے کو قرآن پاک، اور احادیث نبویہ اور نیک لوگوں کے واقعات سنائے اور دینی احکام کی تعلیم دی جائے، عام طور پر بچے سات سال کی عمر میں سمجھ دار ہو جاتے ہیں، اس وقت ان کو خدا پرستی کے راستے پر ڈالنا چاہئے، اور ان کو نماز پڑھنے کی ترغیب دینی چاہئے، دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی پختہ ہو جاتا ہے اور بلوغ کا زمانہ قریب آجاتا ہے، اس لئے نماز کے بارے میں ان پر سختی کرنی چاہئے، نیز اس عمر تک پہنچ جانے کے بعد انہیں الگ الگ بستروں پر لٹانا چاہئے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

'مُروا أولَادَكُم بِالصَّلوةِ وهم أبناءُ سبعِ سِنينَ وَاضربوهُم عليها وهم أبناءُ عشرٍ وَفَرِّقُوا بَينَهم فى المضاجعِ'(ابوداؤد ٤٩٥)۔

''بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر کے بچوں پر نماز کے لئے سختی کرو اور لیٹتے وقت الگ الگ بستروں پر لٹاؤ۔''

والدین کو چاہئے کہ بچے کے اندر قرآن پاک پڑھنے کا شغف پیدا کریں، اگر بچہ کو حفظ کرا دیں تو سبحان اللہ، ورنہ قرآن پاک سے محبت وعقیدت کے ساتھ ایک خاص شغف پیدا ہو جائے، تاکہ بچہ بڑے ہونے کے بعد قرآن پاک کو اپنی زندگی کا دستور بنائے، اور اس کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کرے، ایسے والدین بڑے مبارک ہیں اللہ کے حضور میں ان کی بڑی پذیرائی ہوگی، حدیث شریف میں آتا ہے :

'مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَافِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِىْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَاظَنُّكُمْ بِالَّذِىْ عَمِلَ

بِهَذَا. (ابوداؤد،۱۴۵۳)

''جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے فائق ہوگی، پھر تو تمہارا کیا خیال اس شخص کے بارے میں جس نے اس پر خود عمل کیا ہے۔''

آج عام طور پر مسلم گھرانوں میں بچے عصری دنیاوی تعلیم کی غرض سے ابتداء ہی سے ایسے اسکولوں میں داخل کرادیے جاتے ہیں جہاں کا ماحول دین بیزار ہوتا ہے، اور گھر پر بھی ان بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی کوئی فکر نہیں کی جاتی، ایسے بچوں اور ان کے والدین کے لئے کتنی بڑی محرومی کی بات ہے، کل وہ بچے بڑے ہوں گے، ذمہ دار ہوں گے، صاحب اولاد ہوں گے، منصب ووجاہت والے ہوں گے، وہ سب کچھ ہوں گے لیکن اسلام کے تقاضوں اور اس کے محاسن سے ناواقف ہوں گے، لہٰذا اپنے عمل وکردار کی وجہ سے معاشرہ اسلامی کے چہرے پر بدنما داغ ہوں گے اور اس کی ذمہ داری سے ان کے والدین بھی کل قیامت میں نہیں بچ سکیں گے۔

لہٰذا والدین کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ اسلامی تربیت دینے کی کوشش کریں تاکہ ان کے اخلاق وسلوک میں انحراف پیدا نہ ہو، دشمنان اسلام نونہالوں کے اخلاق وعقائد کے بگاڑنے اور انہیں اسلامی شریعت سے برگشتہ کرنے کی نت نئی قسم کی سازشیں کررہے ہیں اور ریڈیو، ٹی وی، ڈش انٹینا اور فحش لٹریچر نیز واٹس اپ انسٹاگرام کے ذریعہ ان کے اخلاق وکردار کو برباد کرنے کی انتھک کوشش کررہے ہیں، ایسی صورت میں ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ بچوں کو دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ کرکے انہیں ضائع ہونے سے بچائیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان جس کا ذمہ

داراور رکھوالا ہے، انہیں ضائع کردے، یعنی ان کی تربیت نہ کرے۔

●●●

اولاد کی تعلیم وتربیت کی فکر والدین کا اولین فریضہ

دنیا میں انسان کو اللہ تعالی نے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان میں سے ایک عظیم نعمت اولاد کی نعمت بھی ہے۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ جس کو عطا کرتا ہے اس کے لیے جہاں یہ لازم کرتا ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور اولاد کی قدر کرے، وہیں یہ بھی ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ اس کی تعلیم وتربیت اچھے ڈھنگ سے کرے اور برے ماحول سے بچائے قرآن و حدیث میں تربیت اولاد کے بارے میں بڑی تاکید کے ساتھ تعلیم دی گئی ہے اور یہ بات وضاحت کے ساتھ بتادی گئی کہ اگر باپ نے بیٹے کی تعلیم وتربیت کی طرف سے کوتاہی کی تو یہ اس کے لیے بہت بڑے خطرے کی بات ہے کہ اس سے دنیا بھی خراب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی خسارہ اٹھانا پڑے گا۔

اس لیے والدین کے لیے ضروری ہے کہ اولاد کی اچھی تربیت کریں تاکہ حقوق اللہ کے ساتھ خود ان کے (والدین) حقوق بھی ادا کرسکیں اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو اللہ کے یہاں جواب دہ ہونا پڑے گا، قیامت کے روز باز پرس کی جائے گی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

کسی باپ نے اپنے بچے کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب یعنی اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔

(ترمذی)

آپ ﷺ نے فرمایا، اپنے بچوں کا اکرام کرو انھیں اچھی تربیت دو۔ (ابن ماجہ)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ کا باپ پر حق ہے کہ وہ اس کو اچھی تربیت دے اور اس کا نام اچھا رکھے۔ (بیہقی) نیز حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ اپنی اولاد اور گھر والوں کو خیر و بھلائی کی باتیں سکھاؤ اور ان کو اچھی تربیت دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ والدین اپنی اولاد کو خیر و بھلائی کی باتیں سکھائیں اور اخلاق کی بنیادی باتیں اُن کی گھٹی میں ڈال دیں تاکہ وہ معاشرے کا صالح فرد اور بااخلاق انسان بن سکیں۔

ادب ہی سے انسان انسان ہے
ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

بچے عام طور پر لاڈ پیار میں خراب ہوتے ہیں تربیت کے معاملہ میں نرمی اور سختی دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچوں کے ہاتھ میں ضرورت سے زیادہ پیسہ دینا انھیں خراب کر دیتا ہے، اسراف کی عادت پڑ جاتی ہے، اپنے ہم جولیوں میں۔ شیخی مارنے بلکہ احساس برتری کا مریض بن جاتا ہے، اور یہ روگ اس کی زندگی کا خاصہ بن جاتا ہے، اسی طرح انھیں جھوٹ بولنے چوری کرنے، گالی دینے، غیبت کرنے، امانت میں خیانت کرنے، وعدہ خلافی کرنے، شراب پینے، جوا کھیلنے، آوارہ پھرنے اور لہولعب میں اپنا وقت برباد کرنے سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ والدین کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ بچپن ہی سے بچے کو صاف ستھرا رکھیں، نماز کی تاکید کریں، غلط بیانی پر متنبہ کریں، اچھے قصے سنائیں، اچھا ماحول فراہم کریں۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں یہ وصیت کی ہے کہ بچہ کو قرآن کریم احادیث

نبویہؐ اور نیک لوگوں کے واقعات اور دینی احکام کی تعلیم دی جائے۔ اسی طرح بچوں کے سامنے تلخی کا کبھی مظاہرہ نہ کیا جائے، اس لیے کہ عورت و مرد کے درمیان نوک جھونک کا بچوں پر منفی اثر پڑ جاتا ہے۔ عام طور پر بچے سات سال کی عمر میں سمجھدار ہو جاتے ہیں اس وقت ان کو خدا پرستی کے راستہ پر ڈالنا چاہیئے اور ان کو نماز پڑھنے کی ترغیب دینا چاہیئے، دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی پختہ ہو جاتا ہے اور بلوغ کا زمانہ قریب آجاتا ہے، اس لیے نماز کے بارے میں ان پر سختی کرنی چاہیئے۔ نیز اس عمر میں پہونچ جانے کے بعد انھیں الگ الگ بستروں پر لٹانا چاہیئے۔ ایک ساتھ لٹانے سے مفاسد کا اندیشہ ہوتا ہے، اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے:۔ بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر کے بچوں پر نماز کے لیے سختی کرو اور لیٹتے وقت الگ الگ بستروں پر لٹاؤ۔

(ابوداؤد)

جو والدین اپنی اولاد کی قرآن وحدیث کی روشنی میں تعلیم وتربیت کرتے ہیں انھیں حافظ قرآن اور عالم دین بناتے ہیں پھر وہ قرآن وحدیث کے احکام پر عمل کرتے ہیں وہ بڑے خوش نصیب ہیں، قیامت کے دن ان کی اللہ عزوجل کے یہاں بڑی پذیرائی ہوگی ان کا مقام بلند ہوگا اور دوسروں پر انھیں خاص امتیاز حاصل ہوگا، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:۔ جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے فائق ہوگی، پھر تو تمہارا کیا خیال ہے اس شخص کے مقام بلند کے بارے میں جس نے اس پر خود عمل کیا ہو۔ (ابوداؤد)

آج بہت سے والدین اپنے بچوں کو دنیاوی تعلیم کی غرض سے ابتداء ہی سے ایسے اسکولوں میں داخل کر دیتے ہیں جہاں کا ماحول دین بیزار ہوتا ہے اور گھر پر بھی بچوں کی دینی تعلیم وقرآن پاک پڑھانے نیز اسلامی تربیت کی فکر نہیں کرتے، ان کے لیے کتنی بڑی محرومی

کی بات ہے، کل وہ بچے بڑے ہوں گے۔ ذمہ دار ہوں گے۔ صاحب اولاد ہوں گے۔ وہ سب کچھ ہوں گے لیکن اسلام کے تقاضوں سے ناواقف ہوں گے اور یہی دشمنان اسلام بھی چاہتے ہیں۔

دشمنان اسلام نونہالوں کے اخلاق وعقائد کے بگاڑنے اور انھیں اسلامی شریعت سے برگشتہ کرنے کی نت نئی قسم کی سازشیں کر رہے ہیں اور ریڈیو، ٹیلی ویژن، ڈش انٹینا اور فحش لٹریچر کے ذریعہ ان کے اخلاق وکردار کو برباد کرنے کی انتھک کوشش کر رہے ہیں ایسی صورت میں ماں باپ کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی دینی تربیت کی فکر کریں اور انھیں ضائع ہونے سے بچائیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ انسان جن کا ذمہ دار اور رکھوالا ہے انھیں ضائع کر دے، یعنی ان کی تربیت نہ کرے۔ بھلا اس سے بڑھ کر ضائع کرنا اور کیا ہوگا اور اس سے زیادہ خطرے اور نقصان کی کیا بات ہوگی کہ بچوں کے دلوں میں انحراف اور زیغ وضلال پیدا ہو جائے اور وہ سیدھے راستے سے ہٹ جائیں، اس سے بڑھ کر اور کیا بربادی ہوگی کہ وہ اسلام کی مخالفت شروع کر دیں، اس سے بڑھ کر ضائع کرنا اور کیا ہوگا کہ ان کے دل، عقل اور اخلاق تباہ وبرباد ہو جائیں۔

لہٰذا والدین کی سب سے اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اسلامی اور اخلاقی تربیت کریں۔

●●●

اپریل فول کی تاریخی اور شرعی حیثیت

اپریل کی پہلی تاریخ اخبار میں کوئی نہ کوئی سنسنی خیز شہ سرخیوں کے ساتھ سامنے آتی ہے، ایک دفعہ ایک بڑے صوبہ کے تعلق سے ایک سنسنی خیز خبر شائع ہوئی، یہ خبر دیکھ کر حیرت ہوئی کہ گورنر صاحب نے اچانک استعفیٰ کیوں دے دیا؟ اس کا چرچا ہونے سے پہلے ہی یہ حقیقت سامنے آگئی کہ آج یکم اپریل ہے اور آج کسی کو بیوقوف بنادینا، ہراساں کرنا، موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا کردینا، اس دور کی ثقافت کا ایک حصہ ہے، اس کو برا نہیں سمجھا جاتا، اور اخبارات کی سنسنی خیز شہ سرخیاں اسی ثقافت کی کڑیاں ہیں۔

اپریل کے آغاز سے موسم سرما کا اختتام ہوجاتا ہے، گرمی شروع ہوجاتی ہے، آموں میں بور اور درختوں کو نیا لباس قدرت کی طرف سے عطا ہوتا ہے، سخت سردی کی وجہ سے خزاں دیدہ چمن میں بہار کی نیرنگیاں دکھائی دینے لگتی ہیں، جس کا سلسلہ مارچ ہی سے شروع ہوجاتا ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس موقع پر خلاق حقیقی کا شکر ادا کیا جاتا کہ اس نے محض اپنے فضل سے موسموں کی اس تبدیلی کی لذت وجمال سے ہمیں نوازا ہے، ورنہ زمانہ اور موسم کی تبدیلی میں ہمارا کیا دخل ہوسکتا ہے، یہ اسی کا فضل ہے اور اسی کی عنایت ہے، لیکن افسوس کہ آج

مسلم معاشرہ میں بھی یکم اپریل میں کسی کو بیوقوف بنادینا، کسی کو مرنے کی جھوٹی اطلاع دے دینااوراس قسم کے بے محل باتوں کا کچھ نہ کچھ رواج ہوتا جارہا ہے، اور یہ محض مغربی اقوام کی اندھی تقلید میں ایسا کیا جاتا ہے، ورنہ اس کا تعلق نہ مسلم ثقافت سے ہے اور نہ ہی بھارتی سماج سے، جس طرح اور بھی چیزیں جنہیں محض فیشن یا صاحب بننے کے مزاج کی تسکین کی غرض سے کیا جاتا ہے، اسی میں وہ دعوت بھی ہے جس میں اعلیٰ ثقافت کے حاملین شریک ہوتے ہیں، اوران کے لئے کھانے کا نظم اس طرح ہوتا ہے کہ خود پلیٹ اٹھائیں اور روٹی، سالن، بریانی، قورمہ، جو بھی چاہیں لے لیں اور کھڑے کھڑے ٹہل کر کھاتے رہیں، جس طرح بکریاں، بھیڑیں، یا دیگر جانور ادھر ادھر گھوم کر اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔

رمضان المبارک میں ایک بڑی شخصیت کی افطار پارٹی میں شرکت ہوئی، وہاں یہ منظر دیکھ کر سخت تکدر ہوا کہ کھانے کی سنت کو رمضان المبارک کے مہینہ میں افطار پارٹی کے عنوان سے کس طرح پامال کیا جارہا ہے، کھڑے کھڑے کھانے سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے، اور یہ شائستگی کے خلاف بھی ہے، اور خلاف مروت بھی، لیکن کیا کیا جائے جب کسی قوم کو غلبہ ہوتا ہے تو اس کی اچھی بری عادتیں محکوم ومغلوب قوموں میں بنظر استحسان ہی نہیں بلکہ ترقی وتہذیب وشائستگی کی علامت قرار دی جانے لگتی ہیں اور سب سے پہلے دانشور، سرمایہ دار طبقہ ہی فیشن کے نام پر ان خلاف مروت باتوں کو رواج دیتا ہے، پھر نچلے طبقے تک وہ ناسور رس رس کر پہنچ جاتا ہے۔

اپریل فول بھی اسی قسم کی خلاف مروت، خلاف تہذیب، اور جاہلیت کی بات ہے، یہ رسم کیسے شروع ہوئی، اس کے آغاز کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے، دلچسپ اس لئے کہ عقل وخرد کے دعویداروں نے اس کو اپنانے میں کیسی بے عقلی کا ثبوت پیش کیا ہے، انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا نے اس کی تاریخی حیثیت پر مختلف انداز سے روشنی ڈالی ہے :

''بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ فرانس میں سترہویں صدی سے پہلے سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس مہینہ کو رومی لوگ اپنی دیوی وینس Venus کی طرف منسوب کر کے مقدس سمجھا کرتے تھے، چونکہ سال کا یہ پہلا دن ہوتا تھا، اس لئے خوشی میں اس دن کو جشن و مسرت کے طور پر منایا کرتے تھے، اور اظہار خوشی کے لئے آپس میں ہنسی مذاق بھی کیا کرتے تھے، یہی چیز آگے چل کر اپریل فول کی شکل اختیار کر گئی''۔

اس کی ایک وجہ اور یہ بھی بیان کی گئی ہے، ۲۱/مارچ سے موسم میں تبدیلیاں شروع ہوتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بیوقوف بنا رہی ہے، (یعنی کبھی سردی ہو جاتی ہے، کبھی گرمی بڑھ جاتی ہے، کبھی پنکھا چلاتے ہیں اور کبھی پنکھا ڈولنے سے وحشت ہونے لگتی ہے، موسم کے اتار چڑھاؤ کو قدرت کی طرف سے مذاق پر محمول کیا گیا) لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بیوقوف بنانا شروع کر دیا۔' (برٹانیکا ج۱/۴۹۶)

اس کی ایک وجہ انسائیکلوپیڈیا لاروس میں یہ بتائی گئی ہے کہ ''جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر لیا اور رومیوں کی عدالت میں پیش کیا تو رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تمسخر، استہزاء، اور ٹھٹھا کیا گیا، ان کو پہلے یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالت میں پیش کیا گیا، پھر پیلاطس کی عدالت میں لے گئے کہ فیصلہ وہاں ہوگا، پھر وہاں سے ہیروڈیس کی عدالت میں پیش کیا گیا، پھر ہیروڈیس نے پیلاطس کی عدالت میں فیصلے کے لئے بھیجا، ایسا محض (نعوذ باللہ) تفریحا کیا گیا'' لوقا کی انجیل میں اس واقعہ کو یوں نقل کیا گیا ہے'' اور جو آدمی اسے (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام) کو گرفتار کیے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے اور مارتے تھے، اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر طمانچے

مارتے تھے اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے کہ نبوت (یعنی الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا، اور طعنے مار مار کر بہت سی اور باتیں اس کے خلاف کہیں" (لوقا:۲۲/۶۳۔۶۵)

یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے بیان کردہ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ یکم اپریل کی تاریخ تھی، فرید وجدی کی عربی انسائیکلوپیڈیا سے بھی ان تفصیلات پر روشنی پڑتی ہے، اور اس کے نزدیک بھی اپریل فول کی اصل وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے اور انہیں تکلیف پہنچانے کی یادگار ہے، اگر یہ بات درست ہے تو بڑے دکھ کی بات ہے کہ اس دن کو تمسخر واستہزاء کے طور پر یاد کیا جائے، اور یہود کی اس رسم کو عیسائی اور مسلمان معاشرہ میں رواج پذیر ہونے کا موقع ملے، لیکن حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ جس چیز کو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تضحیک وتمسخر کے طور پر باقی رکھا، عیسائیوں نے اسے کیوں کر قبول کر لیا، جب کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف رسول بلکہ ابن اللہ کا درجہ دیتے ہیں، جن کی طہارت کا عقیدہ ان کے دین کی بنیاد ہے، لیکن افسوس کہ عیسائیوں کے دینی بدذوقی یا بے ذوقی کا عالم یہ ہے کہ جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی اس کو آج مقدس سمجھتے ہیں، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس شکل سے بھی نفرت وبے زاری کا اظہار کرتے، لیکن خدا کی مار یہ ہے کہ اس پر کچھ اس طرح تقدس کا غازہ چڑھایا کہ وہ مقدس شے بن کر مقدس مقامات کی زینت بن گئی، یہی حال اپریل فول کا بھی ہے کہ اس دن کو تضحیک وتمسخر کا ذریعہ بنا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کی نقالی شروع کر دی، جس طرح صلیب کو مقدس قرار دے کر یہود کا شکر ادا کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر تقدس کا یہ ستون قیامت تک کے لئے یہود کی وجہ سے عیسائی معاشرہ کو حاصل ہوا، شاید اسی احساس تشکر نے عیسائی دنیا کو آج بھی یہود کے شکنجے میں کس رکھا ہے، اور ہر وہ چیز جو یہود کی طرف سے آتی ہے عیسائی معاشرہ میں رواج پا کر پوری دنیا میں اس کی بیساکھی سے پہنچ جاتی ہے۔

لیکن ہم مسلمانوں کو سمجھنا چاہئے کہ تضحیک وتمسخر کا طریقہ اسلامی ثقافت وتہذیب کے منافی ہے، نہ کسی فرد کو فرد سے تمسخر کرنے کی اجازت ہے اور نہ کسی جماعت کو دوسری جماعت کے ساتھ استہزاء کی اجازت دی گئی ہے، اور جب کہ اس کی تاریخ کی کڑیاں ایک ایسے مقدس ذات سے وابستہ ہوں تو پھر مسلمانوں کو مزید احتیاط سے کام لینا چاہئے ورنہ خطرہ ہے کہ ایمان سلب نہ ہوجائے، اس لئے کسی پیغمبر کی تضحیک یا توہین بالواسطہ یا بلاواسطہ کفر صریح ہے اور وہ شریعت کی نظر میں شاتم رسول کے کٹہرے میں ہے، اور اس کی سزا یہ بیان کی گئی ہے: "کان الشتم او الاھانة ام العیب صادرا عنه عمدا او سھوا او غفلة او جدا او ھزلا فقد کفر خلودا بحیث ان تاب لم یقبل توبته ابدا الا عند الله ولاعندالناس وحکمه فی الشریعة المطھرة عند متاخری المجتھدین اجماعا والمتقدمین القتل قطعا" (خلاصۃ الفتاوی ج ۳ رص ۲۸۶) (خواہ یہ شتم رسول اور اہانت عمدا ہو یا سہوا سنجیدگی سے ہو یا بطور مذاق کے، وہ دائمی طور پر کافر ہوا، اس طرح کہ اگر توبہ بھی کرے، اس کی توبہ مقبول نہیں اور اس کی سزا بالاتفاق قتل ہے)۔

انسائیکلوپیڈیا لاورس کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں بھیجنے کا مقصد بھی دراصل ان کے ساتھ مذاق کرنا اور انہیں تکلیف پہنچانا تھا، اور چوں کہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا، اس لئے اپریل فول کی رسم درحقیقت اسی شرمناک واقعہ کی یادگار ہے، اللہ تعالیٰ اس قبیح رسم سے ہر صاحب ایمان کی حفاظت فرمائے آمین۔

●●●

اپنے گھر کی فکر کیجئے

دنیا میں انسان کو مصروف رکھا گیا ہے، وہ عضو معطل بنا کر پیدا نہیں کیا گیا، وہ جس قدر مشغول و مصروف رہے گا، اور اس کی مصروفیت مثبت انداز میں ہوگی، اسی تناسب سے دنیا کی تعمیر اور اصلاح کا کام فروغ پاتا رہے گا، انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا دل و دماغ عطا کیا ہے کہ وہ ہمہ وقت غور و فکر کرتا رہتا ہے، وہ نفع و ضرر میں فرق کرسکتا ہے، وہ حق و باطل میں امتیاز کرسکتا ہے، وہ اپنے اور بیگانے کا احساس کرسکتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا شعور رکھتا ہے، اور اسی بنیاد پر ذمہ دارانہ انداز میں اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے، وہ یہ بخوبی سمجھتا ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو باحسن وجوہ پورا کرنے کی صورت میں اس کو پرموشن ملے گا، ترقی ہوگی، اس کی خدمات کو سراہا جائے گا، لہٰذا اگر وہ ملازم ہے تو ملازمت کی فکر کرتا ہے، اگر وہ مزارع (کسان) ہے تو زراعت و کاشتکاری کو بحسن و خوبی انجام دینا چاہتا ہے، اگر وہ دکاندار ہے تو وقت سے پہلے اپنی دکان کھولنا چاہتا ہے، اور وقت سے پہلے دکان بند کرنے سے گریز کرتا ہے، اپنی دکان میں وہ دلچسپی لیتا ہے، اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے سینکڑوں میل کا سفر کرتا ہے۔

لیکن یہی انسان آج اپنے گھر کے بارے میں بڑا بے فکر واقع ہوا ہے، وہ گھر میں کھانے پینے کی چیزیں، لباس و پوشاک، سامان اور اثاث البیت (فرنیچر) کے

ذریعہ گھر کو خوب ڈیکوریٹ کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کی فکر اپنی اولاد اور اہل وعیال کی ذہنی تربیت سے غافل ہوتی ہے، ایک مسلمان کے لئے تو یہ جائز نہیں کہ اپنی اولاد کی ذہنی تربیت جو اسلامی نہج پر ہو، اس سے وہ غفلت برتے، آج فتنوں کا زمانہ ہے، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ گھروں تک فتنوں کی رسائی بہت آسان ہوگئی ہے، طرح طرح کے پروگرام ٹیلی کاسٹ ہوتے ہیں، جن میں حیاسوز اور اخلاق سوز مناظر دکھائے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے مستورات میں بے حیائی پیدا ہوتی ہے، بچوں اور بچیوں پر ان کے منفی اثرات پڑتے ہیں، شرم وحیا کی چادر اتر جاتی ہے، اور بے محابا خواتین بے پردہ ہوکر اجنبیوں کے سامنے آتی ہیں، یا اجنبیوں کا گھروں میں آنا جانا ہونے لگتا ہے، اور یہیں سے فتنے کا آغاز ہوتا ہے، یہ سب والدین کی نظروں کے سامنے ہوتا ہے، بچیاں مردانہ لباس پہنتی ہیں، اور لڑکے زنخوں کی طرح تھرکتے ہیں، ہمارے مسلم سماج میں بھی یہ لعنت تیزی سے بڑھتی چلی جارہی ہے، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے "ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ، وَالْمَرْأَةُ الْمُتَرَجِّلَةُ وَالدَّيُّوْثُ" (نسائی) قیامت کے دن تین لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت نہ ہوگی، ایک وہ شخص جو اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو، دوسری وہ عورت جو مردانہ ہیئت لباس، وضع قطع اختیار کرے اور تیسرا وہ شخص جو دیوث ہو، اور دیوث وہ ہے جس کو اس بات کی فکر نہ ہو کہ اس کے گھر میں کون آتا اور کون کہاں جاتا ہے۔

والدین کی نافرمانی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں، شرک کے بعد اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل والدین کی نافرمانی ہی ہے، قرآن پاک میں والدین کی کسی بات پر 'اف' کہنے سے بھی روکا گیا ہے، ان کے حق میں دعائے رحمت کی تاکید کی گئی ہے، والدین کو مثل کعبہ قرار دیا گیا ہے، جن کی طرف محبت کی نگاہ پر ایک حج مقبول کا ثواب ملتا ہے، اور اگر کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرے تو دنیا ہی میں اس کو اس کی سزا بھگتنی پڑتی

ہے، وہ جس طرح اپنے والدین کو ستاتا ہے اس کے بیٹے بھی اسی طرح اس کو دنیا میں ایذا پہنچاتے ہیں، والدین جو اس کی زندگی کی بنیادیں ہیں، ان بنیادوں کی اگر وہ فکر نہیں کرتا تو اس کی زندگی خود خشک ہو جاتی ہے، اس کی شاخیں بے ثمر اور اس کا عمل بے اثر ہو جاتا ہے، اس کی عمر گھٹ جاتی ہے، اس کی روزی کے سرچشمے سوکھ جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں دوسری بات کی طرف جو وضاحت آئی ہے وہ بہت اہم ہے، وہ یہ کہ جو عورت یا بچی مردانہ لباس پسند کرتی ہے، اپنی وضع قطع ان ہی کی طرح بناتی ہے، چوٹیاں کاٹ کر مردوں کی طرح بال رکھتی ہے، بے پرواہ اجنبیوں کے سامنے آتی ہے، اس پر بھی اللہ کی رحمت نہ ہوگی، خدا کے غضب کی مستحق ہوگی، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے ایک دفعہ سوال کیا تھا کہ حضور اگر کوئی عورت مردانہ چپل استعمال کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں اس پر بھی خدا کی رحمت نہیں ہوگی۔

دیوث کہتے ہیں اس شخص کو جس کو اپنی عزت و ناموس کی حفاظت پر کوئی غیرت نہ آتی ہو 'هُوَ الَّذِیْ لَاغَیْرَةَ لَهٗ عَلٰی اَهْلِهٖ' ایک حدیث میں خود حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ دیوث وہ شخص ہے 'اَلَّذِیْ لَایُبَالِیْ مَنْ دَخَلَ بَیْتَهٗ وَخَرَجَ' جسے اس کی پرواہ نہ ہو کہ اس کے گھر میں کون آتا ہے اور کون جاتا ہے؟

اس حدیث کی روشنی میں ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، اپنے گھر کی فکر کرنی چاہئے، گھر کو گذرگاہ نہ بننے دیں، بلکہ عزت و ناموس کا محافظ اور آماجگاہ بنائیں، ورنہ جو بھی گھر میں خرابی ہوگی، اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہوں گے جو گھر کے سربراہ اور سرپرست اعلیٰ ہوں گے، لہٰذا ٹیلی ویژن پر بھی نظر رکھیں، اور اخبارات و پرچوں پر بھی نگاہ ڈالتے رہیں، تاکہ بے قید آزادی سے گھر کا چمن کسی بونڈر کی نظر ہو کر جھلس نہ جائے

اور پھر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے کف افسوس ملتے رہیں۔

انسان کی بے بسی

کائنات میں انسان عقل وخرد کا مظہر اور ہوش وحواس کے حسین امتزاج کا آئینہ دار ہے، اس کے مکلّف بنائے جانے کا راز بھی یہی ہے۔ حق تو یہ تھا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت اگر نہ بھی ہوتی تو انسان موحد ہوتا۔ خدا کی یکتائی اور بے ہمتائی پر کامل یقین رکھنے والا ہوتا۔ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی آمد و بعثت اور دعوت کے بعد تو اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی، اس لئے کہ کائنات کا عظیم الشان نظام اس کے سامنے ہے۔ رات و دن کی آمد، کائنات کی تخلیق اور بے شمار نشانیاں ہیں جس سے قدرت خداوندی کا مکمل ادراک ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے نظام عالم کو انسان کے سامنے رکھ کر اپنی بڑائی وقدرت پر غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے، آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمھارے اپنے کرتوت کی بدولت اور تم زمین میں (خدا کو) عاجز نہیں کر سکتے اور خدا کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔'' (سورہ شوریٰ۔ آیت ۲۹۔۳۰۔۳۱)

انسان بے بس ہے اور خدا کی ذات قادرِ مطلق۔ اس کا ہر نظام محکم، مکمل یگانگت کا آئینہ دار ہے، لیکن اس کے باوجود انسان نے تھوڑی سی وقتی طاقت وقوت کے نشہ میں اپنے

حدود سے ہمیشہ تجاوز کیا ہے اور مخلوق سے بڑھ کر خالق کی صف میں آنے کی ناکام کوشش کرتا رہا ہے۔ تاریخ ہمارے سامنے کچھ ایسے بھی نام پیش کرتی ہے جنھوں نے خدائی کا دعویٰ کیا اور "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کی صدا بلند کی۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو بے شمار دلوں میں یہ جذبات پرورش پاتے ہوئے معلوم ہوں گے، جس کا مظاہرہ بھی ہوتا رہتا ہے۔

ہزار ہم سخن ہو ہزار ہم نظری
نظام جنبش ابرو نکل ہی آتے ہیں

موجودہ دور جسے سائنس کا دور کہا جاتا ہے، علم و عقل کی کاوشوں نے بے شمار سربستہ رازوں کو وا کرنے کی کوشش کی ہے جس کے نتیجے میں وہ عجائبات رونما ہو رہے ہیں جن کا تسلیم کرنا عام عقلوں کے لئے آج بھی مشکل ہے۔ مواصلات کا نظام ہو یا دوسرا شعبہ ہر جگہ سائنس کی جلوہ گری نظر آتی ہے، جو کام مہینوں میں انجام پاتا تھا وہ منٹوں اور سیکنڈوں میں مکمل ہو جاتا ہے۔ جہاں تک تصورِ انسانی کا پہونچنا بھی محال سمجھا جاتا ہے۔ وہاں انسانوں کے قدم پہونچ رہے ہیں لیکن ان سب کے باوجود انسان کمزور، بے بس اور انجام سے بے خبر ہے۔

امریکہ دنیا کا ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔ طاقت وقوت اور تکنیکی مہارت میں اسے ممتاز مقام حاصل ہے۔ ایک عرصہ سے خلانوردی میں مصروف نہ جانے کتنے خلائی جہاز کو روانہ کر چکا ہے۔ لیکن انسان، انسان ہے اس کی بے بسی دیکھئے۔

کیپ کارنیوال کے خلائی راکٹ پیڈ پر انسان کا سیلاب امڈ پڑا ہے۔ ہر شخص کی نظریں اس خلائی جہاز چیلنجز پر جمی ہوئی ہیں، جو چند لمحوں میں پرواز کرنے والا ہے۔ ایک ایک پرزہ کی جانچ مکمل ہو چکی ہے۔ امریکہ کی اہم ترین شخصیتیں اس منظر کو دیکھنے کے لئے بے تاب کھڑی ہیں۔ کیونکہ امریکہ کی تاریخ میں ہمہ جہتی مقاصد کے لئے ابھی

اتنا اہم اور بڑا چیلنجز روانہ نہیں کیا گیا تھا۔ بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔اس جہاز کے کاک پیٹ میں سات سائنسداں خلابازوں کی ٹیم پہونچ چکی ہے، اس میں دوعورتیں بھی ہیں۔ نیلے رنگ کے خلائی سوٹ میں ملبوس سب تیار بیٹھے ہیں۔چیلنجز کی خلائی اڑان کے ڈائریکٹر نے سگنل پاتے ہی الٹی گنتی شروع کی۔دس،نو،آٹھ،سات، چھ، پانچ، چار، تین دو اورایک پراس نے بٹن دبادیئے۔ بھیانک آواز کے ساتھ غراتا ہوایہ خلائی جہاز فضا میں بلند سے بلندتر ہوتا گیا۔ ہزاروں تماشائی اپنے ملک کی انجینئری کے اس عظیم شاہکار کی اڑان دیکھنے جمع ہوئے تھے۔ جب تک نظر نے کام کیا،نظروں سے دیکھا، پھر دوربینیں لگالیں اور اس شاہکار مصنوعی پرندے کو دیکھتے رہے،لیکن کسے معلوم چند ثانیہ میں ابھی کیا ہونے والا ہے۔وہ ساتوں خلاباز اپنی کامیابی پرخوش تھےاوران کے عزیزواقارب ٹیلی ویژن اسکرین پر یہ منظرخوف ومسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

خلائی مرکز برابر پیغام وصول کررہا تھا اور وہیں سے انھیں کمان بھی کررہا تھا۔ اچانک چیلنجز نے خطرہ کا سگنل دیااورزبردست دھماکہ کے ساتھ ٹیلی ویژن اسکرین پرشعلے اٹھتے ہوئے نظرآئے۔امید کا تاج محل خاکستر ہوچکا تھااور یہ سوٹن وزنی چیلنجز نیلے پیلے شعلوں کے قوس وقزح میں چھپ گیا تھا۔ ٹیلی ویژن کے اسکرین پرنظریں جمائے تماشائیوں کی چیخیں نکل پڑیں۔ کلیجے منہ کوآگئے۔خوشی غم میں تبدیل ہوگئی۔خاموشی چھاگئی۔ کمنٹری رک گئی۔خلائی مرکز ایک مرگھٹ کا منظرپیش کرنے لگا، جہاں ابھی خوشیاں تھیں وہاں موتیں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ بلندیوں کی طرف جانے والےشعلوں میں گھرے پستی کی طرف آرہے تھےاور پھر ہمیشہ کے لئے بحراوقیانوس میں ڈوب گئے۔

جل نہ جائے یہ کہیں برق کی زد میں آکر
شاخِ امید کواس قدر بڑھاتے کیوں ہو

اسباب کی تلاش شروع ہے۔تحقیقات جاری ہیں،خلابازوں کا لباس،ان کی کھالیں،جلی ہوئی ہڈیاں ایک تھیلی کی شکل میں ملی ہیں جسے تجربہ گاہ پہونچایا جاچکا ہے۔ اس دلدوز اور بھیانک واقعہ کی تہہ میں کیسی عبرت پوشیدہ ہے ذرا غور کرنے سے کیا درس ملتا ہے کہ انسان اپنی تمام تر عقل ودانش،علم وہنر کے باوجود "وَمَا أُوتِيتُم مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" کا مصداق ہے۔تمھیں تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے۔عقل اس کی کمزور اور وہ خطاونسیان کا پتلا ہے۔ایک ہی ذات اور وہ خدا کی ہے جو حکیم ودانا ہے۔علیم وخبیر ہے۔اس کے یہاں غلطی نہیں۔اس کا نظام محکم ہے،لاکھوں سیارے فضائے بسیط میں اپنے اپنے محور پر رواں دواں ہیں۔آج تک سرمو انحراف نہیں ہوا ہے۔بال برابر اپنے راستے سے نہیں ہٹتے،اس نے جب چاہا تو سیکنڈوں میں اپنے محبوب بندے کو ساتوں آسمان کی سیر کرادی اور جب چاہا تو غروب ہوتے ہوئے آفتاب کو عمل جاری رکھنے پر مجبور کردیا۔ایک چیلنجز جس کا وزن سوٹن تھا اس کے بنانے والے اس کو نہ بچا سکے اور اربوں سیارے جن کا وزن خدا ہی کو معلوم ہے خلا میں چکر لگا رہے ہیں۔سرمو اپنے مدار سے تجاوز نہیں کرتے : "ذَالِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمُ" یہ اس باخبر زبردست ذات کا محکم انداز ہے،انسان کو نہ اپنی ذات پر اختیار ہے اور نہ بنائی ہوئی چیز پر۔چیلنجز کو اعلیٰ دماغ کے لوگوں نے بنایا تھا اور اعلیٰ دماغ کے لوگ اسے مدار میں لے جارہے تھے لیکن انسان کی بے بسی ظاہر ہوکر رہی۔

گلشن کی آبرو پہ وہیں اوس پڑ گئی
بھڑکی جہاں بھی دامن گل پیرہن میں آگ

●●●

اسلامی تقویم کا بہار آفریں مہینہ ربیع الاول

ربیع الاول کا مہینہ اسلامی تقویم کا تیسرا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ اپنی یگانہ خصوصیات کی وجہ سے دوسرے مہینوں پر امتیاز رکھتا ہے۔ یہ امتیاز کسی خاص فرض کی تعین کی بنیاد پر نہیں بلکہ محسن انسانیت سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے خصوصی وابستگی کی وجہ سے ہے۔

عربی میں ''ربیع الاول'' کے معنی بہار کے ہیں اور اول پہلے کو کہتے ہیں۔ اس طرح یہ بہار کا پہلا مہینہ ہے۔ یہ نام انجیل کے سریانی ترجمہ میں لفظ ملقوش (تاخیر سے ہونے والی بارش) کا مرادف ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عام طور پر یہ مہینہ جاڑے کے آغاز میں پڑتا تھا۔ سخت سردی کا زمانہ جمادی الاول اور الثانی (پالے کا پہلا اور دوسرا مہینہ) ہوتا تھا۔ نسیٔ (مہینوں کے مؤخر کر دینے کے عمل) کو اسلام نے لغو، فضول اور باطل ہی نہیں بلکہ کفر کے مرادف قرار دیا تو پھر سارے مہینے اپنی اصل وضع میں آ گئے۔ چونکہ اسلامی تقویم میں اعتبار چاند سے ہوتا ہے، شمسی سال کے مقابلہ میں قمری سال عموماً دس دن چھوٹا ہوتا ہے اس لئے اب ربیع الاول سال کے کسی موسم کا پابند نہیں رہا۔ بلکہ اس کی گردش سال کے ہر حصہ میں ہوتی رہتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ربیع الاول وہ بہار آفریں مہینہ ہے جس میں سموم کرب سے جھلسی ہوئی انسانیت کی کھیتی لہلہا اٹھی اور انسانیت قید و محن کی زنجیروں سے آزاد ہوئی۔ حق کو اعتبار ملا اور باطل رسوا ہوا۔ ظلم حق ناشناسی، کردار کشی، باطل پرستی، احسان فراموشی، بغض و عداوت،

بے جا جاہ طلبی اور عیش کوشی کے جراثیم ناپید ہوگئے۔ نخوت و پندار کے کنگورے گر گئے۔ تناؤ، کشمکش اور شکر رنجیوں کی آگ سرد پڑ گئی اور عالم انسانیت نے ایسی بہار دیکھی جس سے پہلے ایسے مناظر اس نے نہیں دیکھے تھے لہٰذا ذرہ ذرہ نے یہ شہادت دی کہ یہی بہار کا پہلا مہینہ ہے ربیع الاول۔

اگر چہ عام طور پر نام کی صرف اس قدر ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ چند چیزوں میں جو اشتراک ہے وہ اس سے ممتاز ہو جائے۔ اسم کو اپنے مسمی کے صفاتِ خواص اور حالات کا آئینہ ہونا چاہئے۔ عموماً انواع واجناس کے نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ مثلاً انسان مسلم قوم اور خود یہ مہینہ ربیع الاول۔

ربیع الاول اسلامی تاریخ کا وہ سنگ میل ہے جس سے انسانیت اور بقائے باہم کے زریں اصول کی نشاندہی ہوتی ہے۔ سپاس وطاعت کو حوصلہ اور جرأت و جسارت کو توانائی نصیب ہوتی ہے۔ ماحول کی برہمی میں زندگی گزارنے اور حق کی راہ پر گامزن رہنے کا درس ملتا ہے۔ اسی مہینہ کی ۹ تاریخ کو نبوت کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا۔ یوں ولادت کی تاریخ میں اقوال تو مختلف ہیں لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''ماثبت بالسنۃ'' میں اسی تاریخ کو راجح قرار دیا ہے۔

قیل ثمان خلت منه، قال الشیخ قطب الدین اُلقسطلانی وھواختیار اکثر اھل الحدیث و نقل عن بن عباس وجبیر بن مطعم وھواختیار اکثر من لہ معرفة بھذالشان واختارہ الحمیدی و شیخه ابن حزم و حکی القضاعی فی عیون المعارف اجماع اھل السیر علیه : وقیل لاثنی عشرو ھوالمشھور

ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ گذر چکی تھی تو آپؐ کی ولادت ہوئی۔ علامہ قسطلانی نے محدثین کے نزدیک اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور جبیر بن

مطعمؒ سے یہی منقول ہے۔اس فن کے ماہرین کے نزدیک یہی راجح ہے۔امام حمیدی،علامہ ابن حزم نے اسی کو راجح کہا ہے۔علامہ قضاعی نے تو اس سلسلہ میں اجماع نقل کیا ہے اور بارہ ربیع الاول کی شہرت ہوگئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا زمانہ وہ سال ہے جسے ''عام الفیل'' ہاتھی کا سال کہا جاتا ہے۔یمن کا بادشاہ ابرہہ ایک عظیم لشکر کے ساتھ خانہ کعبہ کو ڈھانے کی غرض سے مکہ مکرمہ آرہا تھا،اللہ رب العزت نے ابابیل پرندوں کے ذریعہ اس کو نیست و نابود کردیا۔ پورا لشکر تباہ ہوگیا اور خود ابرہہ راستے ہی میں ختم ہوگیا۔چونکہ اس میں ابرہہ ہاتھی پر سوار ہوکر آیا تھا، اس لئے اس سال کو ہاتھی کا سال ہی کہا جانے لگا۔

اس عظیم عبرت انگیز حادثہ کا تذکرہ زبان زد خاص و عام تھا،جس کے تصور ہی سے اہل مکہ لرزہ براندام ہوجاتے تھے، اللہ کی نصرت نے انھیں زندہ رہنے کا حوصلہ دیا تھا۔ ضرورت تھی اس نصرت ربانی کا دروازہ اور وسیع ہو اور لرزہ براندام انسانیت کو قرار و سکون کی دولت نصیب ہو۔لہٰذا

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحاؑ

حضرت عبدالمطلب نے آپؐ کا نام محمدؐ رکھا اور جب پوچھا گیا کہ یہ نام آپ نے کیوں تجویز کیا ہے تو فرمایا کہ اس امید میں کہ میرے پوتے کا نام روشن ہوگا اور ہر طرف تعریف کی جائے گی۔ایک روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عبدالمطلب نے ساتویں روز آپؐ کا ختنہ کیا اور دعوت کی اور اسی دن نام رکھا گیا۔علامہ ابن قیم نے اس روایت کے بعض رواۃ پر کلام کیا ہے۔

چالیس سال کے بعد آپؐ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔پہلی وحی غارِ حرا میں'' اِقْرَأْ

بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ" (پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔) جب یہ آیت نازل ہوئی تو لیلۃ القدر کی مبارک رات تھی "اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ" ہم نے قرآن پاک کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے اور پہلی وحی سے چھ مہینے پہلے سے نبوت کا آغاز رویائے صالحہ سے ہو چکا تھا۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس کا صراحت سے تذکرہ آیا ہے۔ اگر حساب لگایا جائے تو نبوت کی پہلی کلی بھی اسی ماہ ربیع الاول میں مسکرائی۔

ہر کلی آج مسکراتی ہے　　باغ دل میں بہار آتی ہے

تیرہ (۱۳) سال مکہ مکرمہ اور اطراف میں اسلام کی دعوت آپؐ دیتے رہے لیکن مکہ کی سرزمین آپؐ کے لئے نامانوس ہوتی گئی۔ امین و صادق کہنے والوں نے برسرعام جھٹلانے کی کوشش کی۔ عفت و طہارت کی دہلیز پر اتہام و الزامات کے گولے برسائے گئے۔ آپؐ نے دعوت کی راہ میں بخوشی تمام چیزوں کو جھیلا، جب ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو مالک حقیقی نے اپنے حضور میں بلا کر قدر و منزلت سے نوازا۔ زمین والوں نے بے رخی دکھائی تھی، آسمان والوں نے بڑھ کر استقبال کیا۔ سربلندی و سرفرازی کا تمغہ نماز کی شکل میں عنایت ہوا۔ شب معراج میں نماز فرض ہوئی لیکن اتنی بڑی سعادت کو بھی جب اہل مکہ نے نظر انداز کر دیا اور دل کی کیفیت پہلے سے زیادہ خراب ہوگئی تو یمن و سعادت اور برکت کی نگری یثرب کی طرف ہجرت کا حکم ربانی ملا۔ بہت سے احباب تو پہلے جا چکے تھے آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہجرت فرمائی۔ تین روز غار ثور میں قیام رہا۔ ادھر اہل مدینہ روزانہ علی الصبح استقبال کے لئے نکلتے، بالآخر بارہ (۱۲) ربیع الاول پیر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ وارد ہوئے۔ اہل مدینہ نے بڑھ کر استقبال کیا اور محبت و عقیدت کی پلکیں بچھا دیں۔ علامہ ابن قیم نے اس موقع پر لکھا ہے :

فلما كان يوم الاثنين ثانى عشر ربيع الاول علىٰ راس ثلاث عشر سنة من النبوه خرجوا علىٰ عادتهم فلما حمى حرالشمس رجعوا وصعدرجل من اليهود علىٰ أطم من آطام المدينه لبعض شانه ۔ فصرخ باعلىٰ صوته يابنى قيله هذا صاحبكم قدجاء (زادالمعاد) ۔

''نبوت کے تیرہویں سال پیر کے دن بارہویں ربیع الاول کوحسب معمول اہل مدینہ حضورؐ کے استقبال کے لئے نکلے،لیکن مایوس ہوکر واپس آ گئے۔دھوپ کی شدت بڑھ چکی تھی کہ ایک یہودی اپنی چھت پر کسی کام سے گیا، کیا دیکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔وہیں سے چیخ پڑا،اے بنی قیلہ (انصار) تمھارا آدمی آ گیا۔''

دس سال تک مدینہ منورہ میں قیام کے بعد اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی کہتے ہوئے جب آپؐ نے کوچ کیا تو وہ دن بھی یہی پیر کا تھا اور تاریخ بارہ ربیع الاول کی تھی: صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس طرح اسلام کی تاریخ میں ماہ ربیع الاول خوشیوں اور مسرتوں کا چمن بھی ہے اور غم و اندوہ کا سمندر بھی۔صحابہ کرام کی زندگی میں یہ مہینہ بار بار آتا رہا لیکن انھوں نے کوئی جشن نہیں منایا، نہ خلفائے راشدین نے ایسی کوئی چیز کی، بلکہ ان کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا : عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ عُضُّوا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ (ترمذی،۲۶۷۶) ''میری سنت کی اتباع تم پر لازم ہے اور خلفاء راشدین کی پیروی بھی اس کا بھرپور التزام کرو۔''

ان کے سامنے یہ ارشاد بھی تھا : مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْاَحَبَّنِیْ (ترمذی،۲۶۷۸) جس نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھ سے محبت کی۔

لہٰذا صدر اول میں ان رسومات کا کہیں پتہ نہیں چلتا،جنھیں آج بطور دین کے قبول کرلیا گیا ہے۔نعروں اور جھنڈوں کی یلغار اور برقی قمقموں کا ایک بازار تو ہر طرف نظر آتا ہے

لیکن سنت رسول صلعم کی قندیلیں بجھتی چلی جارہی ہیں۔ایک ایک شہروقصبہ میں اس موقع پر لاکھوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔صرف لکھنؤ میں ۱۹۷۳ء میں جب حکومت کی طرف سے پابندی نہیں لگائی گئی تھی تو صرف بلیوں، جھنڈیوں اور گیٹوں کی تزئین کاری پر تیرہ (۱۳) لاکھ روپیہ کا خرچ آیا تھا۔اس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ پورے ہندوستان میں یہ رقم کتنی خرچ ہوتی ہوگی اور خرچ کرنے والی وہ قوم ہے جس کا وجود آج خطرہ میں ہے، جس کا پرسنل لاموت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہے، جس کی لاکھوں بیٹیوں کی عزت وعفت داؤ پر لگی ہوئی ہے۔فرقہ وارانہ فسادات نے جس کے لاکھوں فرزندوں کو یتیم کردیا ہے، جس کے افراد کا خون ملک کے ہر گوشے میں ارزاں ہوچکا ہے، وہ پانی کی طرح ایک رسم میں لاکھوں روپیہ بہادیتی ہے اور اُسے افسوس بھی نہیں ہوتا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

لیکن امت مسلمہ کا اقبال رسومات کے فروغ میں نہیں ہے بلکہ سنت رسول علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی اتباع میں ہے۔

اتباع رسول ہوجائے زندگی اصول ہوجائے

●●●

برقعہ تحفظ کا احساس پیدا کرتا ہے

خواتین کو اللہ عزوجل نے عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری دی ہے، اس کا تحفظ ان کی زندگی میں آسودگی اور قرار کا ضامن ہوتا ہے، بے آبرو خاتون کوڑے کی مثل ہوتی ہے، جس کی گھر میں کوئی جگہ نہیں ہوتی ،اس کا وجود معاشرہ انسانی کو تعفن سے بھر دیتا ہے۔

اسلام نے عورت کو بڑا اونچا مقام عطا کیا ہے، قرآن پاک میں ایک پوری سورت (سورۃ النساء) خواتین کے نام موجود ہے، جس میں خواتین کی زندگی کے مختلف مسائل کو شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اس کے علاوہ (خاتون) حضرت مریم کے نام سے بھی ایک پوری سورت قرآن پاک کا جز ہے، عورت کے تعلق سے بعض حالات میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے لیکن حدیث شریف میں اسے ابغض المباحات قرار دیا گیا ہے، قرآن پاک میں اس موضوع کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ ایک پوری سورت سورۃ الطلاق کے نام سے اللہ نے نازل فرمائی ہے جس میں اس مسئلہ کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔

عورت خاندان میں مرکز محبت ہے، تصویر کائنات میں رنگ اس کے عکس جمیل کا پرتو ہے، لیکن جب وہ بگڑ جاتی ہے تو معاشرہ انسانی کے فساد کا موجب بن جاتی ہے، اس کی ہلاکت خیزیوں سے حکومتیں بھی پامال ہوجاتی ہیں، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے مَاتَرَكْتُ بَعْدِیْ فِتْنَةً اَضَرُّعَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ' (بخاری، ۵۰۹۶) میں نے اپنے

پیچھے مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان رساں کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا' دنیا بڑی شیریں وشاداب ہے، اللہ تعالی نے تم کو دنیا میں اپنا جانشین بنا کر بھیجا ہے تا کہ وہ آزمائے تم کیسا کام کرتے ہو، لہٰذا دنیا سے بچو، اور اجنبی عورتوں سے دور رہو، اس لئے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو رونما ہوا تھا وہ عورتوں کی وجہ سے تھا (مسلم' مشکوۃ شریف)

آج کے مہذب دور میں جب کہ ہر چیز کو تہذیب وثقافت کے دائرے میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے عورت کو سب سے زیادہ غیر مہذب و بے حیاء بنا دیا گیا ہے، مغربی دنیا کی بالادستی نے مغربی تہذیب کے وہ نقوش قائم کیے ہیں جن میں عورت سب سے زیادہ بے قیمت ہوگئی ہے، تاجر اپنی تجارت کے فروغ میں عورت کی برہنہ تصویر چھوٹی سے چھوٹی چیز پر شائع کرنے سے گریز نہیں کرتا، گذرگاہوں اور شارع عام پر بڑے بڑے بورڈ نوجوان عورتوں کی برہنہ ونیم برہنہ تصویروں سے مزین کیے جارہے ہیں، اس کا اثر معاشرہ پر تیزی سے پڑ رہا ہے، شریف خاندانوں میں بے پردگی کی وبا پھیل رہی ہے، اور محرم ونامحرم کا امتیاز ہی ختم ہوتا چلا جارہا ہے، اس کے مفاسد کھلے عام نظر آرہے ہیں، عورت کے بارے میں حدیث میں آتا ہے 'عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو اس کو شیطان للچائی نظروں سے دیکھتا ہے'۔

آج یہ ہو رہا ہے کہ عورتیں پارکوں، بازاروں اور تفریح گاہوں میں اور گذر گاہوں میں بن سنور کر بے حجاب گذرتی ہیں اور خبیث الطبع لوگ انہیں جھانکتے ہیں اور آئے دن بے آبروئی' زنا کاری یہاں تک کہ قتل کے واقعات رونما ہو رہے ہیں، پڑھے لکھے خاندانوں میں پردے کا حال اور برا ہے، نقاب لگا کر باہر نکلنا رجعت پسندی

یا قدامت پسندی قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا نوجوان بچیاں، دوشیزائیں بے پردگی کے ساتھ باہر آتی جاتی رہتی ہیں، اور اپنی دنیا کے ساتھ عاقبت بھی خراب کرتی ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ 'دو قسم کے جہنمیوں کو میں نے دیکھا ہے ایک وہ جن کے پاس گائے کے دم کی طرح کوڑے ہوں گے، جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو ناحق ماریں گے دوسری قسم ان عورتوں کی ہے جو (بظاہر) کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی مگر عریاں ہوں گی، مردوں کی طرف جھکنے والی اور انہیں مائل کرنے والی ہوں گی ان کے سر بختی اونٹ کی جھکی ہوئی کوہانوں کی طرح ہوں گے، وہ جنت میں نہیں جائیں گی، اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو دور سے محسوس کی جائے گی۔

عرصہ ہوا اخبار 'ہندوستان ٹائمز' میں ایک غیر مسلم خاتون کا جو رفاہی کاموں میں لگی ہوئی سوشل ورکر تھی اس کا مضمون شائع ہوا تھا، اس خاتون نے لکھا ہے 'میں نے اپنی ساتھی مسلم خاتون کی طرح برقعہ پہنا اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ برقعہ پوش عورتیں سڑک پر چلتے ہوئے کیا محسوس کرتی ہیں۔ اس خاتون (سداماہی) نے لکھا ہے کہ جب میں برقعہ پہن کر باہر نکلی تو مجھے تحفظ کا ایک عجیب سا احساس ہوا، برقعہ پہننے کے بعد ایک عورت دوسروں کا جائزہ لے سکتی ہے، ان کے ردعمل کو دیکھ سکتی ہے لیکن عورت کے احساس یا ردعمل کو دوسرا نہیں دیکھ سکتا لہٰذا برقعہ تہذیب ہی نہیں بلکہ تحفظ کی علامت اور کرامت وعزت کی نشانی ہے۔

●●●

بیٹیوں کی مثالی رخصتی

شادی کے بعد بیٹی کی رخصتی کا مرحلہ بہت سخت ہوتا ہے، والدین اپنے جگر گوشے کو رخصت کرتے وقت کن حالات سے دوچار ہوتے ہیں اور انہیں کیسا کرب ہوتا ہے اور اپنی بچی اور اس کے نئے گھر اور اس کے مستقبل کے تعلق سے کس درجہ متفکر ہوتے ہیں اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کی بیٹی رخصت ہو رہی ہو، رخصتی کے وقت جہیز کے سامان کی کثرت وتنوع میں بھی یہ احساس شامل ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ بچی کو جو دلہن بن کر نئے گھر جا رہی ہے عزت ووقار سے دیکھا جائے گا، اور بچی کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اس کا شوہر ساز وسامان کی وجہ سے اس کا خیال رکھے گا، سسرال والے بھی عام طور پر جہیز ہی کے ذریعہ دلہن کی قدر وقیمت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ آج کل یہ وبا عام ہوتی جا رہی ہے، لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کی خوشحال زندگی کی خواہش میں اپنی کمائی کا آخری قطرہ بھی نچوڑ کر دے دینا چاہتا ہے، تاکہ اس کی بچی سسرال میں باعزت زندگی گذار سکے۔

مادیت نے عنان زندگی ہے موڑ دی
اپنے بیگانے یہ کہتے ہیں محل کی بات ہو

سب کچھ دینے کے بعد بھی آخر بات بنتی ہوئی نظر نہیں آ رہی ہے، مال واسباب دیکھ کر حرص وہوس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اس کے بعد مزید مانگوں کا سلسلہ جاری

رہتا ہے۔ بالآخر دلہن حرص وآز کی نذر ہوجاتی ہے یا کم از کم مطالبات مزید پورے نہ ہونے کی وجہ سے اس گھر میں لڑکی کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔

غیر مسلموں کی بات تو الگ ہے، ان کے نزدیک پیسہ ہی سب کچھ ہے، آخرت کا کوئی واضح تصور ان کے یہاں نہیں ہے، سزا وجزاء وعدہ ووعید کا مبہم تصور تو پایا جاتا ہے لیکن اس کا تعلق بھی اخروی زندگی کے بجائے اس مادی زندگی کے ساتھ سمجھا جاتا ہے لیکن ایک مسلمان جس کا ایمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور یوم آخرت پر ہو اور وہ ایسا کرے، مال وحرص وہوس میں بھکاری بن کر مانگے یا ڈاکو بن کر لوٹنا چاہے یا خودغرضی یا ابن الوقتی کا ایسا مظاہرہ کرے تو چرخ کہن بھی شرما جائے۔ افسوسناک بات ہے، کیونکہ اسلام میں عصمت کی حفاظت کے لئے کسی باعصمت کو قبول کرنا بہت بڑی سعادت ہی نہیں بلکہ عظیم دولت ہے، سورہ نور میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے 'بن بیاہے لڑکے لڑکیوں کا نکاح کردو، غلام، نوکر، باندی اگر وہ نکاح کے لائق ہوں تو ان کا نکاح کرو، اگر وہ مفلس وقلاش ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں مالدار کردے گا، اور اللہ وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (نور)

جہیز مسئلہ کا حل نہیں :

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ لڑکی والے سے جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں وہ اللہ عزوجل پر یقین نہیں رکھتے، اس طرح اللہ کی غیرت کو ٹھیس پہنچاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مانگ کر جہیز لینے والوں کے گھر میں بے برکتی رہتی ہے، اور جو لوگ جہیز پر نظر نہ رکھ کر رشتہ اچھا ڈھونڈ کر نکاح کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس بچی کی آمد کی برکت سے اس گھر کو مالا مال فرمادیتا ہے، اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جہاں منھ مانگا جہیز دیا جاتا ہے لڑکی اس کی وجہ سے منھ چڑھی ہوجاتی ہے اور اکثر گھر والوں میں اس کی وجہ سے

باہمی ہمدردیاں کم ہوجاتی ہیں، بالآخر گھر والوں میں دوری و مجبوری کی فضا پیدا ہوجاتی ہے، اگر بچی کی تعلیم وتربیت صحیح نہیں ہوتی تو معاملہ مزید خراب ہوجاتا ہے۔

اصل معاملہ گھر میں باہمی انس ومحبت، حسن انسجام اور خدمت واطاعت کا ہے، اگر لڑکی کو اس کی تعلیم نہیں دی گئی ہے اور اس کی اہمیت کو اس کے سامنے نہیں رکھا گیا ہے تو اس کے نقصانات کی تلافی ہرگز ہرگز جہیز سے نہیں کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسئلہ زندگی کا ہے، شوہر کے ساتھ رفاقت کا ہے، زندگی کے رطب ویابس کو برداشت کرنے کا ہے، ذمہ دارانہ زندگی گذارنے کا ہے، اس لئے پہاڑوں کی صلابت آہنی عزم واستقامت کے ساتھ زمین جیسی وسعت اور تحمل کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔

رخصتی کے وقت ان باتوں کی تلقین بچی کو ضرور کرنا چاہئے، لیکن عام طور پر اس سلسلہ میں کوتاہی ہوتی ہے، بلکہ یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ آخری وقت میں بچی دلہن بن کر گھر سے زندگی کی شاہراہ کی طرف بڑھ رہی تو اس کی بھی ضرورت ہوگی، لیکن اسلاف کا معمول برابر یہ رہا ہے اور بڑی پابندی کے ساتھ انہوں نے اس اہم فریضہ کو ادا کیا ہے، آج بھی ایک باپ کو رخصت کرتے وقت اپنی بچی کو اس کی وصیت وتلقین کرنی چاہئے، یہ خوش نصیب لڑکی نئے گھر کو چمن زار اور آئندہ زندگی کو سدا بہار بنانے کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، رسول اللہ ﷺ کے جاں نثار صحابہؓ میں حضرت انسؓ کا اونچا مقام ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے طرز عمل کو یوں بیان فرمایا ہے "كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذَا زَفُّوْا اِمْرَاَةً عَلٰى زَوْجِهَا يَاْمُرُوْنَهَا بِخِدْمَةِ الزَّوْجِ وَرِعَايَةِ حَقِّهٖ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جب کسی عورت کو رخصت کرتے ہوئے اس کے خاوند کے پاس بھیجتے تو اس کو حکم دیتے کہ اپنے خاوند کی خدمت کرے اور اس کے حق کا پورا خیال کرے۔

حضرت عمرؓ اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں دینے

کے بعد نصیحت کرتے ہوئے فرمایا' لاتَستَکثِرِی عَلیٰ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ لَا تُرَاجِعِیهِ فِیُ شَیُءٍ وَلَا تَهُجرِیهِ وَسَلِینِی مَابَدَالَكِ وَلَایَغُرَّنَّكِ اِنُ کَانَتُ جَارَتُكِ اَوُضَأَمِنُكَ وَاَحَبُّ اِلَی رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ (بخاری شریف، ۲۴۶۸) بیٹی! رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سامان وغیرہ کا مطالبہ نہ کرنا، اور نہ کسی چیز کے بارے میں آپ سے تکرار کرکے بول چال چھوڑنا، اگر کسی چیز کی ضرورت پیش آئے تو مجھ سے مانگ لیا کرنا، اپنی سوکن کی روش اپنا کر دھوکے میں نہ پڑنا کیوں کہ وہ تم سے زیادہ خوبصورت اور رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ نے اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت مندرجہ ذیل باتوں کی وصیت فرمائی تھی 'اِیَّاكَ وَالغَیرَۃُ فَاِنَّهَا مِفتَاحُ الطَّلَاقِ ' پیاری بیٹی سوکنوں پر غیرت کرنے سے پرہیز کرنا کیونکہ یہ طلاق کی کنجی ہے۔اِیَّاكَ وَکَثرَۃِ الغَضَبِ فَاِنَّهُ یُورِثُ البُغضَاءَ ' زیادہ غصہ نہ کرنا کیونکہ یہ بغض کا سبب ہے، وَعَلَیكَ بِالکُحلِ فَاِنَّهُ اَزیَنُ الزِّینَۃِ وَاَطیَبُ الطِّیبِ الْمَاءُ ' سرمہ ضرور لگانا، اس لئے کہ یہ سب سے عمدہ زینت ہے اور بہترین خوشبو پانی ہے۔(یعنی صفائی ستھرائی رکھنا)۔

فرافصہ ابن احوص نے اپنی بیٹی نائلہ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کی تو رخصتی کے وقت نصیحت کرتے ہوئے کہا' پیاری بیٹی! تم ایسی عورتوں (سوکنوں) کے بیچ جارہی ہو جو قبیلہ قریش سے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ عطر و خوشبو پر تم سے کہیں زیادہ قادر ہیں، لہٰذا تم میری دو باتوں کو یاد رکھنا، ایک یہ کہ سرمہ برابر لگاتی رہنا، دوسری یہ کہ خوشبو کی جگہ پانی کا استعمال اتنا زیادہ کرنا تاکہ تمہارے جسم کی مہک بارش میں خوب بھیگی ہوئی مشک کی بو جیسی ہو جائے۔

جامع وصیت :

خواتین اسلام میں ایک نیک دل پاکباز خاتون ام ایاس بنت عوف گذری ہیں، ان کی شادی کندہ کے بادشاہ عمر بن حجر سے ہوئی تھی، جب ان کی رخصتی کا وقت آیا تو ان کی ماں امامہ بنت حارث نے ان کو تنہائی میں لے جا کر بہت جامع وصیت کی جو اس لائق ہے کہ تمام خواتین اسلام اس کو دستور حیات بنائیں ،وہ کہتی ہیں' پیاری بیٹی' اگر فضیلت ادب کے خیال سے وصیت چھوڑی جاسکتی ہے تو تمہارے لیے بھی اس کو چھوڑنا مناسب ہے، لیکن یاد رکھو، وصیت غافل کے لئے تنبیہ اور عاقل کے لئے مدد ہے، اگر کوئی عورت خاوند سے اس لئے بے نیاز رہنا چاہتی ہے کہ اس کے والدین دولت مند اور اس کے محتاج ہیں تو تم اوروں کی نسبت زیادہ بے نیاز ہو، لیکن قانون فطرت ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے پیدا کی گئیں ہیں اور مرد عورتوں کے لئے۔

پیاری بیٹی، تم اپنے مالوف مکان اور مانوس فضا سے نکل کر انجانے گھر میں اپنی زندگی کے ساتھی کے پاس جارہی ہو جس سے ابھی مانوس نہیں ہو، کل تمہارے لیے اس ساتھی کی پوزیشن ایک نگراں اور بادشاہ کی ہوگی، تم اس کی لونڈی بنی رہنا تو وہ تمہارا چست غلام بنا رہے گا، اس شریک حیات کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے دس خصلتیں یاد کرلو، یہ تمہارے لئے خزانہ ہیں۔ ۱۔ خاوند کے ساتھ انکساری سے پیش آنا اور اس کی تھوڑی چیز کو کافی سمجھنا' ۲۔ اس کی بات اچھی طرح سن کر اس پر عمل کرنا' ۳۔ ۴۔ اس کی آنکھ اور ناک کے موقع محل کا خیال رکھنا یعنی تم میں کوئی ایسی چیز نہ دیکھے جو اس کو خراب معلوم ہو، اور اس کی ناک تم سے وہی بو سونگھے جو بہت عمدہ ہو، ۵۔ ۶۔ اس کے کھانے اور سونے کے وقت کا خیال رکھنا کیونکہ کھانے میں جہاں دیر ہوئی بھوک کی آگ شعلے مارنے لگتی ہے، اور نیند کی کمی غیظ وغضب کا سبب ہوتی ہے، ۷۔ اس کے مال کی نگرانی اور آل وعیال کی دیکھ بھال تمہاری ذمہ داری ہے، ۸۔ مال کے معاملہ میں اصل کام

آمدوخرچ کا بہتر معیار قائم کرنا ہے، اورآل واولاد کے سلسلہ میں بنیادی چیز عمدہ تدبیر وانتظام ہے،۹۔تم اس کی نافرمانی نہ کرنا،اورنہ اس کے راز کو دوسروں سے ظاہر کرنا،اگرتم اس کے حکم پرنہیں چلوگی تواس کے غصہ کو بھڑکادوگی،اوراگراس کا راز دوسروں سے ظاہر کروگی تواس کے بے وفا ہوجانے کا خطرہ ہے،۱۰۔یہ بھی یادرکھو،جب وہ غمگین ہوتواس کے سامنے خوش ہونے یاخوش ہوتواس کے سامنے غمگین ہونے سے پرہیز کرنا۔(تحفۃ العروس)

آج ہمارے معاشرہ کا حال یہ کہ جب بچی رخصت ہونے لگتی ہے توپورے گھر میں کہرام مچ جاتا ہے،ماں پرغشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں،خویش واقارب اس فضا میں رنگ بھردیتے ہیں،کسی کوہوش ہی نہیں رہتا کہ بچی کوآئندہ زندگی میں پیش آنے والے حالات میں جس رہنمائی کی ضرورت ہے اس کی نشاندہی کی جائے،اگرایساہونے لگے توبہت حدتک بیوی اورشوہر کے درمیان ناچاقیوں کا سدباب ہوسکتا ہے،اورازدواجی زندگی خوشی ومسرت وباہمی ہمدردی اورتعاون کے ساتھ مخلصانہ محبت وانس کا حسین گلدستہ بن سکتی ہے۔

●●●

بابرکت دن رحمت بھری راتیں

رمضان المبارک اسلام کا تیسرا رکن اور روحانی رحمتوں کے نزول کا وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں اللہ عزوجل نے انسانوں کی ہدایت کے لئے ابدی اور سرمدی ہدایت نامہ قرآن پاک نازل فرمایا، جس کا تعارف کرتے ہوئے اس معبود برحق کا ارشاد ہے کہ "وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" یہ وہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے تو تم اس کتاب کی پیروی کرو اور تقوی اختیار کرو تا کہ تم پر خدا کی رحمت نازل ہو، دوسری جگہ ارشاد ہے "وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الذی بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا" یہ وہ کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے بابرکت ہے، اور سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے "وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنَاهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ" یہ وہ مبارک ذکر ہے جس کو ہم نے اتارا ہے تو کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو، اس مہینہ کی کس مبارک شب میں یہ نازل ہوا؟ "اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ" بیشک ہم نے اس کتاب کو بابرکت رات میں اتارا ہے، اس مبارک شب کو ہم کس نام سے جانتے ہیں؟ "اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا اَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ" بیشک ہم نے اس کتاب کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے اور وہ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ان آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ وہ مقدس مہینہ ہے جس میں قرآن پاک سب سے پہلی بار دنیا میں نازل ہوا اور پیغمبر امی علیہ السلام کو عالم کی

رہنمائی اورانسانوں کی دستگیری کے لئے دستور نامہ الٰہی کا سب سے پہلا صفحہ عنایت کیا گیا، قرآن کا حامل اوراس وحی الٰہی کا مہبط ان دنوں ایک غار کے کونے میں یکہ وتنہا بھوکا پیاسا سر بہ زانو تھا، اس بناء پر اس ماہ مقدس میں بھوکا پیاسا رہنا (روزہ رکھنا) کسی عبادت گاہ میں تنہا رہنا (اعتکاف کرنا) نزول وحی کی رات میں (لیلۃ القدر) بیدار وسر بہ سجود رہنا تمام پیروان محمدی کے لئے ضروری اسوہ قرار پایا، ''اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ '' اگر تم خدا کو پیار کرتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تمہیں پیار کرے گا۔

رمضان المبارک کی سب سے اہم عبادت روزہ ہے، آنحضرت ﷺ جب تک بقید حیات تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی یہ مہینہ ہمیشہ روزہ میں گذارا اور آج تک کل امت محمدیہ پوری دنیا میں اسی مہینہ کو ماہ صیام مانتی ہے اور پورے مہینے بھر حسب توفیق روزہ رکھتی ہے، قرآن مجید میں روزہ کی تحدید وفرضیت نہایت بلاغت کے ساتھ تدریجی طور سے کی گئی ہے تا کہ نفس انسانی آہستہ آہستہ اس اہم ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل ہو، لہٰذا زمانے کی تخصیص کے بغیر فرمایا گیا کہ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ '' اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، اس کے بعد یہ تسلی بھی دی گئی کہ تم پر اکیلے ہی فرض نہیں کیا گیا ''کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ '' جیسا کہ تم سے پہلی قوموں پر بھی فرض کیا گیا، اب بھی مدت نہیں بتائی گئی، اس کے بعد فرمایا گیا ''اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ '' چند گنے ہوئے دن' اس کے بعد روزہ کے گنے ہوئے دنوں کی تعیین کی جاتی ہے کہ وہ ایک مہینہ ہے اور جس کو ہلکا کر کے دکھانے کے لئے فرمایا گیا تھا کہ ''اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ '' چند گنے ہوئے دن، ظاہر ہے سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں انتیس اور تیس دن کے روزے چند گنتی کے دن تو ہیں ہی، بہر حال رمضان کو ماہ صیام قرار دینے سے پہلے اس مہینے کی عظمت واہمیت بتائی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے: ''شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ

الْهُدٰی وَالْفُرْقَانَ" وہ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا، اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور حق و باطل کی تمیز کی دلیلیں ہیں' اب وہ مناسب موقع آیا جس میں فرمایا جائے کہ ان چند دنوں کے روزے اسی رمضان میں جس کی عظمت یہ ہے تم پر فرض کیے گئے "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" تو جو اس مہینہ کو پاوے تو اس مہینہ بھر روزہ رکھے۔

یہ روزہ اسوہ نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی صرف پیروی ہی نہیں بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان احسان جو اس نے اپنے پیغمبر صادق کے ذریعہ انسانوں پر کیا ہے، اور اس کی احسان شناسی کا احساس ہے، وہ کتاب الٰہی وہ تعلیم ربانی وہ ہدایت روحانی جو ان ایام میں انسانوں کو عنایت ہوئی جس نے ان کو شیطان سے فرشتہ اور ظلمانی سے نورانی بنایا، پستی وذلت کے عمیق غار سے نکال کر ان کو اوج کمال تک پہنچایا، ان کی وحشت کو تہذیب واخلاق سے ان کی جہالت کو علم ومعرفت سے ان کی نادانی کو حکمت ودانائی سے اور ان کی تاریکی کو بصیرت وروشنی سے بدل دیا، جس نے ان کی قسمتوں کے پانسے پلٹ دیے، اور فضل ودولت اور خیر وبرکت کے خزانوں کو ان کے کاشانوں کو معمور کر دیا، جس نے ذرہ بے مقدار کو آفتاب اور مشت خاک کو ہمدوش ثریا بنا دیا، قرآن پاک اپنے ان الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے "وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" اور یہ رمضان کا روزہ اس لئے فرض ہوا تا کہ تم اللہ کی بڑائی کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی اور تا کہ تم اس کا شکریہ ادا کرو۔

اس ہدایت ربانی وکتاب الٰہی کے عطیہ پر شکر گزاری کا یہ رمز واشارہ ہے کہ اس مہینے کی راتوں میں مسلمان اس پوری کتاب کو نماز تراویح میں پڑھتے اور سنتے ہیں اور اس مہینے کے خاتمے پر اللہ اکبر کا ترانہ بلند کرتے ہوئے عیدگاہوں میں جاتے ہیں اور خوشی ومسرت کے ولولوں کے ساتھ عیدگاہ میں دوگانہ (شکر) ادا کرتے ہیں۔

بابرکت راتیں اور خوشی کا دن

رمضان المبارک کی بابرکت ساعتیں تیزی سے گزر رہی ہیں، آخری عشرہ جسے حدیث میں جہنم سے خلاصی کا عشرہ کہا گیا ہے، اس کی چند راتیں اور باقی رہ گئی ہیں، کتنے خوش نصیب اللہ کے وہ بندے ہوں گے جنھوں نے رمضان المبارک کے ایک ایک لمحہ کی قدر کر کے اپنی آخرت کو بنانے کی فکر میں روزوں اور تراویح کا اہتمام اور کار خیر میں نمایاں حصہ لیا ہوگا، اور اب وہ آخری عشرہ کی دہلیز پر پہنچ کر اپنے رب کی بارگاہ میں خلاصی و مغفرت کے امیدوار ہوں گے، اسی عشرہ میں ایک وہ مبارک رات بھی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ہزار مہینوں کی عبادتوں کا ثواب اور رحمت ایزدی کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے کی رات ہے، لیکن یہ دولت کس کو ملے گی، کس کے حق میں جائے گی، وہی لوگ تو ہوں گے جنھوں نے اپنے خانہ دل کو محبت الٰہی سے سجایا ہوگا، اس کی کبریائی کا نغمہ ان کی زبان پر ہوگا، دن میں روزہ دار اور رات میں عبادت گذار ان کا طرۂ امتیاز ہوگا، اور رضائے الٰہی کے حصول میں کبھی انھوں نے غفلت نہیں برتی ہوگی، آخری عشرہ کی طاق راتیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ انہیں میں سے کی ایک رات میں اس مبارک شب کے سایہ فگن ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی کریم ہے، اپنے بندوں پر بڑی مہربان ہے، خصوصا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر اس کے کرم کی بارش تو بے پناہ ہے، اس ذات نے امت کو 'خیر امت' کا لقب عطا فرمایا تو اسے ایسے امتیازات سے بھی نوازا جو دوسری امتوں

کو حاصل نہیں ہیں، انہی میں سے شب قدر بھی ہے، اور عید سعید بھی، شب قدر کی بشارت تو ایسے وقت میں دی گئی جب حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں پچھلی امتوں کی طویل عمروں کا تذکرہ آیا، اور ان کی عبادت وریاضت سے بھرپور زاہدانہ زندگی کا ذکر بھی کیا گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سن کر ذرا ملول خاطر ہوئے، خیال آیا ہوگا کہ پھر اتنی نوازشیں کیسے ہوں گی؟ ادھر یہ خیال گذرا بعض صحابہ کرامؓ نے اس کا اظہار بھی کیا، ادھر رحمت الٰہی کو جوش آ گیا اور اس رحمت بھری رات کا ہدیہ پیش کیا گیا، اب اپنی کوشش ہے، حوصلہ ہے اور دامن دل کی وسعت ہے۔

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
لیکن اپنا اپنا دامن

یہ رات بھی اپنی نیرنگیوں کے ساتھ گذر جائے گی، لیکن اس مالک نے رمضان المبارک کے اختتام پر ایک رات دی ہے، جسے عید کی رات کہا جاتا ہے، وہ رات بھی بڑی مبارک ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ اپنے بندوں کو اپنے جلو میں لینے کے لئے بے تاب ہوتی ہے، حدیث میں آتا ہے وہ رات مغفرت کی رات ہوتی ہے، انعام کی رات ہوتی ہے، لیکن وہ رات عید کے چاند کو دیکھنے اور سامان عید کی فکر میں گزر جاتی ہے، اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ اس رات کو بھی اتنی ہی اہمیت حاصل ہے، اور اس رات میں اللہ تعالیٰ کا کرم اتنی قوت سے جاری ہوتا ہے، اور انہیں پکار پکار کر رحمت حق کے سایہ میں آنے کی دعوت دی جاتی ہے، لیکن آنکھ ہو تو دیکھیں، کان ہو تو سنیں، اور دل ہو تو سمجھیں، فکر اس رات کی بھی ہونی چاہئے، مگر افسوس اس کا ہے کہ ستائیسویں شب کو رسمی اہتمام کے بعد جیسے کلی طور پر اپنے آپ کو فارغ کر لیا جائے، خواتین بازاروں میں امنڈ پڑتی ہیں، بے حجاب گھومتی ہیں، زینت وآرائش کے سامان خریدتی ہیں، اور اس طرح مقدس رات کے

تقدس کو پامال کیا جاتا ہے، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب رمضان سے آزادی مل گئی، روزوں اور تراویح کی بیڑیاں کٹ گئیں، خوشی اس کی کہ اب دن میں کھائیں گے، سوئیوں سے ضیافتیں ہوں گی، بے مہار زندگی کو جو تھوڑا سا قرار آ گیا تھا پھر وہ اپنی روش پر آ جائے گی۔

اگر عید کی خوشی اسی جذبہ کی غماز ہے تو پھر سمجھنا چاہئے کہ عید کا حق ادا نہیں ہوا، اس نے مالک کا شکر ادا نہیں کیا، وہ نفس کا بندہ ہے اور شہوت کا اسیر، خدا کے حضور میں حاضر ہوگا تو بڑا مفلس ہوگا اور بڑا فقیر۔

عید تو اس لئے ہے کہ اس مالک کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں ایک عظیم فریضہ کی ادائیگی کی توفیق سے نوازا، اور ایسا مہینہ عطا فرمایا جس میں پورے سال کی کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: اذا سلم رمضان سلمت السنة' (جب رمضان المبارک خدا کی نافرمانیوں کی باتوں سے محفوظ گزر جائے تو پورا سال (نافرمانیوں) سے محفوظ ہوگا) اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ہلال عید کو دیکھتے ہی ہماری کتاب زندگی میں کیسے نقوش ابھر رہے ہیں، کہیں کوئی داغ دھبہ تو نہیں آ رہا ہے، اگر آ رہا ہے تو پھر یہ سمجھنا چاہئے کہ رمضان المبارک کی کسوٹی پر ہم پورے نہیں اتر رہے ہیں۔

عید خوشی کا دن ہے :

خوشی کا اظہار پسندیدہ ہے، اسی لئے خوش پوشی اور خوش وضعی حدود کے اندر مستحسن قرار دیے گئے ہیں، لیکن حدود سے تجاوز کرنا اور غیروں کی نقالی میں عید کی خوشیوں کو ترتیب دینا اور اس میں اسراف کی حد تک صرف کرنا، عید ملن کی تقریبات کے لئے جبری چندہ وصول کرنا، خوشی کے اظہار کے لئے غباروں، پتنگوں، اور آتشیں پٹاخوں کا سہارا لینا، مخلوط بزم منعقد کرنا، پارکوں میں بے حجابانہ گھومنا، اسٹیجوؤں کے سامنے کھڑے ہو کر نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی تصویریں کھنچوانا، گلیوں میں شور وغل مچانا، یہ قطعاً مناسب نہیں ہے۔

یہی وہ باتیں ہیں جو غیروں کے خوشی کے اظہار کا اہم عنصر ہیں، لیکن بندہ مومن کا دل تو آج کے دن اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی کبریائی کے زمزموں سے معمور ہوتا ہے، اس کی زبان پر اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ (اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے) کے نغمے ہوتے ہیں، وہ پھولتا نہیں، اتراتا نہیں، زرق برق لباس پہن کر بھی خود پسندی خودنگری، خودستائی، اور عُجب میں گرفتار نہیں ہوتا ہے، وہ اللہ کا بندہ ہے، اس کا امتیاز تواضع ہے، خاکساری ہے، اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی، خوش اخلاقی، اور تواضع کا معاملہ اس کا شیوہ ہے، لہذا حقیقی خوشی یہ نہیں کہ ہم اچھے لباس پہن لیں، ضیافت کا اچھا سامان کرلیں، مٹھائیوں کے تنوع سے گھر کو سجالیں، بلکہ حقیقی خوشی یہ ہے کہ اس دن کتنے مایوس یتیم بچوں اور بے نوا بوڑھی عورتوں، بے کس بیواؤں، بے سہارا بچیوں کی ہم نے کس قدر فکر کی ہے، اور ان کی خوشی کا کہاں تک اہتمام کیا ہے۔

عید اصل میں کردار سازی کی دعوت دیتی ہے، اور حقوق انسانی کی ادائیگی کا سبق سکھاتی ہے، اگر عید کی مسرتوں میں ہمسایہ اور نادار بچوں کی فریادیں ہمارے دل ودماغ کو متاثر نہ کرسکیں تو ہماری یہ خوشیاں ہمارے ضمیر پر بوجھ ہوں گی۔

حضرت علیؓ کو کچھ لوگ خلافت کے زمانہ میں عید کی مبارک باد دینے گئے تو دیکھا کہ جَو کے سوکھے ٹکڑے کھا رہے ہیں، آنے والوں نے کہا حضرت! آج تو عید کا دن ہے، یہ سن کر حضرت علیؓ نے سرد آہ بھری اور فرمایا: جب دنیا میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جن کو یہ ٹکڑے بھی میسر نہیں تو ہمیں عید منانے کا کیوں کر حق حاصل ہے، پھر فرمایا کہ: عید تو ان کی ہے جو عذاب آخرت اور مرنے کی سزا سے چھٹکارہ پا چکے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد کی روشنی میں ذرا اپنا جائزہ لیں تو عید کی حقیقت خود بخود سامنے آجائے گی، اللہ تعالیٰ ہمارے لئے یہ عید دائمی خوشی

اور ابدی سکون کا ذریعہ بنادے۔آمین

ماہ صفر میں تیرہ تیزی کی نحوست ایک جاہلانہ تصور

اسلامی تاریخ کا دوسرا مہینہ صفرالمظفر ہے، اسلامی مہینوں میں اسے یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس کا حدیث پاک میں مخصوص انداز میں تذکرہ آیا ہے اور اس سے وابستہ وہم و خرافات کی نفی کی گئی ہے: وہم کی اساس وہ نحوست تھی جو فتنوں وباؤں امراض مصائب و حوادثات کی شکل میں کبھی اس مہینہ میں پیش آئی تھی اور اس کی بنیاد پر یہ عقیدہ قائم ہو گیا تھا کہ صفر کا مہینہ نحوست والم کا مہینہ ہے اللہ کے رسول ﷺ نے اس عقیدہ کی مکمل نفی فرمائی اور انسان کو کامیاب زندگی کی راہوں میں صالح عقیدہ کی روشنی بخشی، ارشاد فرمایا:" لَاعَدْویٰ وَلَاصَفَر" (صحیح مسلم ۲۲۲۲) چھوت چھات اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں، اس مفہوم کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں بکثرت وارد ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور کے جاہلی معاشرہ میں یہ توہمات عقیدہ کی شکل اختیار کر چکے تھے، مثلاً، چھوت چھات، سعد ونحس، بھوت پریت وغیرہ۔

جاہلیت نے صفر کو نامرادی وناکامی کا پیش خیمہ بتایا تھا، اسلام نے صفر کو مظفر و مسعود گردانا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی مہینوں میں اسی مہینہ کے ساتھ خصوصاً مظفر یعنی کامیابی کی صفت لگی ہوئی ہے، گویا اشارہ اس سے یہ ملتا ہے کہ یہ ایام ظفر وسعادت کے حصول کا ذریعہ ہیں، نہ کہ تشاؤم وبدفالی کا وحشتناک درپن، جس میں قوت عمل ٹوٹتی ہوئی اور امیدیں بکھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

ماہ صفر کے تعلق سے یہ بھی عقیدہ پایا جاتا تھا کہ وہ ایک قسم کا سانپ ہے جو انسان

کے معدہ میں پرورش پاتا ہے اور بھوک کی شدت میں جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کی اصل وجہ وہی سانپ ہے جو انسان کو ڈستا ہے اس تصور ہی سے انسان لرز اٹھتا ہے اور ماہ صفر کی آمد سے اس کے تصورات واحساسات میں ایک ہلچل سی پیدا ہو جاتی تھی۔

اسی طرح دور جاہلیت میں ماہ صفر میں 'نسئ' کو جائز سمجھا جاتا تھا، اور عملاً سارے پروہت اس کے قائل تھے نسئ کہتے ہیں مہینہ آگے پیچھے کرنے کی رسم کو یہ رسم عام طور پر اس مہینہ میں ہوتی تھی یعنی محرم کو صفر تک مؤخر کر دیا جاتا تھا۔ اور پھر عین محرم کے مہینہ میں جو اشہر حرام میں سے تھا ان کی خوں آشام کاروائیاں جاری ہو جاتیں تھی، امام مغازی محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی تھی وقلمس کنانی تھا پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا، آخر میں اسی کی نسل سے ابوثمامہ جنادہ بن دف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم اشہر حج میں داخل رہے گا یا صفر۔ یہی بات علامہ ابن اثیر نے بھی نہایہ میں تحریر کی ہے۔ محرم کو صفر تک مؤخر کرنا ہے، اسلام نے اس نسئ کے عمل کو لغو ہی نہیں بلکہ عمل کفر قرار دیا ہے۔ (نسئ کفر کے زمانہ میں بڑھائی ہوئی بات ہے)

لہٰذا ان سب کی نفی حضور اکرم ﷺ نے ایک لفظ لاصفر سے فرما دی ہے اس میں درج بالا تینوں قسم کے عقیدہ کی نفی ہوتی ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلم معاشرہ کو ان تکدرات و خرافات سے آلودہ ہونے سے بچایا جائے تا کہ رفتہ رفتہ کہیں وہ ان توہمات کی بنیاد پر شرک میں مبتلا نہ ہو جائے، اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دن اور تاریخ کو منحوس گردانتا ہے اور اس میں اس کو مؤثر خیال کرتا ہے تو یہ شرک ہے، اس لیے کہ مؤثر تو صرف اللہ کی ذات ہے، بعض دن اور بعض تاریخوں میں کسی قوم پر اگر نحوست طاری ہوئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حقیقت میں نحوست کا سرچشمہ ہیں، اس لیے کہ قرآن پاک

میں قوم عاد کی تباہی کا جہاں ذکر آیا ہے، وہاں یہ فرمایا گیا، ''یَوْمُ نَحْسٍ مُسْتَمِر'' یعنی قوم عاد پر عذاب، جاری رہنے والی نحوست کے دن آئے، اس دن کا تعلق پورے ہفتہ سے ہے ، اس لیے کہ قوم عاد پر آٹھ دن اور سات رات تیز آندھیوں کا عذاب مسلط رہا، یہاں تک کہ پوری قوم تباہ و برباد ہوگئی، ان کے محلات زمیں بوس ہوگئے اور باغوں میں خاک اڑنے لگی، علامہ عثمانی نے اس آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ اور یہ نحوست کا دن ان ہی کے حق میں تھا، یہ نہیں کہ ہمیشہ کو وہ دن منحوس سمجھ لئے جائیں جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے، اور اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے منحوس بن گیا ہے تو مبارک دن کون سا رہے گا، قرآن کریم میں تصریح ہے وہ عذاب سات رات اور آٹھ دن برابر رہا، بتلایئے اب ہفتہ کے دنوں میں کونسا دن نحوست سے خالی رہے گا، چونکہ صفر کی نحوست دور جاہلیت میں فتنوں اور حوادث کے وقوع سے وابستہ کی گئی تھی اور اس کو وہ فتنوں کی تحریک میں مؤثر خیال کرتے تھے۔

لہٰذا اس سے روکا گیا، اور ہر چیز کا رخ مؤثر حقیقی اللہ رب العزت کی طرف کر دیا گیا اسی طرح بارش کے ہونے کو نچھتر کی طرف منسوب کرنے سے بھی روکا گیا اور اسے کفر بتایا گیا، اور اس قسم کے تمام مواقع میں اسلام کی تعلیم کا صرف ایک ہی رخ ہے وہ یہ کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا انتساب اسی کو زیبا ہے۔

اس کے باوجود افسوس ہے کہ جاہلیت کی بہت سی رسمیں مسلم معاشرہ میں اب بھی پائی جاتی ہیں، اور اس کا لحاظ اس درجہ کیا جاتا ہے کہ جاہلیت بھی شرما جائے انہی خرافات میں سے صفر المظفر میں تیرہ تیزی کا وہمی تصور ہے، جو مردوں میں تو کم لیکن عورتوں کے دل و دماغ پر ایسا چھایا ہوا ہے کہ ہر حال میں اس کی پابندی لازمی سمجھی جاتی ہے، صفر کے شروع کے تیرہ دن انتہائی منحوس خیال کئے جاتے ہیں شادی بیاہ نہیں کی جاتی، دلہن کی رخصتی موقوف ہوتی

ہے، کوئی نیا کام کرنے سے گریز کیا جاتا ہے، ان دنوں میں ولادت کو بھی کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، اگر ولادت کسی کے یہاں ہوئی تو سمجھا جاتا کہ اس کی آمد پریشانیوں کا پیش خیمہ ہے، اور اگر خدانخواستہ کوئی بات ہوگئی تو اس کو فوراً اس نئے مہمان کی آمد سے جوڑ دیا جاتا ہے، یہ خالص جاہلی تصور ہے، جو ہمارے معاشرہ میں ہندوؤں کی وجہ سے رفتہ رفتہ پیدا ہوا ہے، سعد ونحس کا تصور قطعاً اسلامی نہیں، جو کچھ ہوتا ہے صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اس کے حکم میں کسی کو اختیار نہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے، ایک مسلمان کی یہی شان ہے کہ اس کا باطن ان وہمی تصورات سے قطعاً پاک ہو اور ظاہر طاعت ربانی پر شاہد ہو، پھر اس کو وہ قوت قاہرہ حاصل ہوگی جو کسی قوم وملت کی قیادت کے لیے ضروری ہے۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کرائے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

عقیقہ سنت ہے

ولادت کے ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کرنا سنت ہے، عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے بچہ کی طرف سے ساتویں، چودھویں یا اکیسویں دن ذبح کیا جاتا ہے، اس کو نسیکہ بھی کہتے ہیں، یہ اسلامی ثقافت کا ایک حصہ ہے، عقیقہ کا اہتمام نہ کرکے ولادت کے چھٹے دن 'چھٹی' کرنا غیر اسلامی طریقہ ہے، چھٹی کے نام پر عورتوں کا جمع ہونا، اسی روز زچہ اور بچہ کو غسل دینا، تیل لگانا اور اس کو عورتوں میں تقسیم کرنا، بچہ کو نیا کپڑا پہنانا، اس کے بال اتروانا، اس کے بعد زچہ عورت پر لگی ہوئی پابندیوں کو موقوف سمجھنا یہ سب غیر اسلامی اور غیر شرعی باتیں ہیں، ایک مسلمان کو اس سے احتراز کرنا ضروری ہے، بلکہ اس کے مقابلہ میں اسلامی طریقہ یہ ہے کہ ولادت کے ساتویں دن بچہ کی جانب سے دو بکرے اور بچی کی طرف سے ایک بکری کا نظم کیا جائے، بکرے کے خریدنے میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ وہ ایک سال کا ہو، جس طرح قربانی کے جانور کے لئے سلیم الاعضاء ہونا ضروری ہے، عقیقہ کے جانور میں بھی ان صفات کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

عقیقہ میں بکری یا بکرا ذبح کرنا ضروری نہیں ہے :

عقیقہ میں بکرے کا ذبح کرنا سنت ہے، بڑے جانور کو عقیقہ میں ذبح کرنا حضور

اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے، البتہ حضرت انسؓ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں کو عقیقہ کے اونٹ میں ذبح کیا تھا 'کَانَ یَعُقُّ عَنْ بَنِیْہِ جَزُوْرًا' اپنے بچوں کا عقیقہ وہ اونٹ ذبح کر کے کرتے تھے (مصنف ابن شیبہ) لہٰذا ان بڑے جانوروں کو عقیقہ میں ذبح کیا جاسکتا ہے جن کی قربانی کی جاتی ہے۔

عقیقہ کیوں کرتے ہیں؟

سمرہ ابن جندبؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا 'کُلُّ غُلَامٍ رَھِیْنَۃٌ بِعَقِیْقَتِہٖ تُذْبَحُ عَنْہُ سَابِعَۃً' (ابوداؤد) ہر بچہ اپنے عقیقہ کا رہن ہوتا ہے، عقیقہ کا جانور ساتویں روز ذبح کیا جائے گا۔ عقیقہ کرنے سے بچہ کی نشوونما میں جو چیزیں حائل ہوتی ہیں اللہ کے فضل سے دور ہوجاتی ہیں، اولاد سے جو مقصود ہوتا ہے، اس کی ذات سے جو نفع کی امید کی جاتی ہے، اس کی تکمیل کی راہیں ہموار ہوجاتی ہیں، حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا جس بچہ کا عقیقہ نہ ہوا اور اس کا انتقال بچپن میں ہوجائے تو والدین کے لئے وہ بچہ خدا کے حضور سفارشی نہ ہوگا، لہٰذا شریعت نے عقیقہ فرض تو نہیں کیا ہے لیکن انداز وہ اختیار کیا گیا ہے جس سے خود بخود عقیقہ کرنے کا داعیہ پیدا ہوجائے۔ حضور اکرم ﷺ نے خود حضرت حسنؓ کی ولادت کے ساتویں روز عقیقہ کیا اور حضرت فاطمہؓ کو حکم دیا کہ بال اتروا کر اس کے برابر چاندی صدقہ کریں۔ (ترمذی)

عقیقہ کا وقت :

عقیقہ کا وقت ساتویں دن ہے، اس کے پہلے اگر کوئی کرے تو وہ عقیقہ نہیں کہا جائے گا، اور نہ ہی عقیقہ کی سنت اس سے ادا ہوگی، حضرت عائشہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ساتویں دن ممکن نہ ہو تو چودھویں دن، اور اس دن بھی انتظام نہ

ہو سکے تو اکیسویں دن کرنا چاہئے، لیکن یہ بھی تحدید کے لئے نہیں ہے، اگر اس دن بھی ممکن نہ ہو تو بعد میں کبھی بھی کر سکتے ہیں، بلکہ اگر کوئی شخص خود اپنا عقیقہ کرے تو وہ بھی کر سکتا ہے، اور ظاہر ہے یہ اسی وقت ہوگا جب بچپن میں اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو، امام طحاویؒ نے مشکل الآثار (۴۶۱/۱) میں حضرت انسؓ کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ 'عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ عَقَّ عَنْ نَفْسِہٖ بَعْدَ مَابُعِثَ بِالنُّبُوَّۃِ' (الطبرانی فی الاوسط (۵۲۹/۱) حضور اکرم ﷺ نے بعثت کے بعد اپنا عقیقہ خود کیا۔

عقیقہ کے جانور کا خون بچہ کے سر پر نہیں لگائیں گے :

بعض لوگ عقیقہ کے جانور کا خون بچہ کے بال اتروانے کے بعد اس کے سر پر ملتے ہیں، اس کو مستحسن خیال کیا جاتا ہے، حالانکہ اس کی ممانعت کی گئی ہے، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُعَقُّ عَنِ الْغُلَامِ وَلَایُمَسُّ رَاْسُہٗ بِدَمٍ ' (ابن ماجہ ۳۱۶۶، الطحاوی (۴۶۰/۱) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ کا عقیقہ کیا جائے گا مگر اس کے سر پر ذبیحہ کا خون نہیں ملا جائے گا، بلکہ ایسا کرنا جاہلیت کا فعل قرار دیا گیا ہے 'عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ اَھْلُ الْجَاھِلِیَّۃِ یَجْعَلُوْنَ قُطْنَۃً فِیْ دَمِ الْعَقِیْقَۃِ ،وَیُحِیْلُوْنَہٗ عَلٰی رَاْسِ الصَّبِیِّ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ یَجْعَلَ مَکَانُ الدَّمِ خَلُوْقًا '(ابن حبان، ۵۳۰۸) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں عقیقہ کے جانور کے خون میں روئی ڈبو کر بچہ کے سر پر لوگ ملتے تھے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے خون کی جگہ ایک قسم کی خوشبو (خلوق) ملنے کا حکم دیا۔ عبداللہ ابن بریدہؓ فرماتے ہیں کہ ہم جاہلیت کے زمانے میں بچہ کے عقیقہ میں بکری ذبح کر کے اس کا خون بچہ کے سر پر لگاتے تھے، اب اسلام کے بعد ہم بکری ذبح کرتے ہیں بچہ کے سر کا بال اتروا کر خون کی جگہ زعفران ملتے ہیں۔

عقیقہ کی دعوت :

عقیقہ کے بعد دعوت کرنا ضروری نہیں ہے، اور نہ کسی تقریب کی ترتیب فرض کی گئی ہے، اگر گنجائش ہے تو اپنے دوست واحباب، خویش واقارب کو بلا سکتے ہیں، ورنہ احباب میں گوشت تقسیم کردیا جائے، جس طرح قربانی کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے ،گھر والوں کو کھانا شرعاً جائز ہے اور دعوت کا اہتمام مستحب ہے۔

حضرت معاویہ بن قرہؓ نے فرمایا کہ جب میرے بیٹے ایاس کی ولادت ہوئی تو میں نے عقیقہ کیا اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو دعوت دی، وہ حضرات تشریف لائے، کھانے سے فارغ ہوکر انہوں نے بچہ کے لئے برکت کی دعا کی، میں نے عرض کیا آپ لوگوں نے دعا کی اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں میں برکت دے، البتہ میں دعا کرتا ہوں آپ لوگ آمین کہیں، میں نے بچہ کے ذہن وعقل وفرزانگی کے لئے دعا کی، تو آج میں اس دعا کی برکت پاتا ہوں، (الادب المفرد/۱۲۵۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کی دعوت مشروع ہے اور جب دعوت دی جائے تو قبول کرنا چاہئے، خواہ شادی کا موقع ہو یا خوشی کا، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے 'اِذَا دُعَااَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُجِبْ عُرْسًا کَانَ اَوْنَحْوَہٗ' (ادب المفرد/۱۲۵۳) جب تمہیں کوئی شادی یا خوشی کے موقع پر دعوت دے تو ضرور قبول کرو۔

●●●

نکاح میں چھوہاروں کا لوٹنا

نکاح کے بعد عام طور پر چھوہارے تقسیم کیے جاتے ہیں بعض لوگ پیکٹیں بنا کر چوہارے کے ساتھ لاوا، کشمش، گری (کھوپرا) اور مصری کی ڈلی کا بھی اضافہ کر دیتے ہیں اور حاضرین میں باقاعدہ تقسیم کرتے ہیں، ایک دفعہ ہمارے ایک دوست شہر سے آکر ندوہ کی مسجد میں ہونے والے ایک نکاح میں شریک تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے خطبہ نکاح کے بعد آیات ثلاثہ کی روشنی میں مؤثر تقریر فرمائی، ایجاب وقبول کے بعد دعا اور ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوا مجمع منتشر ہو گیا، تھوڑی دیر میں دیکھا گیا کہ مسجد کے صحن میں چھوہارے لوٹے جا رہے ہیں، طلباء ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں، یہ منظر دیکھ کر وہ چراغ پا ہو گئے، کہنے لگے یہ تہذیب کے خلاف ہے، میں نے عرض کیا کہ ایسا نہیں ہے یہ سب لوگ مہذب ہیں، ہر مجلس کی تہذیب سے یہ واقف ہیں، کوئی غیر مہذب عمل یہ مسجد میں نہیں کر سکتے اور آیئے آپ کو بتاتا ہوں چھوہارے کیوں لوٹے جاتے ہیں انشاء اللہ آپ کو بھی خوشی ہوگی، آپ نے قاضی ابو یوسفؒ کا نام سنا ہوگا، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے خاص شاگرد اور خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ تھے، وہ قاضی محمد ابن ابی لیلی محدث وفقیہہ کی صاحبزادی کی تقریب میں شریک تھے، نکاح کے بعد چھوہارے بکھیرے گئے، حاضرین نے چھین جھپٹ شروع کی تو امام ابو یوسفؒ نے بھی چھوہارے لوٹے۔ قاضی محمد ابن ابی لیلی نے ابو یوسفؒ کو (جو ان کے شاگرد بھی تھے) اس عمل سے روکا اور فرمایا کہ اس طرح کی چھین

جھپٹ اور لوٹ مکروہ ہے، امام ابو یوسفؒ نے جواب دیا کہ بیشک لوٹ مکروہ وممنوع ہے، لیکن عساکر (لشکروں) میں نہ کہ شادی بیاہ اور نکاح کے موقعوں پر، امام ابو یوسفؒ کا یہ جواب سن کر قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کا رنگ بدل گیا، اور کشیدگی کا باعث ہوا۔ (حسن التقاضی ص ۸)

حقیقت میں امام ابو یوسفؒ کا جواب صحیح تھا، لیکن قاضی ابن ابی لیلی کے ذہن میں وہ ''نہی'' کی روایت تھی، جس میں لوٹنے سے منع کیا گیا ہے، حدیث میں وارد ہے کہ ایک موقع پر حاضرین میں چھوہارے پھینکے گئے لیکن لوگ الگ تھلگ بیٹھے رہے اور انھیں لوٹا نہیں، یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے دریافت فرمایا، کہ تم لوگ لوٹتے کیوں نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا'' آپ ہی نے تو منع فرمایا ہے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے صرف لشکر میں (غنیمت کے) لوٹنے سے منع کیا ہے، اس سے نہیں! خوب لوٹو۔''

(علمائے احناف کے حیرت انگیز واقعات)

ہمارے دوست یہ سن کر بہت خوش ہوئے، چلتے چلتے میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ بھئی! یہ ضرور یاد رکھنا۔

نکاح کے بعد چھوہارے لٹانا سنت ہیں، چھوہارے کے ساتھ دیگر چیزوں کو شامل کرنا، یا چھوہارے کے علاوہ کوئی اور چیز لٹانا یا تقسیم کرنا سنت نہیں ہے اور سنت پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے انعامات ملتے ہیں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ جو میری سنت کو محبوب رکھتا ہے (اس پر عمل کرتا ہے) تو وہ مجھے محبوب رکھتا ہے اور جو مجھے محبوب رکھے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (ترمذی شریف)

●●●

عید الفطر کا پیغام

آج عید کا دن ہے، خوشیوں اور مسرتوں کا دن، نئے، خوبصورت، رنگارنگ کپڑوں نے ایک سماں باندھ دیا ہے، بڑے چھوٹے، جوان بوڑھے، معصوم بچے، مرد اور عورت ہر ایک چہرے کھلے ہوئے ایک دوسرے کو مسکراہٹوں کی سوغات پیش کرتے ہوئے، سیویاں اور شیر خورما کی تو گویا برسات آ گئی، بڑے ایک دوسرے سے بغل گیر ہیں اور ننھے منے بچے گلی کوچوں میں کوئل کی طرح چہچہا رہے ہیں اور رنگین وخوبصورت تتلیوں کی طرح اڑتے پھر رہے ہیں، لیکن عید کا حاصل کیا صرف یہی ہے؟ کیا عید محض ایک ساعت مسرت ہے جو آئے اور گزر جائے؟ شاید ایسا نہیں! اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ ہر عمل سے پیغام دیتا ہے، عبرت وموعظت کے پہلوؤں کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے اور زندگی کے ہر واقعہ کو مشعل راہ بنا دیتا ہے، جس کی روشنی سے اندھے بھی دیکھنے لگیں اور لنگڑے بھی چلنے لگیں، عبادت وبندگی ہو یا لوگوں کے باہمی معاملات، اسلام کا ہر طریقہ ایک 'بولتا ہوا' عمل ہے کہ بہرہ بھی اس کو سننے سے محروم نہ رہے۔

عید بھی سراپا 'پیغام' ہے، دعوت ہے، عید سب سے پہلے ہمیں اس جانب متوجہ کرتی ہے کہ مسلمانوں کو خوشی اور مسرت کے لمحات کس طرح گزارنے چاہئیں، غور کیجئے کہ مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کا کوئی دن نہیں، لیکن نہ رقص وسرور ہے، نہ نغمہ ورباب ہے اور نہ مستی وشراب، نہ پٹاخوں کی اودھم، نہ نعروں کا شور وغوغا، نہ آتش بازیوں کا سیلاب، بلکہ ہر مسلمان صبح دم اٹھتا ہے، نماز فجر ادا کرتا ہے، پھر نہاتا ہے، صاف ستھرے اور میسر ہوں

تو نئے کپڑے پہنتا ہے اور شانہ بہ شانہ عید کے لئے رواں دواں ہے، آنکھیں جھکی ہوئی اور زبان پر اللہ کی کبریائی اور حمد وثناء کے کلمات، عیدگاہ پہنچ کر دوگانہ ادا کرتا ہے، اور اپنی پیشانی خدا کے سامنے مٹی پر رکھ کر اپنے عجز ونیاز کا اظہار کرتا ہے، خوشی کے مواقع پر آدمی میں کسی قدر کبر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے بار بار اپنی بڑائی کی نفی اور خدا کی بڑائی کا اقرار واعتراف کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اصل صاحب ایمان وہ ہے کہ جو خوشی ومسرت کے وقت اترانے نہ لگے، اس کی گردن مارے کبر کے اونچی نہ ہو، اس کی زبان پر اپنی بڑائی کا کلمہ نہ ہو، بلکہ وہ خدا کے سامنے جھکتا ہوا ہو، خوشی نے اس کے تواضع وانکسار کو بڑھایا اور اپنی بڑائی کے احساس کو گھٹایا ہو، اور اس وقت بھی اس کا دل خدا کی طرف متوجہ ہو اور اس کی پیشانی خدا کی چوکھٹ پر خم، شادی بیاہ ہو، بچہ کی پیدائش ہو، نیا مکان خدا نے دیا ہو، دکان اور روزگار کا سامان میسر آیا ہو، کوئی بات خوشی کی پیش آئی ہو، تو مسرت کے اظہار کا وہی طریقہ اللہ کو پسند ہے کہ مومن کا سر شکر کے جذبے سے سرشار ہو کر خدا کے سامنے جھک جائے اور اس کی زبان اللہ کے ذکر وحمد وثناء سے تر ہو، عید مسلمانوں کے لئے اجتماعیت اور وحدت کا پیغام بھی ہے، مال دار ہو یا غریب، آقا ہو یا غلام، فرماں روا ہو یا رعایا، سماج کا معزز اور معروف شخص ہو یا کوئی معمولی اور غیر معروف آدمی، گورا ہو یا کالا اور عربی ہو یا عجمی، ایک ساتھ شانہ بہ شانہ خدا کے حضور کھڑے ہیں، اور اس کے کرم کے سوالی ہیں، یہاں کوئی امتیاز نہیں، خدا کے دربار میں سب برابر ہیں، علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے لئے وحدت کا اور کیا پیغام ہوگا؟

یہ سب مسلمان ہیں، کلمہ توحید پڑھنے والے، محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن نبوت سے وابستہ، آخرت میں سب کا یقین، قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے، جیتے اور مرتے ایک قبلہ کے حامل، فکر ونظر کا کچھ اختلاف ضرور ہے لیکن اس کے باوجود آج یہ شانہ بہ شانہ اور قدم بہ قدم کھڑے ہیں، کاش! دوسرے دنوں میں بھی اس وحدت ملی کو محسوس کریں اور سوچیں کہ کس قدر دین کی بنیادی باتوں میں ان کے درمیان اشتراک واتفاق ہے اور اگر کچھ اختلاف ہے تو اس لائق ہے کہ ان کو نظر انداز کیا جائے اور ایک دوسرے کی رائے کے احترام کے ساتھ ان کو برداشت کیا جائے۔

عید ہمیں اس بات کی یاد دلاتی ہے کہ وہ خوشی خوشی نہیں، جس میں پورے سماج کو شامل نہ کیا جائے، آپ کے گھر میں مسرت کے چراغ جلے، بلکہ چراغاں ہو، اور آپ کا پڑوسی غم کی تاریکیوں میں ڈوبا ہو، اس سے زیادہ نامبارک کوئی مسرت نہیں ہوتی، اسی حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے نماز عید الفطر کے ساتھ ساتھ 'صدقۃ الفطر' کا بھی حکم دیا ہے کہ ہر صاحب گنجائش مسلمان اپنی اور اپنے زیر پرورش لوگوں کی طرف سے گیہوں کی ایک خاص مقدار یا اس کی قیمت اپنے غریب بھائی کو پہنچائے، اور عید سے پہلے پہلے پہنچا دینے کی کوشش کرے تاکہ سماج کے غریب اور پریشان حال لوگ بھی عید کی خوشی میں شامل ہوسکیں، صدقۃ الفطر ایک علامتی عمل ہے، یہ صرف عید ہی کے دن کے لئے مخصوص نہیں، یہ اس بات کی تعلیم ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ہر خوشی میں سماج کے غریب بھائیوں کو بھی شامل کرنا چاہئے، خوشی ادھوری اور ناکام ہے جو اپنے گھر تک محدود ہے اور جس میں اپنے پڑوسیوں کو شامل نہ کیا گیا ہو جن کو خدا نے آپ کی نگاہ لطف کا محتاج بنایا ہے۔

اس لئے اسلام میں بچہ کی پیدائش کے ساتھ 'عقیقہ' اور شادی کے موقع سے 'ولیمہ' رکھا گیا ہے

اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدترین ولیمہ وہ ہے جس میں سماج کے غریب لوگوں کو شریک نہ رکھا جائے، مسلمان وہ ہے جسے دوسروں کی فکر تڑپاتی ہو، جس کو دوسروں کی پریشانی بے قرار کر دیتی ہو، جس کے لئے دوسروں کا غم اپنا غم بن جاتا ہے، جو دوسرے بھائیوں کے درد کی کسک اپنے دل میں پاتا ہو، اسے اپنی لڑکیوں کے ساتھ دوسرے غریب بھائیوں کی لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بھی متفکر رکھتا ہو، اسے اپنے بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ قوم کے دوسرے بچوں کی تعلیم کی فکر بھی بے چین رکھتی ہو، جو ان بیواؤں، یتیموں، اور بیماروں کے لئے بھی اپنے دل کو بے سکون پاتا ہو، جن کے یہاں رات فاقوں سے گزرتی ہے اور جو اپنی بنیادی غذا اور دوا کے لئے بھی کسی نگاہ کرم کے منتظر ہیں، عید اپنی زبان سے بے زبانی سے ہر شخص کو یہ پیغام دیتی ہے، کاش! ہم اسے دل کے کانوں سے سن سکیں اور اس پر عمل کریں۔

حقیقی خوشی اور مسرت عید الفطر کے تناظر میں

اونچا ہلال ہی کی طرح ہے مقام عید — اوج فلک ہے یعنی بلندیٔ بام عید
ہے چرخ پر ہلال زمیں پر مسرتیں — ارض وسما میں جاری ہے کیا فیض عام عید
اس دور ہاؤ ہو میں ہے مفتوں کی یہ دعا — مخلوق کو نصیب ہو عیش دوام عید

آج کا دن یہ وہ مبارک دن ہے جو رحمت و برکت کا مظہر بھی ہے اور مسلمانوں کے لئے قومی جشن اور تہوار کا دن بھی، دنیا میں بسنے والا ہر انسان فطری طور پر مسرت اور خوشی کا متلاشی رہا ہے، جس دن کو وہ سارے غم واندوہ کو بھلا کر اپنے قومی جشن کی یادگار سمجھ کر اپنے رسم ورواج کے مطابق مناتا ہے، کسی میں لہو ولعب کا رنگ غالب ہوتا ہے، کوئی شراب وکباب کی مستی سے لطف اندوز ہوتا ہے، تو کوئی ناچ وگانے میں مگن رہتا ہے، غرضیکہ خوشی منانے کے ایام اور ان کے طور طریقے ہر قوم کی تہذیب کے ترجمان اور اس کی ثقافت کے غماز ہوتے ہیں۔

عید الفطر یہ ایک مبارک اور خوشی کا دن ضرور ہے مگر اس کی نوعیت کچھ اور ہی ہے، ایک ماہ کے روزہ کے بعد بندہ کو نجات ومغفرت کا پروانہ اس کے رب کے حضور سے ملتا ہے، چنانچہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ''جب عید کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اپنے روزہ دار بندوں کے ساتھ فرشتوں میں فخر فرماتے ہیں اور دریافت

فرماتے ہیں، اے میرے فرشتو ایسے مزدور کا بدلہ کیا ہے جو اپنا کام پورا کر چکا ہو، وہ عرض کرتے ہیں اے پروردگار اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کا ثواب اسے پورا پورا دیا جائے، پھر فرماتے ہیں اے میرے فرشتو! میرے ان بندوں اور بندیوں کا بدلہ کیا ہے جنہوں نے میرے اس فریضہ کو پورا کر دیا جو ان پر لازم تھا اور اب پھر دعا کے لئے گڑگڑانے کے لئے نکلے ہیں، میری عزت وجلال کی، میری بخشش وبلندی کی اور میرے اپنے بلند مرتبے کی قسم میں ضرور ان کی دعائیں قبول کروں گا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ میں نے بخش دیا اور تمہارے گناہوں کو حسنات سے بدل دیا، آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ وہ وہاں سے بخشے بخشائے لوٹتے ہیں۔

جس طرح ایک طالب علم سال بھر میں محنت وکدوکاوش کے بعد امتحان دیتا ہے تو اس کو نتیجے کا شدید انتظار رہتا ہے اور وہ اپنی کامیابی معلوم کر کے خوشی ومسرت سے پھولے نہیں سماتا اسی طرح عیدالفطر کا دن بھی مہینہ بھر کی محنت کے اجر ملنے کا دن ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں اس کے بہت سے نام ہیں وہیں اس کا نام ''یَوْمُ مَغْفِرَۃِ الذُّنُوْبِ'' بھی ہے۔ یعنی گناہوں سے بخشش کا دن' یہ عید کے عظیم الشان دن کی وہ اہمیت وفضیلت ہے جو اس کی رحمت ومغفرت اور خیر وبرکت کی آئینہ دار ہے۔

عیدالفطر کا دن جس میں خدائے ذوالجلال نے بہشت کو پیدا فرمایا، طوبیٰ کا بابرکت' درخت اس میں نصب کیا، جبرئیل کو پیغام خداوندی لے جانے کے واسطے عید کا دن منتخب کیا، فرعون کے جادوگروں نے عید کے دن نور ہدایت پایا، اور مالک حقیقی نے انہیں بخشش سے نوازا۔

آج یہ دن ان لوگوں کے لئے پیغام مسرت ہے جنہوں نے اس بابرکت مہینے رمضان المبارک کی قدر کی، دنوں میں روزہ دار اور راتوں میں شب بیدار رہے، تلاوت

قرآن پاک کے ذریعہ اپنے مالک سے رشتہ استوار کیا، جھوٹ، کینہ، بغض، عداوت، نفرت، حسد، چغلی اور دیگر برائیوں سے بچتے رہے اور ایک مہینہ پورے استحضار اور تذکرے کے ساتھ گزارا، ان کے لئے یہ دن حقیقی مسرتوں، شادمانیوں، کیف وسرور اور انبساط کا ہے اور جنہوں نے اس مہینے کو پامال کیا، حکم الٰہی کو توڑا ان کے لئے ان مسرتوں کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے، ''نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ'' انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو فراموش کیا تو نتیجتاً 'انعام واکرام کے وقت' اپنے آپ کو فراموش کر دیا۔

عید کی خوشی زرق برق لباسوں میں نہیں، نوع بنوع کی سوئیوں میں نہیں، دوستوں کے اژدہام و کثرت میں نہیں، عظیم الشان اجتماع میں نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ ہلال عید کا استقبال ہم نے اس مالک کے بتائے ہوئے طریقے پر کیا ہے، یا دنیا کی ریت ورسم ورواج کے مطابق نئے نئے جوڑے تیار کرنے میں' کھانے پینے کی اشیاء کی فراہمی میں، عید کارڈ کی ترسیل میں پیسہ اور وقت صرف کر کے کیا ہے اور پھر عیدگاہ پہنچ کر دوگانہ ادا کر کے فلمستانوں پر لمبی قطاریں لگا کر اور پارکوں میں جا کر وقت گذارنے سے کیا ہے، بلاشبہ یہ دوسرا طریقہ عید کی کیف ومسرت کو پراگندہ کرنے والا ہے اور ایک مومن کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ آلودۂ عصیاں ہو، لہٰذا یاد رکھئے آج کا دن جس طرح روزہ رکھنے والوں کے لئے امن وامان اور نیک پیغام کا دن ہے، اسی طرح خدا کے نافرمانوں کے لئے عبرت، ندامت اور محرومی کا دن ہے۔

روزہ کا مہینہ اس کے بعد عید کا یہ دن ہمیں زندگی اور موت کے بعد آنے والی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نیک لوگوں کی زندگی دنیا میں ایک آزمائش ہوتی ہے اور موت کے بعد دائمی مسرت اس کے حصہ میں آتی ہے، ایک مہینہ کی نفس کشی اور مجاہدہ کا یہی وہ اہم سبق ہے جو عید کی شکل میں ہم کو دیا گیا ہے۔

یادرکھئے۔خوشی کے اس مبارک دن میں خدا کی نظر میں اس کی خوشی خوشی نہیں جوضرورتمندوں، مسکینوں، بیکسوں، ناداروں، پڑوسیوں اورشہروالوں کو بھلا کر بزم مسرت سجاتا ہو، اس لئے آج کے دن صدقہ فطر کوواجب قرار دیا گیا، جوصدقہ فطرادانہیں کرتا اس کا روزہ معلق ہوتا ہے، اسلام نے اس دن کوسرتا پا عبادت اورانس ومحبت کی آماجگاہ بنایا ہے، یہ اس نے آج خوشی کا حق دیا لیکن اس کی بھی تلقین کی کہ اللہ کے دوسرے بندوں کوبھی اس میں شامل کیا جائے ،لہٰذا عیدالفطر ہمیں اس حقیقت کی بھی یاددلاتی ہے کہ انسان کی زندگی کا مقصدایک ایسے معاشرہ اورسماج کی تشکیل کرنا ہے جس میں انسان محسن بن کر جیئے اسی طرح ہرفردنہ یہ کہ صرف ظاہراًصاف اور پاکیزہ رہے بلکہ دوسروں کی زندگی کوبھی مکمل حسین اوردلکش بنائے، یاران وطن کی خدمت کرنا،ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا،اپنی خوشیوں کااہم حصہ جانے ،عیداصل میں کردارسازی کی دعوت دیتی ہے،اورحقوق انسانی کی ادائیگی کاسبق سکھاتی ہے،اگرعید کی مسرتوں میں ہمسایہ اور ناداربچوں کی فریادیں ہمارے دل ودماغ کومتاثر نہ کرسکیں توہماری یہ خوشیاں ہمارے ضمیر پر بوجھ ہوں گی۔

ایک بارمحسن انسانیت غمگساران عالم ﷺ عیدکی نماز کے لئے تشریف لے جارہے تھے، مدینہ کی گلیوں میں ننھے منے بچے، نئے کپڑے پہنے ہوئے عیدکی خوشیاں منارہے تھے،بچوں کے جھرمٹ میں ایک بچہ نہایت غمگین اوراداس بیٹھا تھا،حسرت ویاس کے آثاراس کے معصوم اورکومل چہرہ پرنمودار تھے،آنکھوں میں آنسوتیررہے تھے، گندے اور میلے کپڑوں میں نہ جانے وہ کیاسوچ رہا تھا،تاجدارمدینہ یہ منظردیکھ کرحیران وبےقرارہوگئے ،اس بچے کے پاس تشریف لے گئے،فرمایا، پیارے بچے!بچے کھیل رہے ہیں،اورتم خاموش کس فکرمیں غرق ہو،سب عیدکی خوشیوں میں مست اورتم ایک

طرف سست کھڑے ہو، آخر کیا بات ہے، تجھے کیا ہو گیا ہے تو فکر میں کیوں ڈوبا نظر آتا ہے یہ بتا تو کون ہے؟ آپ نے دریافت فرمایا۔ بچے نے کہا: یارسول اللہ ﷺ، انا یتیم، میں یتیم ہوں، میرے ماں باپ زندہ نہیں، میرے پاس مال و دولت نہیں، میرے پاس گھر بار نہیں، میرا اس دنیا میں کوئی غمخوار نہیں، کس پر ناز کروں، پھر کیسے خوشیاں مناؤں۔

دل اگر فارغ نہ ہو نا ساز ہے ساز نشاط
عید کے دن رنج بڑھتا ہے دل محبوس کا

رحمت عالم ﷺ کا دل یہ سن کر پارہ پارہ ہو گیا، آپ بے چین ہو گئے، بچہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے، حضرت عائشہؓ سے فرمایا، اسے نہلاؤ نئے کپڑے پہنا کر عطر لگا دو، اور ارشاد فرمایا، پیارے آج سے محمدؐ تیرا باپ ہے اور عائشہؓ تیری ماں، فاطمہؓ تیری بہن ہے اور حسنین تمہارے بھائی ہیں، یہ سننا تھا کہ بچہ باغ باغ ہو گیا، اور خوشی سے جھوم اٹھا، تھوڑی دیر پہلے جو بچہ مایوس تھا وہ فرط مسرت سے بے خود اس احساس میں ڈوبا ہوا تھا، آج ہے کسی کا باپ جو میرے باپ کی طرح ہو، کسی کی ماں ہے جو میری ماں کی طرح ہو کون ہے جو میرے بھائیوں کی مثل ہو۔

صحیح ہے اگر آپ ﷺ یتیموں کی غمخواری اور بیواؤں کی دادرسی نہ فرمائے ہوتے تو آج ان کا پرسان حال کون ہوتا، وہ لوگ جو عید کو محض یوم مسرت کے طور پر مناتے ہیں، انہیں اس حقیقت کی طرف توجہ کرنی چاہئے، آیئے آج ہم ملک وقوم کی سلامتی کے لئے خدا کے دربار میں دعا کریں اور خوف خدا، غریبوں کے ساتھ ہمدردی کی صفت اور بھلائی کا جذبہ پیدا کریں۔

کان کے کچے

کان کا کچا ایک محاورہ ہے، جو عام طور پر ایسے شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو ہر سنی ہوئی بات پر یقین کر لیتا ہے، اور اس کے مطابق اس کے نظریات وافکار میں تبدیلی واقع ہونے لگتی ہے، ایسے لوگوں کا حال عموماً یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بات سلیقہ سے ان کے سامنے رکھ دے، خواہ اس کی زد کسی ذات پر کیوں نہ پڑ رہی ہو، اس کو تسلیم کر لیتے ہیں، اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں، بلکہ کچھ اور اپنی طرف سے شامل کر کے اس کی شخصیت کو مزید داغدار کر دیتے ہیں، ایسا شخص اگر عوام الناس سے تعلق رکھتا ہے تو بھی اس کے مضر اثرات سماج پر پڑتے ہیں، اور اگر خواص وذمہ دارانہ پوزیشن کا مالک ہوتا ہے تو اس کے منفی اثرات بھیانک اور ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں، ایسے ہی شخص کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے 'کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُحَدِّثَ بِکُلِّ مَاسَمِعَ' ہر سنی ہوئی بات کو نقل کرنا جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے۔ (حدیث) ابوداؤد (۴۹۹۲)

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں خود کو پشیمانی اور دوسروں کو پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، عوام میں ایسی صورت حال کی عکاسی کے لئے یہ مثل بھی خوب مشہور ہے 'کوا کان لے گیا' کوے کے پیچھے بھاگے چلے جا رہے ہیں، لیکن اپنے کان تک ہاتھ لے جانے کی زحمت نہیں فرما رہے ہیں، آج ہمارے معاشرے کی صورتحال کچھ ایسی ہی ہوتی جا رہی ہے اور اس کی بنیاد پر کتنے رشتے ٹوٹتے ہیں، شیشہ دل میں کتنے بال پڑتے ہیں، دوستیاں ختم ہو جاتی ہیں اور تعلقات کی آرسی پر گرد کی تہہ جم جاتی ہے، ایک صاحب نے

ایک واقعہ سنایا' ایک نوجوان کی شادی اس کی حقیقی ماموں زاد بہن سے ہوئی تھی، کسی وجہ سے معمولی کشیدگی پیدا ہوگئی، اسی اثناء میں لڑکے کے گاؤں کے ایک تیسرے فرد نے لڑکی کے گھر یہ خبر پہنچادی کہ لڑکی تمہاری خودکشی کرنے جارہی تھی، وہ تو میں نے سمجھا بجھا کر واپس کیا ورنہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی، بس یہ سن کر لڑکی کے میکہ کے لوگ لاٹھی ڈنڈوں کے ساتھ آئے، اور لڑکے کو مار مار کر لہولہان کر دیا، اور زبردستی طلاق بھی لے لیا، اور لڑکی کو اپنے گھر لے کر چلے گئے، بعدازیں جب غصہ فرو ہوا تو حقیقت حال کا علم ہوا، اب ندامت و پشیمانی کے سوا کیا تھا، تھوڑے عرصہ بعد لڑکی کا اسی لڑکے کے ساتھ دوبارہ نکاح ہوا اور پھر اسی گھر میں آئی، اسی طرح کے نہ جانے کتنے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، جس کے نتیجہ میں حصار جبر میں زندہ بدن آگ وخون کی نذر ہوتے رہتے ہیں۔

حصار جبر میں زندہ بدن جلائے گئے
کسی نے دم نہیں مارا مگر دھواں بولا

(حفیظ میرٹھی)

کان کا جو شخص کچا ہوتا ہے، وہ اپنے عمل سے دو طرح کے مفاسد کا شکار ہوتا ہے ایک تو یہ کہ خود غیبت میں ملوث ہوجاتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کے اردگرد مداہنت شعار چاپلوس اور خودغرض قسم کے لوگوں کا جمگھٹا ہوجاتا ہے، جو خود اسے بھی نقصان پہنچاتے ہیں اور اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں، حالانکہ انہیں یادرکھنا چاہئے کہ اس میں کتنی شدید وعید آئی ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے عَنْ ابی الدرداءؓ عن النبی ﷺ قَالَ مَنْ ذَکَرَامْرَءً ا بِشَیْـئٍ لَیْـسَ فِیْـہِ لِیَـغِیْبَہُ بِہِ حَبَسَہُ اللّٰہُ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ حَتّٰی یَاتِیَ بِنَفَاذِ مَاقَالَ فِیْہِ' (طبرانی ج ۴ رص ر ۹۴) حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کو ایسے وصف کے ساتھ متصف کیا گیا جو اس میں موجود نہیں ہے تا کہ وہ اس کی غیبت کرکے

نقصان پہنچائے تو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ میں اس وقت تک رکھے گا جب تک وہ اس بات کو ثابت نہ کردے جو اس نے کہا تھا۔

حدیث پاک میں ایسے شخص کو کاذب کہا گیا ہے اور کذب بیانی دروغ بیانی گناہ کبیرہ ہے لہٰذا اپنے آپ کو اس وصف سے بچانے کی فکر ہمہ وقت کرنی چاہئے، تاکہ اس قماش کے لوگوں کو کسی کو بدگمان کرنے کا موقع نہ ملے، بلکہ ان کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ ایسی عادت سے باز آجائیں، یا پھر ذلیل و رسوا ہوکر پاکیزہ معاشرہ سے دور بھاگ جائیں۔

افسوس کا مقام ہے کہ یہ مرض خواص میں کچھ زیادہ ہی پایا جانے لگا ہے، مدارس کی چہار دیواری نہ اس سے محفوظ ہے اور نہ خانقاہوں کا نظام تزکیہ اس کے وائرس کو دور کرسکا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی بات بغیر تحقیق کے قبول نہ کی جائے، ورنہ شخصیات تو شخصیات اداروں اور تنظیموں کا زیاں اور قوت کار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

●●●

کامیابی کی کلید

دنیاوآخرت میں کامیابی کے لئے صرف کوششیں کافی نہیں، بلکہ وہ کوشش مطلوب ہے جوایمان سے عبارت ہو، "وَسَعٰی لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ" (بنی اسرائیل ۱۹) اوراس کے لئے اس کے مناسب کوشش کرے، اس حال میں کہ وہ مومن ہو۔

کامیابی کے لئے آیت کریمہ میں دوشرطیں بیان کی گئیں ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ کوشش اس کے منصوبے اورعمل کے حجم کے مطابق ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ کوشش کرنے والا آخرت پر یقین رکھتا ہو، معلوم ہوا کہ اگرصاحب ایمان ہولیکن کوشش اپنے اصل طریقہ کے مطابق نہ ہوتو ضرر لاحق ہوگا، اور یہ ضرر نقد ہوگا، اس لئے کہ دنیا 'مَزْرَعَةُ الآخِرَةِ' (آخرت کی کھیتی) ہے اور مومن کی منزل مقصود آخرت ہے، سنت طریقہ سے ہٹ کراس نے آخرت طلب کیا تو دنیا کا بھی ضرر ہے اور آخرت کا بھی، اگرصرف دنیا کا طالب ہے تو اس کا ضرر اور دوچند ہے، اس لئے کہ بیوفائی کی سزا تو اس کو ملنی ہی ملنی ہے، عقلا یہ بات معمولی غوروفکر سے ذہن نشین ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ کسی شخص کی پسند اور ناپسند کا حال جب تک معلوم نہ ہو، جس کو اس نے خود بیان نہ کردیا ہو، دوسرا شخص کیسے معلوم کرسکتا ہے کہ اس کو ترشی پسند ہے یا شیرینی، وہ مجلسی مزاج کا حامل ہے یا تنہائی وخلوت کا رسیا۔

رضاجوئی کے لئے مزاج یار سے آشنائی ضروری ہے :

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پسند وناپسند کا علم انسانوں کو کیسے معلوم ہوسکتا ہے، اس کو کون سے عمل پسند ہیں اور کس طریقہ سے کیا جائے، اسی چیز کو عملی پیکر دینے کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے، اوراسی کا نام دین ومذہب ہے، سنت

وشریعت ہے، لہٰذا جو شخص عبادت وریاضت میں منہمک ہے، لیکن اس میں اس کا عمل خانہ ساز شریعت پر ہے، تو اس کا یہ عمل خدا کی رضا کا باعث نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ عبادت اور عبادت کا طریقہ بھی اس نے دیا ہے، اور وہی اسے پسند بھی ہے، اب اگر کوئی من مانے طریقہ پر عمل کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کسی شخص کی رضا کے حصول کے لئے سخت گرمی میں انگیٹھی جلا کر اس کے سامنے رکھ دے، اور سخت سردی میں اس کے سر پنکھا جھلنے لگے، تو خدمت میں سعی وکوشش تو یقیناً پائی گئی، لیکن یہ کوشش بجائے رضامندی اور خوشی کے مستحق غضب وعتاب قرار پائے گی۔

رضا جوئی کے لئے مزاج یار سے آشنائی ضروری ہے، اور یہ بجز وحی ربانی کے کیسے حاصل ہوسکتا ہے، اسی لیے تعلیمات نبوی اور اسوۂ رسول کو مشعل راہ بنائے بغیر ممکن نہیں کہ ہم اللہ کی رضا اور آخرت کی سعادت حاصل کرسکیں، دنیا کی فلاح وسعادت بھی اس راہ مستقیم پر گامزن ہونے میں مضمر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ'' (آل عمران ۳۱) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔

اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ 'لَنْ یَصْلَحَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَاصَلُحَ بِهٖ اَوَّلُهَا' (مؤطا امام مالکؒ) اس امت کے آخری دور کی اصلاح ممکن نہیں بجز اس طریقے کے جس کے ذریعہ اس کے دور اول کی اصلاح ہوئی۔

لہٰذا ترقی یا کامیابی کے لئے چراغ نبوت سے اکتساب فیض کیے بغیر زندگی کے تاریک دریچوں کو روشن نہیں کیا جاسکتا۔

فضول جان کر جس کو بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

ختنہ اسلامی شعار ہے

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، وہ انسانی زندگی کے بقاء واستحکام اور اس کے حسن وجمال کا داعی اور محرک ہے، وہ اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ انسان جس طرح پوشاک اور ظاہری مظاہر میں تجمل کا خیال رکھے، اسی طرح اپنے جسمانی حسن وجمال کو بھی ملحوظ رکھے، خصوصا جسمانی صفائی ستھرائی کا اہتمام رکھنے کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد رسالت ہے 'النظافۃ من الایمان' صفائی نصف ایمان ہے، اور یہ بھی ارشاد ہے کہ پانچ چیزیں صحت کی ضامن ہیں: (۱) زیر ناف بالوں کی صفائی (۲) ختنہ (۳) مونچھوں کا کتروانا (۴) بغل کے بالوں کا صاف کرنا (۵) ناخن تراشنا۔

ان کو فطرت کے مطابق قرار دیا گیا ہے، یعنی جس طرح بچہ اپنی فطرت کے مطابق صحت مند، بے روگ، کامل الخلقہ اور حسن وجمال کا پیکر اور محبوب وہر دلعزیز ہوتا ہے، اسی طرح ان پانچ خصلتوں پر عمل کرنے سے فطری جمال دوبالا ہوجاتا ہے، حفظان صحت کے اعتبار سے بھی یہ ضروری ہے، جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ فطرت سے بغاوت کرتے ہیں اور طرح طرح کے امراض کا شکار ہوجاتے ہیں۔

صحت کا ایک انوکھا مظہر جس کی اسلام نے تاکید کی ہے، بلکہ جس کو مسلم وغیر مسلم کے مابین ایک شناخت کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، آج جو اسلامی شناخت سے نکل کر عوام کے سامنے اپنی افادیت کو ثابت کررہا ہے اور دنیا نے اس کی افادیت کو تسلیم کیا ہے، وہ ختنہ (Circumcision) ہے، حدیث شریف میں اس کی یوں تاکید آتی ہے 'اَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ' (ابوداؤد/۳۵۶) عاصم ابن کلیب کے دادا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا 'جٹا کو کٹوادیں اور ختنہ کرائیں' حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں صحیحین میں یہ روایت آئی ہے 'عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِخْتَتَنَ اِبْرَاهِیْمُ بَعْدَ مَااَتَتْ عَلَیْهِ ثَمَانُوْنَ سَنَةً (بخاری ومسلم ۳/۳۵۷) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسّی سال کی عمر میں ختنہ کیا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی کا ختنہ بچپن میں نہ ہوا ہو تو بعد میں بھی اس کو ختنہ کرنا ہوگا، اسی وجہ سے بعض ائمہ ختنہ کے وجوب کے قائل ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ختنہ سنت مؤکدہ ہے، آج کل ختنہ اسلامی شعار کا درجہ رکھتا ہے، مسلم اور غیر مسلم کا فرق اس سے ہوتا ہے، لہٰذا کہیں فساد ہو یا آسمانی یا انسانی افتاد کے نتیجے میں اجتماعی اموات ہوں تو اس میں واحد پہنچان یہی ختنہ ہوتا ہے، لہٰذا ختنہ کرانے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے ہم پیرو ہیں، اور آپ نے خدا کے حکم سے اپنا ختنہ کیا، لہٰذا ہمیں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اس پر عمل کرنا چاہئے۔

چھوٹی عمر میں ختنہ مناسب ہے :

ختنہ کے لئے مناسب ہے کہ عقیقہ کے ساتھ ہی ختنہ کردیا جائے، زخم بھی جلد مندمل ہوجاتا ہے، اور مختون کو زیادہ تکلیف بھی نہیں ہوتی، اور کشف عورت کا بھی مسئلہ نہیں پیدا ہوتا، لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا تو سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ختنہ کرنا واجب ہوجاتا ہے، امام ماوردیؒ نے فرمایا 'لہ وقتان وقت وجوب ووقت استحباب، فوقت الوجوب البلوغ ووقت الاستحباب قبله والاختیار من الیوم السابع من بعدالولادة (فتح الباری ۱۰/ ۳۴۲) ختنہ کے دو وقت ہیں، ایک مستحب اور دوسرا واجب' بلوغ کے بعد ختنہ کرنا واجب ہے، اور اس سے پہلے مستحب ہے، ولادت کے ساتویں دن پسندیدہ اور افضل ہے۔

ختنہ کے فوائد :

ختنہ کے فوائد کے پیش نظر آج امریکی ممالک میں ۵۹ تا ۹۰ رفیصد لوگ ختنہ کراتے ہیں، دوسرے یوروپی ممالک بشمول جاپان اور روس میں نوزائیدہ بچوں میں ختنہ کرانے کا رواج زیادہ ہے۔ برطانیہ، آسٹریلیا، کناڈا وغیرہ میں ایک مذہبی رسم کے طور پر نہیں بلکہ دیگر بہت سارے فوائد کے پیش نظر ختنہ کرایا جاتا ہے، جن کی توثیق طبی سائنسی سطح پر بھی ہو چکی ہے، جیسے عضو کی حفاظت، مقامی حفظان صحت اور مختلف امراض سے بچاؤ، خاص طور پر جنسی بیماریوں سے بچاؤ وغیرہ، اس سے عضو تناسل کینسر جیسی موذی بیماری سے محفوظ ہو جاتا ہے، سوزاک آتشک جیسی خبیث جنسی بیماریوں سے تحفظ حاصل ہوتا ہے، دنیا کی ایک بڑی تعداد صحت کے خیال سے ختنہ کراتی ہے، جبکہ اسلام نے اسے نظافت کے ذیل میں نصف ایمان قرار دے کر دونوں ہاتھ میں لڈو دے دیا ہے۔

ختنہ میں دعوت وغیرہ :

بچہ کے ختنہ کے وقت مختلف علاقوں میں مختلف رسومات کیے جاتے ہیں، کہیں بچہ کو دولہا بنایا جاتا ہے، نئے جوڑے کے ساتھ، سہرا بھی باندھا جاتا ہے، عام اعزہ جمع ہوتے ہیں، بچہ کو دولہا بنا کر پورے گاؤں میں گھمایا جاتا ہے، پھر مسجد میں لے جا کر سجدہ کرا کر واپس لاتے ہیں، اور کہیں اپنے مورث اعلیٰ کی قبر پر سلام کرانے کی غرض سے بھی لے جاتے ہیں، اس کے بعد گھر واپس لا کر ختنہ کیا جاتا ہے، ایک چھوٹی سی شادی کی ہی تقریب ہو جاتی ہے، عورتیں گیت گاتی ہیں، اور یہ سلسلہ کئی روز پہلے سے شروع ہو جاتا ہے، اب اس میں پہلے سے کمی آئی ہے، لیکن اب بھی رسومات کا سلسلہ کم وبیش جاری ہے، ختنہ کے دن دعوت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ختنہ ایک اسلامی شعار ہے، اس کی ادائیگی

پر جتنی خوشی ہواس کوخلاف شریعت نہیں کہا جاسکتا،لیکن جو چیز ختنہ کے وقت حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے،اسے نہ کرنا ہی بہتر ہے،خوشی کے اظہار کے لئے اگر ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو غیر شرعی نہ ہواور اسراف وریا سے پاک ہوتو اس کی اجازت ہوسکتی ہے۔

حضرت ام علقمہ سے منقول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے بھائی کے بچوں کی ختنہ کے موقع پر اس کی اجازت دی تھی،ام علقمہ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی ایماء پر'عدی' کو بلایا گیا،اور وہ گا کر تھرکنے لگے تو حضرت عائشہؓ نے جب دیکھا تو فرمایا، اف یہ تو شیطانی حرکت ہے ، باہر کردو، (ادب المفرد ۱۲۴۷) اس سے نفس اجازت پر بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے،لیکن شرط یہ ہے کہ خلاف شرع نہ ہو،ختنہ کے موقع پر شرکت ودعوت کا بھی پتہ چلتا ہے،بعض لوگ ختنہ کی دعوتوں میں اس لئے شریک نہیں ہوتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ سے کرنا ثابت نہیں، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے'حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ کوختنہ کے وقت بلایا گیا تو فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ ہم ختنہ کی تقریب میں شریک ہوتے تھےاور نہ ہی دعوت دی جاتی تھی۔

●●●

کھیل اسلامی نقطہ نظر سے

جسمانی نشو ونما جوڑ و بند کی مضبوطی، نشاط و تازگی، قوت کار، اور قوت فکر کو مہیز کرنے کی صلاحیت میں اضافہ، چستی پھرتی اور تیزی، حوصلہ مندی، اور طالع آزمائی، اور جودت فکر کو فروغ، جسمانی استحکام و توازن کے قیام میں کھیل کود، جسمانی ورزش اور بدنی ریاضتوں کا مؤثر رول ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے 'اَلْمُوْمِنُ الْقَوِیُّ أَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُوْمِنُ الضَّعِیْفِ' (حدیث، صحیح مسلم ۲۶۶۴)) طاقتور مومن کمزور مومن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے' اور اللہ عز وجل کا ارشاد ہے ''وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ'' جتنا ہو سکے قوت حاصل کرو۔ (قرآن پاک)

اس آیت میں دیگر ذرائع قوت کے ساتھ جسمانی قوت کی طرف بھی اشارہ موجود ہے، اس لئے وسائل کو وہی استعمال کر سکتا ہے جو ان کے استعمال کی صلاحیت و قوت بھی رکھتا ہو، اس لئے فوج ہو یا پولیس جنہیں ہنگامی حالات میں اپنے اپنے اعتبار سے قوت کا مظاہرہ ہی نہیں بلکہ طاقت کے استعمال کی ضرورت بھی پیش آتی ہے، انہیں سخت قسم کی جسمانی ورزشوں سے گزرنا پڑتا ہے، اور جسمانی ورزش کا جو نصاب مقرر ہے، اس پر عمل کرنا ہوتا ہے، تا کہ وسائل قوت کا وہ ضرورت پڑنے پر استعمال کر سکیں، جسمانی طاقت کی وجہ سے بیباکی، دلیری اور بہادری کی صفت کو پروان چڑھنے کا موقع ملتا ہے، اس لئے ہادی اسلام ﷺ نے مختلف قسم کی ورزشوں اور کھیلوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، بعض ورزشی کھیلوں میں خود بھی شریک ہوئے ہیں، اور اکھاڑے میں اتر کر اس دور کے نامور پہلوان رکانہ کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اسے اکھاڑے میں پچھاڑا بھی ہے، لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے ایسے کھیلوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی بلکہ یہ سنت نبوی ﷺ قرار پائے گا۔

تیراندازی،نشانہ بازی، شہ سواری، دوڑ میں مقابلہ، تیغ زنی، ودیگر مفید کھیل اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہیں، البتہ وہ کھیل جس میں وقت کا ضیاع ہو، یا وہ کھیل جو جوئے کی ایک شکل ہو، یا اس کھیل کی وجہ سے پورا معاشرہ غفلت کا شکار ہو، جس کھیل سے انسانی معاشرہ میں انتشار و بدامنی ہونے کا اندیشہ ہو، یا جس کا شوق مجنونانہ کیفیت پیدا کرتا ہو، اس کھیل پر اسلام یقیناً ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے، آج کل کھیلوں میں برصغیر میں سب سے مقبول کرکٹ ہے، اس کھیل کا اثر معاشرہ انسانی پر کیسا پڑتا ہے اس کا اندازہ آج ہر کس و ناکس کو ہے، چند افراد کھیلتے ہیں لیکن پورا ملک سکتہ کے عالم میں ہوتا ہے، قوت کار متاثر ہوجاتی ہے، تعلیم گاہوں میں تعلیمی زندگی مفلوج ہوجاتی ہے، یہاں تک کے مدارس کی پاکیزہ فضا بھی اس کے وائرس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی، نماز کے پابند نماز سے غافل، ذکر و تلاوت کا اہتمام ختم نہیں تو گھٹ ضرور جاتا ہے، اور پھر اس پر جوا اور سٹہ کی لت مستزاد خورد و کلاں سب کی زبان پر اسی کا تذکرہ، گلیوں میں بچے کودتے، اچھلتے اس کی نقالی، مجموعی طور پر پورا معاشرہ مفلوج اور معطل ہوکر رہ جاتا ہے، یہ ایسا کھیل ہے جس میں کم از کم ایک دن ورنہ پانچ دنوں تک مسلسل پورا ملک شدید ٹینشن میں مبتلا رہتا ہے، اس کھیل میں اگر تجزیہ کیا جائے تو قومی فوائد کے مقابلہ میں قومی نقصانات زیادہ ہیں، کبھی کبھی اس کی بنیاد پر باہمی تناؤ، رنجش اور فسادات کو سر اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔

لیکن آج کل اس کھیل نے ہمارے اعصاب کو اتنا متاثر کیا ہے کہ اس کے خلاف کہنا نئے زمانے سے آہنگ ہونے کے خلاف سمجھا جائے گا، ایک چھوٹے بچہ کو دیکھا گیا کہ وہ چشمہ لگائے ہوئے ہے وہ بچہ اپنے والد کے ساتھ تھا، چشمہ لگانے کی وجہ معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ کھیل دیکھنے کا عادی ہے اور ٹی وی اتنے قریب سے دیکھتا ہے

کہ اس کی آنکھ متاثر ہوگئی۔

ان کھیلوں کے ان نقد نقصانات کے ساتھ ایمانی نقصانات بھی کچھ کم نہیں ہیں، اس لئے کہ اولمپک کھیل خاص طور پر ماضی میں دیوتا زیوس (Zeus) کی تکریم میں منعقد کیا جاتا تھا، اور یونانیوں کے نزدیک 'زیوس' کی حیثیت رب الارباب کی تھی، رومن اصطلاح میں اسے چوپڑ کہتے ہیں، اور اولمپیا اس پہاڑی کا نام ہے جہاں یونانی میتھالوجی کے مطابق دیوی دیوتا جمع ہوکر انسانی قسمتوں کا فیصلہ کرتے تھے، اسی طرح بوشیہ کا میچ جو اپولو کے اعزاز میں ہوتا تھا جو یونانی موسیقی کا دیوتا مانا جاتا ہے۔

چونکہ مسیحیت نے روم و یونان کی مشرکانہ میتھالوجی کو مسیحیت کا رنگ دیکر قبول کرلیا ہے، اس لیے مسیحی تہذیب وثقافت اور تمدن پر برائی کی گہری چھاپ ہے اور اسے فروغ دینے کی ہر ممکن کوشش بھی کی جاتی ہے، اس طرح دبے پاؤں غیر شعوری طور پر ان کی عالمی میچوں کا تصوراتی پہلو ہمارے ایمان وعقیدے کے خلاف ہے۔

●●●

کسی کی تنقید پر خاموشی اختیار کرنے کی فضیلت

معاشرتی زندگی میں باہمی معاملات کوانجام دینے کے لئے باہمی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ عزوجل نے انسان کوایک دوسرے کامحتاج بنایا ہے، کوئی غریب ہےتو کوئی امیر، کوئی صاحب عقل وفراست ہےتو کوئی سبک عقلی اورغباوت کامارا ہوا، کوئی شہر کاباسی ہےتو کوئی دیہات کارہنے والا، کسی کودودھ کی ضرورت ہےتو کسی کو پیسے کی حاجت، کوئی باغبان ہے، لیکن باغ کامالک نہیں، کوئی کاشتکاری کےفن سے واقف ہے لیکن جائیدادواراضی سے تہی دست، کوئی صاحب فن ہےلیکن فن کو بروئے کارلانے کے مواقع سے محروم، کوئی وسائل رکھتاہےلیکن وسائل سے استفادہ میں دوسروں کامحتاج، غرضیکہ دنیامیں ایک دوسرے کی حاجت اوراس کےتعاون کی ایسی ہی ضرورت ہے جس طرح جسم انسانی میں اعضاءوجوارح کاتعاون کردارانسانی کےفروغ میں لازم وضروری ہے ،گویاانسان ایک دوسرے کے تعاون، بہی خواہی اورہمدردی کے بغیرنہیں رہ سکتا،اورنہ ہی اس کے بغیرصالح معاشرہ انسانی کاوجودممکن ہے، اسی لئے حضوراکرم ﷺ نے ارشادفرمایا'مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ' (رواہ مسلم،۲۶۹۹) جوشخص دنیا کی کسی مصیبت میں کسی کے کام آئے ،اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی مصیبت کوآسان فرمادیتے ہیں۔

آج صورتحال اس کے برعکس ہے،انسان ایک دوسرے کے مسائل حل کرنے کے بجائے مسائل پیدا کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، ایک دوسرے کی مصیبت کودیکھ کرخوشی ہوتی ہے، کسی کومسائل سے دوچار ہوتا ہوادیکھ کراس کے چرچے کئے جاتے ہیں، بلکہ اپنے فنکارانہ رول کااشارہ بھی دیاجاتاہے،اسی لئے دنیا کی مصیبتوں میں آئے

دن اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے، اور انسانی زندگی دشواریوں کے دلدل میں دھنستی چلی جارہی ہے، اس سے نکالنے کی جس قدر کوشش ہوتی ہے اسی درجہ حالات پیچیدہ ہوتے جارہے ہیں، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا جذبہ بڑھتا چلا جارہا ہے، جس کی وجہ سے قتل وخونریزی، مقدمات کی کثرت، تعلقات کی نااستواری، مال اور وقت کا ضیاع، باہمی عداوت، رنجشیں اور شکر رنجیوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، ووٹنگ کی سیاست نے اس ناسور کو اور لاعلاج کردیا ہے، دنیا طلبی نے حرص وہوس کو فروغ دیا ہے، اور حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں، حکومتی، سماجی اور انفرادی سطح پر کاوشوں کا نتیجہ مایوس کن ہے، آخرت کا استحضار اور خدائے عزوجل کے روبرو محاسبہ کا اندیشہ اور مرنے کے بعد کی زندگی کا تصور معدوم ہوتا جارہا ہے، لہٰذا موجودہ پریشانیاں اسی کا نتیجہ ہیں۔

ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف فرما تھے، اسی اثناء میں ایک صاحب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حضرت ابوبکرؓ کو برا بھلا کہنے لگے، ان کی باتوں کو سن کر اللہ کے رسول ﷺ مسکرائے، جس کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو اور تکلیف ہوئی کہ مبادا ان اعتراضات کو حضور ﷺ بھی صحیح سمجھ رہے ہیں، بالآخر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب نہیں رہا گیا تو انہوں نے بادل ناخواستہ جواب دے دیا، اس پر حضور اکرم ﷺ اٹھ کر حجرہ میں تشریف لے گئے، یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ پر اور زیادہ اثر ہوا، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور ﷺ غلطی کی معافی چاہتا ہوں، وہ شخص جب تنقید اور اعتراض کررہا تھا تو آپ مسکرارہے تھے اور جب میں نے اس کا صحیح جواب دیا تو آپ کو بظاہر ناگواری ہوئی، اور آپ اٹھ کر حجرے میں تشریف لائے، اس پر مجھے بڑا دکھ ہوا کہ مبادا مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہوئی، حضور آپ کی خدمت میں اسی لئے حاضر ہوا ہوں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ابوبکر جب تک تم خاموش تھے تو تمہاری طرف سے جواب دینے کے لئے اللہ

عزوجل نے ایک فرشتہ کو مقرر کر رکھا تھا، اس پر میں خوش ہو رہا تھا، اور جب تم نے جواب دے دیا تو وہ فرشتہ واپس چلا گیا اس پر مجھے دکھ ہوا اور حجرے میں آ گیا، اس واقعہ پر ذرا غور کیجئے، تحمل و برداشت کا اسے نمونہ تصور کیجئے، یہ مشکل صورتحال ہے مگر حوصلہ مندوں کے لئے کوئی پریشانی کا باعث نہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمت میں ایک صاحب نے کافی ضخیم کتاب بھیجی، جس میں براہ راست خود آپ کی ذات کو ہدف بنایا گیا تھا، کتاب دیکھ کر حضرتؒ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ مزید جلدیں تیار کر سکیں تو کر لیں، ہمیں کوئی شکایت نہیں۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی وفات کی خبر پہنچی، تو رنجیدہ ہوئے، افسوس کا اظہار کیا، اس پر ایک صاحب نے عرض کیا حضور وہ تو آپ کے ناقد تھے، اور آپ افسوس کر رہے ہیں، حضرت تھانویؒ نے فرمایا، وہی تو تھے جو ہماری تحریروں پر گرفت کرتے تھے، اگر وہ قابل قبول ہوتی نظر کر لی جاتی تھی، اب کوئی نہیں، اس پر افسوس ہے۔

ہمارے بڑوں کا یہی شیوہ تھا کہ ایجابی کاموں میں مصروف رہتے تھے، منفی اور سلبی کاموں سے پرہیز کرتے تھے، آج کل سلبیات کا تناسب ہماری زندگی میں بڑھ گیا ہے، اسی لئے پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے 'من سکت نجا' جو خاموش رہا وہ نجات یافتہ ہے، یہ ارشاد رسول اللہ ﷺ کا آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

●●●

ناموں کے ساتھ کنیت اور لقب

بچہ یا بچی کی ولادت کے بعد والدین کا ان کی طرف اَب یا اُم کی نسبت کے ساتھ پکارا جانا شرعاً درست ہے، یعنی اگر کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوا اور اس کا نام عبداللہ رکھا گیا تو اس بچہ کی نسبت سے باپ کو ابوعبداللہ کہا جانا بھی درست ہے۔

عربوں میں اس کا بہت رواج تھا، ہر ایک نام کے ساتھ اس کی کنیت اور لقب بھی رکھنے کا عام دستور تھا، بلکہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس نام کا کوئی لڑکا نہ ہو تو پھر بھی اس نام سے کنیت کا عام چلن تھا، جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ یا حضرت عمر فاروقؓ جن کی کنیت ابوحفص تھی۔

حالانکہ نہ حضرت ابوبکرؓ کی اولاد بکر نام کی تھی، اور نہ ہی حفص نام کا حضرت عمرؓ کے یہاں کوئی بچہ تھا۔ البتہ اگر کوئی شخص اپنے بچہ کا نام محمد رکھے اور اس کی کنیت ابوالقاسم تجویز کرے تو اس سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے، لہٰذا بعض ائمہ ابوالقاسم محمد، نام اور کنیت کو جمع کرنے کو پسند نہیں کرتے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: میرا نام رکھو میری کنیت نہ رکھو، (بخاری) اور جو حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں اشتباہ کی وجہ سے ممانعت کی گئی تھی لیکن آپ کی وفات کے بعد کسی کو ابوالقاسم کی کنیت سے پکارا جانا ممنوع نہ ہوگا، اس ذیل میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا، حضور ﷺ آپ کی وفات کے بعد اگر میرے یہاں کوئی بچہ پیدا ہو تو اس بچہ کو آپ کے نام اور کنیت سے پکارا جاسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! تو میرے لیے اس کی اجازت تھی۔ (ابوداؤد)

لیکن مناسب ہے کہ نام اور کنیت دونوں جمع نہ کیے جائیں، بلکہ ابوالقاسم، صرف

کنیت سے بھی پرہیز کرنا زیادہ مناسب ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کے یہاں بچہ پیدا ہوا، انہوں نے اس بچہ کا نام محمد رکھا، تو حضور ﷺ نے انصار کی تحسین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، میرا نام رکھو میری کنیت نہ رکھو، میں تمہارے درمیان قاسم تقسیم کرنے والا ہوں لہٰذا میرا نام رکھو میری کنیت (ابوالقاسم) سے کسی کو نہ پکارو۔ (مسلم)

بعض روایتوں میں یوں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں اور میں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں، میرا نام رکھو، کنیت نہ رکھو، مجھے ہی قاسم بنایا گیا ہے تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

(مسلم/۲۱۳۳)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ قاسم حضور ﷺ کی مخصوص صفت ہے، حضور ﷺ منبع ہدایت بھی ہیں اور سرچشمۂ سعادت بھی، دین و دنیا کی سعادت آپ کی ذات والا صفات ہی سے وابستہ ہے، لہٰذا کسی اور کو ابوالقاسم کہا جائے، مناسب نہیں ہے۔

لقب : کسی فرد کے اندر کوئی خاص صفت ہو، یا کسی مخصوص اچھی صفت کے ساتھ کسی کو پکارا جائے، اور وہ نام کے علاوہ ہو تو اسے لقب کہتے ہیں، جیسے حضرت صدیق اکبرؓ کو عتیق، حضرت عمرؓ کو فاروق، حضرت علیؓ کو اسداللہ، حضرت خالدؓ کو سیف اللہ کا لقب دربار رسالت سے ملا ہے، اس طرح اورنگ زیب عالمگیر کا لقب، محی الدین تھا، اسی طرح کسی کو، چودھری، نیتا، استاد کہنا بھی لقب میں شامل ہوگا، اچھے القاب سے پکارنا مستحسن ہے، لیکن برے القاب سے پکارنا قطعاً صحیح نہیں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: کسی کو برے القاب سے نہ پکارو۔ (حجرات)

لہٰذا کسی کو ایسے الفاظ سے جس کے مفہوم میں تحقیر کا پہلو ہو، یا اس کی یا اس کے

خاندان کی توہین ہوتی ہو، اس سے پکارنا صحیح نہ ہوگا، ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "وَلَاتَنَابَزُوا بِالْاَلقَابُ" سے مراد ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہوگیا ہو، اس کے بعد اس کو اس برے عمل سے پکارنا مثلاً چور، یا زانی یا شرابی وغیرہ جس نے چوری، زنا، شراب سے توبہ کرلی ہو اور اس کو اسی پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس سے اس نے توبہ کرلی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کرکے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔

●●●

رجب المرجب رفعت وسروری کا امین

رجب المرجب کا مہینہ مہتم بالشان مہینوں میں سے ایک ہے، اسلامی تقویم کے اشہر حرم (رجب المرجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) میں اس کو اولیت حاصل ہے، اسلام سے پہلے جب اس مہینہ کا چاند نظر آتا تو اہل مکہ و دیگر قبائل عرب اپنی خوشی و مسرت کا اظہار اس مہینہ کی آمد پر ایک خاص قسم کی قربانی کے ذریعہ کرتے تھے، جس کو عتیرہ یا رجبیہ کہا جاتا تھا، ترمذی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عتیرہ سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ اس میں دور جاہلیت کے عمل سے مشابہت بھی تھی اور سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس مہینہ کی تعظیم مقصود ہوتی تھی اور عظمت اور تعظیم صرف اللہ تعالیٰ کے لئے زیبا ہے، لہٰذا اسلام نے ممانعت کردی، لیکن ترمذی شریف کی ہی ایک دوسری روایت میں عتیرہ یا رجبیہ یعنی رجب میں جانور ذبح کرنے کا حکم ہے اور راوی کے بیان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عرفات میں حجۃ الوداع کے موقع پر ایسا کچھ فرمایا تھا، لہٰذا بعض ائمہ اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں اور حصول برکت کی غرض سے اس مہینہ میں جانور ذبح کرسکتے ہیں، البتہ واجب نہیں ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس مہینہ کو حصول برکات میں ایک خاص مقام حاصل ہے، اور یہ مہینہ برکتوں کا ہے اور کیوں نہ ہو، اس مہینہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم نازل فرمایا :

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ صُرِفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِنَ الشَّامِ اِلَی الْقِبْلَةِ فَصَلّٰی اِلَی الْکَعْبَةِ فِیْ رَجَبَ عَلٰی رَأْسِ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا مِنْ مَقْدِمِهِ الْمَدِیْنَةَ

(رواہ الطبرانی کما فی مجمعالزوائد ۱۷/۲)

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا رخ نماز میں شام

کے قبلہ کی طرف پھیر دیا گیا، تو آپ نے مدینہ منورہ اپنی آمد کے سولہ سترہ مہینہ تک مسجد اقصیٰ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اس کے بعد تحویل قبلہ ہوا اور اس طرح حضور اکرم ﷺ کی ایک دیرینہ خواہش پوری ہوئی، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :

"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (سورہ بقرہ)

اس مہینہ میں کائنات میں وہ عظیم واقعہ بھی پیش آیا جسے اسراء اور معراج کہا جاتا ہے، اسراء کے معنی رات میں لے جانے اور معراج کے معنی عروج کے ہوتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں ہدایت کی ساقی گری کرتے ہوئے بارہ سال ہو چکے ہیں، لیکن اہل مکہ کا معاملہ مخاصمانہ ہے، اور دن بدن آپ کی دعوت کے سلسلہ میں ان کا رویہ سخت سے سخت ہوتا جارہا ہے، داعی اعظم حضور اکرم ﷺ کے تعلق سے ان کی چراغ پائی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ آپ کی شمع حیات کو بجھانے کے درپے ہیں، کون سی تدبیر ہے جس کو وہ آزمانہ رہے ہوں، کون سی سازش ہے جو رچی نہ گئی ہو، کفار قریش بائیکاٹ کا طویل اور صبر آزما معاملہ بھی کر چکے ہیں، ان سب حالات میں آپ کی زوجہ محترم ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور آپ کے چچا حضرت ابوطالب آپ کے لئے تسکین کا ذریعہ اور بہترین سہارا تھے، لیکن اب یہ سہارے بھی رخصت ہو گئے ہیں، حضور اکرم ﷺ پر ان حوادث کا اتنا شدید تاثر تھا کہ اس سال کو حضور اکرم ﷺ نے غموں کا سال 'عام الحزن' سے تعبیر کیا ہے، اہل مکہ کی چشمک اور بھی بڑھ گئی، گویا اہل زمین نے اس گوہر شب تاب کی جب ناقدری کی تو آسمان والوں نے پذیرائی کے لئے پلکیں فرش راہ کر دیں، اور باختلاف روایت اسی مہینہ کی ستائیسویں شب کو مسجد حرام سے اس نورانی سفر کا آغاز ہوا۔

"سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ

الْاَقْصیٰ"(سورہ بنی اسرائیل)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس موقع پر لکھا ہے: 'جب اسلام کی سخت اور پرُ خطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد اطمینان وسکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور اس شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالم ﷺ کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا، رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہد عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا، روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے، حرم ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو، کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب وخاک کے تمام مادی احکام وقوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کر دیے جائیں اور زمان ومکان، سفر واقامت، رویت وسماعت، تخاطب وکلام کی طبعی پابندیاں اٹھالی جاتی ہیں۔' (سیرۃ النبیؐ)

معراج کے مشاہدات کی جلوہ انگیزی اور آیات ربانیہ کی نیرنگیوں کو قریب سے آپ نے دیکھا، اسی موقع پر پنج وقتہ نماز فرض کی گئی، اور جلوہ ربانی سے آپ شادکام ہوئے، جلیل القدر انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں، اور بیت المقدس میں آپ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی، جس میں یہ اشارہ تھا کہ اب منصب قیادت وامامت حضور اکرم ﷺ کو اور آپ کے ذریعہ آپ کی امت کو اس روئے زمین پر حاصل ہوگا۔

اس اعتبار سے ہمیں اپنے حالات کا جائزہ لینا چاہئے اور رجب کا چاند دیکھتے ہی ہمیں ان واقعات کو ذہن میں تازہ کر کے تھوڑی دیر کے لئے سوچنا چاہئے کہ یہی وہ مہینہ ہے جس میں امامت وقیادت کے منصب پر اس امت کو فائز کیا گیا ہے، پھر یہ بھی

غور کرنا چاہئے کہ یہ سرفرازی کس عنوان سے دی گئی ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کا جواب صرف یہی ہوسکتا ہے کہ وہ نماز ہے، اللہ کی اطاعت اور امتثال اوامر الٰہی کا جذبہ اور عمل ہے، اگر یہ نہیں تو نسبتوں کی کوئی قدر نہیں، بنی اسرائیل انبیاء زادے تھے، اس قومی نسبت کے باوجود انہیں اس مقام رفیع سے اسی لئے معزول کیا گیا کہ انہوں نے اطاعت وعبادت سے پہلوتہی کی تھی۔

لہٰذا اگر آج ہم اس مہینہ میں اپنے اندر طاعت کا جذبہ پیدا نہ کرسکے تو ہمارے لئے بڑی محرومی کی بات ہوگی، بلکہ افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑتا ہے کہ بعض ایسی خرافات اس مہینہ میں ثواب کی امید میں مسلم گھرانوں میں کی جاتی ہیں جن کا قرآن وسنت سے ثبوت نہیں ملتا ہے، بعض جگہوں پر ستائیسویں شب کو ایک مخصوص نماز پڑھی جاتی ہے، بعض علاقوں میں عورتیں بہت شوق سے ۲۷ر رجب کا روزہ رکھتی ہیں، جسے ہزاری کا روزہ کہا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک روزہ کا ثواب ایک ہزار روزہ کے برابر ہے، اور بعض گھرانوں میں بلکہ بہار اور بنگال کے اکثر علاقوں میں کونڈے کی ایک رسم جاری ہے جو اسی مہینہ کی بائیس تاریخ کو ہوتی ہے، جس میں بڑے اہتمام کے ساتھ ٹکیاں تیار کی جاتی ہیں اور گھر کے اندر اس پر حضرت جعفر صادقؒ کے نام سے نیاز دلائی جاتی ہے، اور پھر وہیں پر لوگوں کو بلا کر اسے کھلایا جاتا ہے، اس میں اس کا اہتمام بھی ملحوظ ہوتا ہے کہ اس کا دھواں بھی باہر نہ دکھائی دے، اصل میں شیعوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کی خوشی میں ایسا کیا تھا، اور گرفت سے بچنے کے لئے حضرت جعفر صادقؒ کا نام دے دیا تھا، حالانکہ حضرت جعفر صادقؒ کی وفات شوال ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ء میں ہوئی ہے۔

۲۲ر رجب ۶۰ھ میں ستر سال کی عمر میں حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی تھی، اس لئے اہل سنت والجماعت کو اس رسم سے قطعاً پرہیز کرنا چاہئے اور شماتت اعداء کا موقع

نہیں دینا چاہئے، اور یوں بھی نیاز کی موجودہ شکل کا ثبوت شریعت مطہرہ میں موجود نہیں ہے، لہٰذا اس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے، ورنہ اعمال کے اکارت ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: 'وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٍ' (بدترین کام بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے) اللہ تعالیٰ ہمیں بدعتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

●●●

''ربوہ'' قادیانیوں کے مرکز سے ''نوا قادیان'' تک

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ۱۸۴۰ سال بعد قادیان میں پیدا ہونے والے مرزا غلام احمد قادیانی نے جہاں جھوٹی نبوت کا دعوی کیا، وہیں مسیح موعود ہونے کا دعوی بھی کیا ہے، تقسیم ہند سے پہلے قادیانیوں کا مرکز پنجاب کا شہر قادیان تھا، جہاں مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے تھے، قادیانیوں نے اس شہر میں مسجد مبارک، مسجد اقصیٰ اور بہشتی قبرستان بھی بنا رکھا تھا، لیکن تقسیم ہند کے بعد قادیانیوں کی غالب اکثریت جب پاکستان منتقل ہوئی تو انہیں اپنے لئے ایک مرکز بنانے کی فکر ہوئی اس کے لئے انہوں نے دریائے پنجاب کے کنارے وسیع خطہ اراضی حاصل کر کے چیک ڈھگیاں نامی جگہ پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام قادیان کے بجائے ربوہ رکھا، ربوہ قرآن پاک میں دو جگہ استعمال ہوا ہے، جس کے معنی بلند ٹیلہ یا ٹیکری کے ہیں :

''كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ'' (بقرۃ)

ایک باغ کی طرح جو کسی ٹیکری پر ہو اور اس پر زور کا مینھ پڑا ہو پھر وہ دگنے پھل لایا ہو، ''وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ'' (المؤمنون)۔

اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک نشان اور ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نتھرا، اس آیت کی رو سے معلوم ہوا کہ 'ربوہ' وہ مقام ہے جہاں اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مطہرہ صدیقہ کو کسی ظالم

دشمن سے محفوظ رکھنے کے لئے پناہ دی، جو آپ اور آپ کی والدہ کے درپے آزار تھا، اور ایک معجزہ تھا جو ظاہر ہوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جس طرح معجزہ ثابت ہوئی، آپ کی نشوونما اور پرورش و پرداخت کو بھی اللہ تعالی نے ایک معجزہ قرار دیا ہے۔

اس مفہوم میں 'ربوہ' ایک اسلامی اصطلاح بن گیا ہے، اور اسلامی اصطلاحات کو غیر اسلامی چیزوں کے لئے استعمال کرنا کسی طرح صحیح نہیں اور جب کہ اس سے غلط فہمی ہوتی ہو تو اس کی حرمت اور ثابت ہو جاتی ہے۔

اس آیت کے ذیل میں تفسیر ماجدی میں مرقوم ہے، یہ مقام کونسا تھا اور یہ واقعہ کب کا ہے؟ بعض اہل تفسیر ادھر گئے ہیں کہ یہ ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت کا ہے اس وقت حضرت مریم کسی بلند ٹیلہ پر مقیم تھیں اور نیچے چشمہ بہہ رہا تھا، جیسا کہ سورہ مریم میں ہے "قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا" تحقیق کہ کر دیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ، علامہ ابن کثیرؒ نے اس کو ترجیح دی ہے۔

لیکن اکثر محققین کی رائے میں اس سے مراد ملک مصر ہے اور اس آیت کا تعلق ایک دوسرے قصہ سے ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے زمانہ میں ملک شام کا حاکم ہیروڈ (Herod) تھا اور فن نجوم و کہانت کے عروج کا زمانہ تھا، انجیل کی روایت ہے کہ اسے جوتشیوں سے پتہ چلا کہ اسرائیلیوں کا آئندہ بادشاہ ایک گھر میں تولد ہو گیا ہے اور وہ گھر حضرت مریم کے شوہر یوسف نجار کا تھا، اس نے چاہا کہ اس بچہ کو پکڑ کر قتل کر ڈالے، اور آئندہ کے لئے اندیشہ ہی باقی نہ رہے، یوسف اس سے پہلے ہی غیبی اطلاع پا کر مع حضرت مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے وطن چھوڑ کر مصر روانہ ہو گئے۔

خداوند کے فرشتے نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اٹھ، بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا، اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا،

کیونکہ ہیروڈ دیس اس بچے کی تلاش میں ہے تا کہ اسے تلاش کر کے ہلاک کردے، پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر روانہ ہو گیا، اور ہیرود یس رہنے تک وہیں رہا (متی۔۲۔۱۳و۱۴)

(آویناھما) ہم نے ان دونوں کو پناہ دی، سے بھی اشارہ یہی نکلتا ہے کہ موقع کوئی خطرہ کا تھا جس سے مریم اور ابن مریم کو بچایا گیا، اور مفسرین کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ تلمیح سفر مصر کی جانب ہے لیکن تفسیر کی دوسری کتابوں میں دمشق، بیت المقدس، اور رملہ کا نام بھی آیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'ربوہ' سے مراد 'رملہ' ہے جو فلسطین کا مشہور شہر ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ تو معلوم ہی ہو گیا کہ ربوہ کا ایک خصوصی تعلق حضرت مسیح علیہ السلام سے ہے ایسے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار نے 'ربوہ' نامی شہر قائم کر کے یہ دھوکہ دینا چاہا کہ قرآن پاک میں جس ربوہ کا تذکرہ آیا ہے، وہ ربوہ یہی ہے، حالانکہ وہ ربوہ مرزا غلام احمد قادیانی کے مرنے کے بعد قائم ہوا، مرزا غلام احمد کی پیدائش قادیان میں ہوئی اور وفات بھی وہیں ہوئی، اور مدفون بھی وہیں ہوئے، اس ربوہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن قادیان کی طرح ربوہ کے قادیانیوں نے مسجد مبارک، مسجد اقصیٰ، اور وہ بلند وبالا مینار بھی وہاں کی جامع مسجد کا بنایا جس سے یہ ثابت کریں کہ مسیح موعود جو منارہ جامع دمشق سے اتریں گے وہ نعوذ باللہ آچکے، اب انتظار لغو ہے، انہوں نے ربوہ میں بہشتی مقبرہ بھی بنایا، جس کے بارے میں قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ جو اس میں مدفون ہوگا وہ جنتی ہے۔

اس لئے علمائے پاکستان نے اس شہر کے نام کو تبدیل کرنے کے لئے زبردست تحریکیں چلائیں، ان کی کوششیں بار آور ہوئیں اور اب حکومت پنجاب نے ربوہ کا نام بدل کر 'نوا قادیان' رکھ دیا ہے، اور اس طرح پچاس سالہ یہ خلفشار فرو ہوا، اور بہت سے سادہ لوح نو

آموز کم علم اور ناخواندہ لوگوں کو قادیانی فریب سے بچایا جاسکا، آج قادیانی پھر سرگرم ہیں، اپنے معبد کو مسجد کہتے ہیں، اسلامی کلمہ کو اپنا کلمہ بتاتے ہیں، لیکن یہ انکا فریب ہے، ان اسلامی اصطلاحوں کے ذریعہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، لکھنؤ میں رائے بریلی روڈ پر ان کا مرکز قائم ہے، جو مدرسہ اور مسجد پر مشتمل ہے، اس کی چھت پر ڈش انٹینا لگا ہوا ہے، لندن سے پروگرام نشر ہوتے ہیں، اور وہیں کے نشر شدہ احکامات کی پیروی کی جاتی ہے، توجہ کی ضرورت ہے۔

●●●

ولادت کے بعد تحنیک سنت ہے

ولادت کے پہلے دن جس طرح بچے کے کان میں اذان واقامت مستحب ہے، اسی طرح تحنیک بھی سنت ہے، تحنیک کے معنی کھجور یا کوئی چیز منہ میں لے کر خوب چبانے کے ہیں، جب وہ گھل کر لعاب دار ہو جائے تو بچہ کو چٹانا سنت ہے، مستحب یہ ہے کہ کسی بزرگ عالم دین، متقی پارسا سے یہ عمل کرایا جائے، تاکہ بچہ کے اندر اس کے اثرات پیدا ہوں، پہلی چیز جو بطور غذا کے اس کے جسم کا حصہ بن رہی ہو، اس میں اللہ کے نیک بندے کے لعاب دہن کی آمیزش ہو، بچے کی نشو ونما، اس کی ذہنی، فکری، علمی اور روحانی صلاحیتوں کو فروغ پانے میں اس عمل کا خاصا اثر ہے، شریعت کا کوئی کام بے مقصد نہیں ہے، اور اس لئے بھی کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں صحابہ کرامؓ اپنے نومولود بچوں کو لاتے تھے، اور آپ تحنیک فرما کر بچے کو چٹاتے اور برکت کی دعا فرماتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ میرے یہاں بچہ تولد ہوا تو میں اسے لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے اس بچہ کا نام ابراہیم رکھا، کھجور سے تحنیک فرمائی اور بچہ کے حق میں برکت کی دعا کی اور میرے حوالے فرمایا۔ (متفق علیہ)

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ ہجرت کے دوران میں امید سے تھی، حمل کا زمانہ پورا ہو چکا تھا، مدینہ منورہ پہنچ کر قباء میں قیام ہوا، وہیں عبداللہ ابن زبیرؓ کی ولادت ہوئی، تو میں بچہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور آپ کی گود میں دے دیا، آپ ﷺ نے ایک کھجور طلب کیا اور اس کو چبایا، پھر بچہ کے منہ میں تھکتھکایا اور منہ میں لعاب دہن (جو کھجور کا آمیزہ تھا) ڈال دیا، یہ پہلی غذا تھی جو حضور اکرم ﷺ کے لعاب دہن کے ساتھ بچہ کے

پیٹ میں پہنچی، پھر آپ نے بچہ کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ (متفق علیہ)

حضرت انس ابن مالکؓ نے فرمایا کہ میرے بھائی عبداللہ ابن طلحہؓ کی جب ولادت ہوئی تو میں انہیں لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ اپنے اونٹ کو دوا لگا رہے تھے، فرمایا! تمہارے پاس کوئی کھجور ہے، میں نے کہا جی ہاں، آپ نے چند کھجوریں لیں اور منہ میں لے کر خوب چبایا، جب وہ لعاب دہن کا آمیزہ بن گئیں تو حضور اکرم ﷺ نے تحنیک فرمائی، بچہ نے منہ کھولا تو آپ نے اس کے منہ میں اپنا لعاب ٹپکا دیا، بچہ منہ چلا کر لعاب دہن کو چاٹنے لگا، حضور اکرم ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کھجور انصار کو بہت مرغوب ہے، اور آپ نے میرے نومولود بھائی کا نام عبداللہ رکھا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ ولادت کے پہلے دن تحنیک کے ساتھ نام بھی رکھا جاسکتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولادت کے بعد زچہ اور بچہ کو گھر سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے، آج بھی خاص طور سے دیہاتوں میں ۶ روز سے پہلے زچہ اور بچہ کو گھر سے باہر نکلنا، لے جانا اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے، اور گھر کے دروازہ پر آگ جلائی جاتی ہے، کوئی لوہے کا ٹکڑا بچہ کے سرہانے رکھا رہتا ہے، اور ایسا اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ بچہ کو آسیب نہ چھو لے، سب توہمات ہیں، غیر مسلموں کے ساتھ رہنے سے ہماری معاشرت بہت حد تک متاثر ہوئی ہے۔

تحنیک کا طبی فائدہ بھی ہے، اطباء کہتے ہیں کہ لعاب دہن کے ساتھ بچہ کے پیٹ میں ایسے صالح جرثومے منتقل ہوجاتے ہیں جو بچہ کے نظام ہضم میں معاون ثابت ہوتے ہیں، بہرکیف ہمارے لئے تو حضور اکرم ﷺ کا سنت ہونا ہی کافی ہے، دین ودنیا کی سعادت اسی میں مضمر ہے۔

ولادت کے بعد اذان واقامت

بچہ کی ولادت کے وقت شیطان درپے آزار ہوتا ہے، حدیث میں آیا ہے :

'عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ بَنِیْ آدَمَ مَوْلُوْدٌ اِلَّا یَمَسُّهُ الشَّیْطَانُ حِیْنَ یُوْلَدُ فَیَسْتَهِلَّ صَارِخًا مِنَ الشَّیْطَانِ'. (مشکوۃ المصابیح حدیث ۶۹)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا 'آدم کی اولاد میں جنم لینے والا کوئی ایسا نہیں جسے شیطان اس کی پیدائش کے موقع پر تنگ نہ کرے، چنانچہ وہ شیطان کے چھونے سے چیخ کر رونے لگتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ولادت کے وقت بچے کے رونے کا کیا سبب ہے، گویا اس حدیث کی حیثیت ایک خبر کی ہے، طبی اعتبار سے اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بچہ ولادت کے بعد جب سانس لینا چاہتا ہے تو اس کے پھیپھڑے کھلتے ہیں، اگر پھیپھڑے نہ کھلیں تو بچے کی سانس رک جائے، لہٰذا فطری طور پر ہر بچہ چیخ چیخ کر روتا ہے، اور اس کے رونے کی وجہ سے پھیپھڑے کا عمل شروع ہو جاتا ہے، ڈاکٹروں کے اس نظریہ اور حدیث کے مفہوم میں کوئی تضاد نہیں ہے، انسان کے لئے جو چیز طبی لحاظ سے ضروری ہے اس کے مہیا کرنے کے مرئی یا غیر مرئی اسباب کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔

اصل میں حدیث سے جس بات کا ابلاغ مقصود ہے وہ شیطان کا عمل دخل ہے، اور یہ کہ اس دنیا میں آتے ہی اس کی دشمنی کا آغاز ہو جاتا ہے، اس حدیث سے شیطان کی دشمنی کی شدت کا بھی پتہ چلتا ہے، کہ ایک بچہ جس نے ابھی دنیا میں آنکھیں کھولیں ہیں،

جسے ابھی خیر وشر سے کوئی واسطہ نہیں، نہ وہ کسی عمل کا مکلّف ہے، شیطان اسے بھی نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اپنی دشمنی کا اظہار جسمانی تکلیف پہنچا کر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے شیطان کی دشمنی اور اس کے گمراہ کرنے کا عزم قرآن پاک میں کھول کر بیان کیا ہے، اور بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا''

(بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم اسے دشمن ہی سمجھو)

اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں جن سے شیطانی اثرات کا پتہ چلتا ہے، اور یہ کہ وہ آغاز ولادت ہی سے بچے کے احساسات، رجحانات، اور شعور ووجدان جیسی صلاحیتوں پر تسلط جمانا چاہتا ہے، اس نزغہ شیطانی سے بچاؤ کی واحد شکل یہ ہے کہ بچے کو اللہ کی پناہ میں دے دیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمِ" (شیطان اگر تمہیں کچوکے لگا کر [خدا کی معصیت پر] ابھارنا چاہے تو اللہ کی پناہ مانگو بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔)

لہٰذا بچے کی ولادت کے بعد والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچہ کو شیطانی اثرات سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑائی وکبریائی کے نغمات اس کے کانوں میں ڈال دیں، تاکہ دل ودماغ کے پردۂ سیمیں پر اللہ عزوجل کی بڑائی کا نقش ثبت ہوجائے، اور خدائی رنگ میں اس بچے کے قوائے مدرکہ رنگ جائیں، تاکہ آنے والی زندگی میں کوئی دوسرا رنگ نہ چڑھ سکے، حدیث شریف میں ولادت کے بعد اذان واقامت کی تاکید شاید اسی لئے کی گئی ہے، حضور اکرم ﷺ سے حضرت حسنؓ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنے کا تذکرہ ملتا ہے، اور یہ بھی کہ :

'مَنْ وُلِدَلَهٗ وَلَدٌ فَاَذَنَ فِیْ اُذُنِهِ الْیُمْنٰی وَاَقَامَ فِیْ اُذُنِهِ الْیُسْرٰی لَمْ تَضُرُّهٗ اُمُّ الصِّبْیَانِ. (البیهقی ٦/ ٣٩٠)

جس کے یہاں بچے کی ولادت ہوتو وہ داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہہ دے تو بچوں کا روگ اسے لاحق نہ ہوگا۔

لہٰذا ہم مسلمانوں کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے، آج کل نرسنگ ہوموں میں زچگی ہوتی ہے اور وہاں کوئی اہتمام نہیں ہوتا، بلکہ منفی اثرات کا امکان رہتا ہے، اور یہ پہلا اثر بچے کی پوری زندگی پر کینسر کی طرح مسلط ہوجاتا ہے، آج مسلم معاشرہ کی خرابی اور نوجوانوں کی بے راہ روی میں اس کا بھی اثر ہے، اس سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کی اہم ذمہ داری ہے۔

●●●

ولادت کے ساتویں دن اچھا نام رکھنا واجب ہے

بچہ کی ولادت کے بعد ساتویں دن عقیقہ کرنا، اچھا نام رکھنا، اور بچہ کے سر کے بال منڈانا اور ختنہ کرنا سنت سے ثابت ہے، ساتویں دن سے پہلے بھی نام رکھا جاسکتا ہے، لیکن ساتویں دن اچھا نام رکھ دینا ضروری ہے، اس کو واجب کہا گیا ہے، نام رکھنے میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ نام کا مفہوم بھی اچھا ہو، حضور اکرم ﷺ نے بعض صحابہ کرامؓ کے نام صرف اس لئے تبدیل فرمائے تھے کہ اس کا ظاہری مفہوم مناسب نہیں تھا، ایک صحابی کا نام 'حَزَنَ' تھا جس کے معنی سخت زمین کے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نام تبدیل فرما کر 'سہل' (آسانی) رکھ دیا، بعض حضرات بچوں کے نام رکھنے میں وزن کا خیال رکھتے ہیں، اور اس میں اس حد تک غلو کرتے ہیں کہ مہینوں گذر جائیں لیکن جب تک بروزن نام ہاتھ نہ آئے نام نہیں رکھتے ہیں، حضرت تھانویؒ کے پاس ایک صاحب تشریف لائے، عرض کیا: حضور! میرے یہاں فرزند تولد ہوا ہے، کوئی نام بتادیں، اور یہ بھی کہا کہ میرے ایک بچے کا نام نیاز احمد، دوسرے کا نام ایاز احمد رکھا ہے، تیسرا فرزند جس کا نام راز احمد ہے اس چوتھے کے لئے اسی وزن پر کوئی نام تجویز فرمادیں، حضرت تھانویؒ نے ازراہ مزاح فرمایا: بھئی قافیہ تو تنگ ہے، اس کا نام پیاز احمد رکھ دو، پھر فرمایا کہ نام رکھنے میں وزن کا اس درجہ خیال رکھنا بہتر نہیں ہے، اچھے نام کا انتخاب کرکے تجویز کردینا چاہئے۔

ایک اور صاحب کا واقعہ سنا ہے کہ ان کے دو تین فرزند تھے، محمد شمیم، محمد نعیم اور محمد قسیم نام تھا، سب سے چھوٹا بچہ جو تولد ہوا تو انہیں خیال آیا کہ اس بچہ کا نام قرآن پاک سے تلاش کرکے رکھیں گے، لہٰذا تلاش شروع کردی، عربی زبان سے واقف نہیں

تھے، وزن کی تلاش میں انتیسویں پارہ تک پہنچے تو سورۃ القلم میں اس وزن پر ایک لفظ انہیں مل گیا اور انہوں نے اپنے معصوم بچے کا نام 'زنیم' رکھدیا، وہ بہت خوش تھے کہ میرے بچہ کا نام قرآنی نام ہے، اور بروزن بھی ہے، ایک دفعہ کوئی مولوی صاحب ان کے یہاں مہمان ہوئے، انہوں نے بڑے پیار سے اپنے چھوٹے بیٹے کو پکارا، بیٹے زنیم ادھر آؤ، مولانا صاحب آئے ہیں سلام کرو، یہ سن کر مولانا تو ششدر رہ گئے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو زنیم کہہ کر پکار رہا ہے، پوچھا آپ نے کیا نام رکھا ہے، یہ سنتے ہی صاحب خانہ کی باچھیں کھل گئیں، اور لہک لہک کر اپنی تگ وتاز کی حکایت بیان کرنے لگے، اور ایسے خوش تھے کہ مفت اقلیم کی دولت سمیٹنے والے کو کیا خوشی ہوگی، جب وہ اپنی داستان تحقیق سنا چکے تو مولانا نے کہا کہ آپ نے اس لفظ کا معنی بھی دیکھا ہے کہ نہیں، کہنے لگے وہ تو میں نے دیکھا نہیں اور پھر قرآن پاک میں سب اچھا ہی اچھا ہے، مولانا نے کہا کہ ہاں، قرآن پاک میں تو فرعون قارون اور ابولہب کے بھی نام ہیں، قرآن پاک نے نیکوکاروں کے ساتھ بدکاروں کا بھی تذکرہ کیا ہے، قرآن پاک چونکہ عبرت وموعظت، پند ونصیحت کی کتاب ہے، اس لئے جہاں جس موقع پر جس بیان وحکایت اور واقعات کی ضرورت ہوتی ہے اسے اس نے پیش کیا ہے، یہ لفظ بھی ایک نافرمان بندے کا وصف ہے، اور اس کے معنی حرام زادہ کے ہیں، آپ نے معنی تو دیکھ لیا ہوتا، یہ سن کر میزبان سکتہ میں آ گیا، لہٰذا نام رکھنے میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ عرف واخلاق اور شریعت کے مزاج کے خلاف نہ ہو۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک باپ نے اپنے بچہ کی شکایت کی، امیر المومنین! میرا یہ لڑکا ہے، میرا کچھ خیال نہیں کرتا، میں کمزور ہو گیا ہوں، اس کی مدد کی ضرورت ہے لیکن اس کی برگشتگی نے مجھے حد تک آزردہ کر رکھا ہے، کہ آج انصاف کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، باپ کا بیان دل کو تڑپانے والا تھا، حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ بھی

متاثر ہوئے، آپ نے نافرمان بیٹے کو دیکھا تو اس کی آنکھیں چھلک پڑیں، اس کی آواز رندھ گئی، بڑی مشکل سے اتنا کہہ سکا، امیر المومنین باپ پر بیٹے کا کیا حق ہے، اس کی وضاحت فرمادیں پھر مجھے جو چاہے سزا دیں۔

امیر المومنین عمر فاروقؓ نے فرمایا تمہارا سوال بجا ہے سنو، باپ پر بیٹے کا حق یہ ہے کہ اچھے خاندان میں شادی کی جائے تا کہ اولاد اچھی ہو، ولادت کے بعد بیٹے کا عقیقہ کرے، اچھا نام رکھے، تعلیم وتربیت کرے، جوان ہوجائے تو اس کی شادی کردے، یہ ہے باپ پر بیٹے کا حق، اس نے کہا حضور! میرے والد نے شادی ایک باندی سے کی، ولادت کے بعد عقیقہ کیا یا نہیں، اس کا جواب وہ خود دے سکتے ہیں، البتہ میرا نام 'جعل' گوبر کا کیڑا، گھوڑ نہوار رکھا، تعلیم کا یہ حال ہے کہ میں دستخط کرنا بھی نہیں جانتا، اور میں جوان ہوں، لیکن میری نسبت کے بارے میں ابھی تک میرے والد نے سوچا بھی نہیں ہے۔ یہ سن کر امیر المومنین سخت ناراض ہوئے اور باپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم نے اس کے سارے حقوق پامال کردیے، اور اب تم اپنے حقوق کی دہائی دے رہے ہو، کاش تم نے ایسا نہ کیا ہوتا۔

آج اگر ہم اپنے معاشرہ پر نظر کریں تو نہ جانے کتنے 'جعل' ہمارے سامنے ہوں گے جن کی وجہ سے والدین کے حقوق پامال ہورہے ہیں، اس میں قصور اپنا بھی ہے۔ آج ایسے نام رکھنے کا مزاج بنتا جارہا ہے جس میں کوئی جدت ہو، خواہ اس کا مفہوم کتنا ہی برا کیوں نہ ہو۔ ناموں میں سب سے اچھے نام عبداللہ 'عبدالرحمٰن' ہیں، حضور ﷺ کے ناموں میں سے ہمیں اپنے بچوں کے نام منتخب کرنا چاہئے، صحابہ کرامؓ کے ناموں کو رکھنے کا مزاج پیدا کرنا چاہئے' اچھے ناموں سے اچھے کردار کی بو آتی ہے اور اچھا کردار اچھے معاشرے کو جنم دیتا ہے۔

معاشرہ کی اصلاح

معاشرہ کی تربیت واصلاح کے لئے لازم ہے کہ ہم انہی اصولوں سے اکتساب فیض کریں جن کے اثر سے ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آیا کہ آج بھی اس مثالی معاشرہ کے خدوخال پوری طرح واضح اور تفصیل کے ساتھ اس کی جزئیات تک موجود ہیں، ہمیں اصلاح کے لئے کسی معاشرہ کے صالح اجزاء کو قبول کرنے سے پہلے یہ ضرور دیکھنا ہوگا کہ وہ ہمارے اسلامی معاشرہ کے قدروں کے منافی تو نہیں، اگر ایسا ہے تو پوری دنیا اگر اسے صالح قرار دے تو وہ صالح نہیں بلکہ سم قاتل ہے، آج ہمارے معاشرہ میں اصلاح کا عمل مختلف حلقوں کی طرف سے مختلف سطح پر جاری ہے لیکن اس کے جو اثرات معاشرہ پر پڑنے چاہئے تھے، وہ ہنوز تشنہ ہیں، اس پر بھی ہمیں غور کرنا چاہئے کہ وہ کیا باتیں تھیں، جن کی طرف معاشرہ کی اصلاح وتربیت میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ہماری رہنمائی کرتی ہے، جنہیں عملی طور پر اصلاح معاشرہ کا کام کرنے والوں کو سب سے پہلے اختیار کرنا ہوگا، ورنہ ساری کوششیں نقش برآب اور مقاصد کی تحصیل میں سراب وخواب کے مرادف ہوں گی۔

حضور اکرم ﷺ کی تعلیم وتربیت کی خصوصیات تو بے شمار ہیں، لیکن وہ بنیادی خصوصیت جس نے معاشرہ کی اصلاح میں ہمہ گیر اثرات اور حیرت انگیز انقلاب برپا کیا، وہ آپ کی شفقت، رحمت، دلسوزی، خیر خواہی، رحمدلی، اور نرم خوئی ہے۔ قرآن کریم نے آپ کی اس خصوصیت کا ذکر فرما کر اسے آپ کی کامیابی کا بہت بڑا سبب قرار دیا ہے، ارشاد ہے :

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ"

(پس یہ اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر آپ لوگوں کے لئے نرم خو ہو گئے اور اگر آپ درشت

مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے)۔

آپ کی سیرت طیبہ اس بات کی گواہ ہے کہ آپ کے دل میں کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے دشمنوں کے لئے جذبہ انتقام پیدا نہیں ہوا، آپ ان پر غضبناک ہونے کے بجائے ان پر ترس کھاتے تھے کہ یہ لوگ کیسی سنگین گمراہی میں مبتلا ہیں اور آپ کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ وہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے معاشرہ کی اصلاح کا سامان ہو سکے اور حق بات دل میں اتر جائے اور ہدایت کے راستے کھل جائیں، آپ اس قسم کے معلم نہ تھے کہ محض کتاب پڑھا کر یا درس دے کر فارغ ہو بیٹھتے ہوں، اور یہ سمجھتے ہوں کہ میں نے اپنا فریضہ پورا کر دیا، اس کے بجائے آپ اپنے زیر تربیت افراد کی زندگی کے ایک ایک شعبہ میں دخیل تھے، ان کے دکھ درد میں شریک تھے، ہر وقت ان کی فلاح و بہبود کے لئے فکر مند رہتے تھے، آپ کے اسی وصف کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ"۔

(بلاشبہ تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے اور جو تمہاری بھلائی کا بے حد حریص ہے اور مسلمانوں پر بے حد شفیق و مہربان ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ پتھر دل انسان بھی آپ کے حضور میں پہنچا تو موم ہو گیا اور اسی دلسوزی کی کیفیت نے کتنی زنگ آلود طبیعتوں کو مصفیٰ و مزکیٰ کر دیا، علامہ نور الدین نے 'مجمع الزوائد' میں مسند احمد اور معجم الطبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے زنا کی اجازت

دیجئے، ذرا تصور کیجئے، کیا فرمائش ہورہی ہے، کس گھناؤنے فعل کی اجازت بارگاہ رسالت سے طلب کی جارہی ہے، آپ نے نہ اسے ڈانٹا اور نہ دھتکارا، بلکہ فرمایا کہ بتاؤ، اگر تمہاری بہن یا ماں کے ساتھ ایسا کوئی کرنا چاہے تو تم پسند کروگے؟ اس نوجوان نے کہا نہیں' آپ نے فرمایا کہ پھر دوسرے لوگ یہ کیوں کر پسند کریں گے کہ ان کی بہن یا ماں کے ساتھ ایسا کیا جائے، پھر آپ نے بارگاہ رب العزت میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی :

'اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَہٗ وَطَھِّرْ قَلْبَہٗ وَاَحْصِنْ فَرْجَہ' (المعجم اللکبیر للطبرانی ۸/ ۱۹۰ حدیث نمبر (۷۶۷۹)۔

(اے اللہ، اس کے گناہ کو معاف فرمادیجئے، اور اس کے قلب کو پاک کردیجئے اور اس کی شرمگاہ کو عفت فرمایئے) یہاں تک کہ جب وہ مجلس سے اٹھا تو اس گھناؤنے عمل سے تائب ہو چکا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے اندر تعلیم وتربیت کی دوسری خصوصیت جو سب سے زیادہ اہم ہے اور جس کی بساط پر معاشرہ کی اصلاح کا شطرنج کامیاب ہوسکتا ہے وہ یہ کہ آپ نے جس بات کی تعلیم دی اس کا عملی نمونہ آپ نے خود اپنی ذات سے پیش کیا، آپ نے نماز کا حکم سنایا تو آپ نے فرمایا کہ 'صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ' (نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) اور نمازیں آپ نے اتنی طویل پڑھیں کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا، آپ نے روزے کا حکم دیا تو اپنی ذات پر اس کا اجراء اس طور پر کیا کہ اس کی تاب کسی دوسرے کے لئے مشکل ہے، صحابہ کرام نے صوم وصال کی اجازت چاہی تو انہیں اس کی اجازت نہیں دی گئی، آپ نے نماز باجماعت کی تعلیم دی تو خود عمل کرکے دکھایا کہ ساری زندگی نماز باجماعت کی جو پابندی فرمائی وہ اپنی جگہ ہے، عین مرض وفات میں آپ نے مسجد کی جماعت نہیں چھوڑی، بلکہ دو آدمیوں کے کندھوں کا سہارا لے کر مسجد تشریف لائے

اور جماعت کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔

آپ نے زکوۃ کا حکم دیا تو سب سے پہلے اپنی زندگی میں اس کا بے مثال نمونہ پیش کیا، عام مسلمانوں کو چالیسواں حصہ نکالنے کی تلقین فرمائی تو اپنا یہ عمل تھا کہ اپنی ضرورت کو سادہ طریقے سے پورا کرنے کے بعد اپنی ساری آمدنی تقسیم فرمادیتے، ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول جلدی گھر تشریف لے گئے اور جلد ہی واپس آئے، صحابہ کرام نے وجہ پوچھی تو فرمایا: مجھے نماز میں یاد آیا کہ سونے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، مجھے خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور وہ میرے محمد ﷺ گھر میں پڑا ہو۔

حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آپ ایک دفعہ رنجیدہ گھر میں تشریف لائے، میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا 'ام سلمہ! کل جو سات دینار آئے تھے شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے، اس عملی تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ :

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ "۔

(تم نیکی کا مقام ہرگز اس وقت تک حاصل نہ کرسکو گے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو) تو صحابہ کرامؓ نے اس آیت پر عمل کرنے کے لئے مسابقت کا جو غیر معمولی مظاہرہ فرمایا وہ تاریخ انسانیت میں اپنی مثال آپ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی وہ تعلیم وتربیت جس نے دشمنوں کے دل جیتے اور جس نے وحشی قوم کو تہذیب وشائستگی کے بام عروج تک پہنچادیا، اس کی سب سے بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ وہ تعلیم محض ایک فکری اور فلسفہ نہیں تھی جسے خوبصورت الفاظ کا خول چڑھا کر آپ نے اپنے پیروؤں کے سامنے پیش کیا، بلکہ وہ ایک متواتر اور پیہم عمل سے عبارت تھی، آپ کی مبارک زندگی کی ہر ہر ادا مجسم تعلیم تھی، چنانچہ اگر احادیث نبوی

کا استقراء کر کے دیکھا جائے تو اس میں قولی احادیث کی تعداد کم ہے اور عملی حدیث بہت زیادہ ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کی تعلیمات نے روئے زمین پر جو حسین و دلکش انقلاب برپا فرمایا، اس میں زبانی تعلیم کا حصہ کم اور عملی تعلیم کا حصہ زیادہ ہے۔

آج اگر اساتذہ کی تعلیم، واعظوں کے خطبے اور اہل دانش کی فکر انگیز تحریریں اصلاح معاشرہ کے عظیم کام کے لئے بے اثر نظر آتی ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ آج ہمارے پاس صرف دلکش الفاظ اور خوشنما فلسفے تو ضرور ہیں، لیکن ہماری عملی زندگی کا نقشہ اس حسن و دلکشی سے یکسر خالی ہے اور ایسی تعلیم و تربیت نہ صرف یہ کہ کوئی مفید اثر چھوڑتی ہے بلکہ بسا اوقات اس کا رد عمل اتنا شدید ہوتا ہے جس سی بہت سے نفسیاتی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں اور مخاطب ایک شدید ذہنی کشمکش اور فطری انتشار کا شکار ہو جاتا ہے، اسی طرح استاذ کی نکتہ سنجیاں مقرر کی شعلہ بیانیاں اور انشا پرداز کے حسین جملے، کانفرنسوں اور اجتماعات کی دل آویزیاں ایک محدود وقت تک اپنا اثر رکھتی ہیں، ہوسکتا ہے کہ کان متاثر ہو، دل اس کی صداقت کی گواہی دے اور آنکھوں میں وہ دل ربا منظر رچ بس جائے، لیکن دلوں کو متاثر کرنے اور زندگیوں کی کایا پلٹنے کا کام اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اپنی زندگی عمل سے عبارت نہ ہو اور آج اسی کا فقدان ہے، اسی کی ضرورت ہے، اگر ایسا کر لیا گیا تو پھر حقیقت میں اصلاح معاشرہ، اسلامی معاشرہ کا زریں باب ہوگا، جس میں بلکتی سسکتی دم توڑتی اور جلتی جھلستی انسانیت کو قرار حاصل ہو سکے گا۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگئ داماں بھی ہے

خرابی کی بنیاد مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب

ذہن وادراک کی وسعتوں، فکر وتخیلات کی جولانیوں، عمل وردعمل کی پر پیچ طرح دار وخاردار وادیوں، حرص وہوس کی رزم آرائیوں اور تگ وتاز کی اثر آفرینیوں کا جائزہ، صحیح اور غلط، خطا اور صواب کا ادراک زندہ قوموں کا شیوہ ہے، زندگی کا دائرہ اس سے وسیع ہوتا ہے، جدوجہد کے نئے افق سامنے آتے ہیں، حوصلہ کو جلا اور طالع آزمائی کا شوق نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے، جائزہ یا محاسبۂ نفس انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں میں لازم ہے، اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

'اَلْکَیِّس مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَابَعْدَالْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ' (ترمذی ۲۴۵۹)۔

(عقل مند فرزانہ وہ ہے جو اپنا محاسبہ کرتا ہے اور جدوجہد کی بنیاد مابعد الموت کی سرفرازی پر رکھتا ہے اور عاجز ودرماندہ شخص خواہشات کا بندہ، آرزوؤں کا پلندہ ہوتا ہے)۔

لہٰذا ہمیں اپنی انفرادی اور قومی زندگی میں محاسبہ ذات سے گریز نہیں کرنا چاہئے، ماضی میں ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا، اگر اس پر غور کیا جائے تو اس کی لمبی فہرست بنتی ہے، اخذ ورد کی بنیاد فرد پر نہیں بلکہ اصول پر ہونی چاہئے، گزشتہ صدی میں اگر غور کیا جائے تو مغرب کی بالادستی کے کریہہ مناظر ہی سامنے آتے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مغرب ہم سے کیا لینا چاہتا ہے، اس کی تگ وتاز کس افق کی تلاش میں ہے یا کن بنیادوں پر مغربی افکار کی ترسیل جاری ہے ان سوالات کے جوابات اہل فکر کا کام ہے لیکن اتنی بات تو ضرور سمجھ میں آتی ہے بلکہ بعض مغربی فکر کے اسکالروں نے بھی اس کی نشاندہی کی ہے کہ مغرب

ومشرق کی آویزش کبھی مذہب کی بنیاد پر قائم تھی، صلیبی جنگوں کا تسلسل، اجتماعی قیادت کے ساتھ فکری ہم آہنگی، ان سب کا مقصد پچھلی صدیوں میں مذہبی بالادستی قائم کرنا تھا، لیکن مغرب کو اس میں کامیابی نہ ہوئی، مرد مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی غیرت مندانہ قیادت نے صلیبی جنگوں کا وہ رخ ہمیشہ کے لئے ختم کردیا اور ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، اس کے بعد مغرب نے اقتصادیات کو اپنی بالادستی کا ذریعہ بنایا، سرمایہ دارانہ نظام کی ترسیل پورے زور وشور سے شروع کی گئی، اس کی توسیع پسندانہ سیاست کے زیر اثر اس آئیڈیالوجی کو خوب فروغ ہوا، لیکن اس کے مدمقابل کمیونزم کا معاشی نظام پچھلی آٹھ دہائیوں تک اقتصادی میدان میں محاذ آراء رہا، لہٰذا مغرب نے پوری قوت سے اس نظام معیشت کو سبوتاژ کرنے اور سرمایہ دارانہ نظام کو قوت باہم پہنچانے کی فکر میں صرف کیا، تا آنکہ سویت یونین کے بکھراؤ کے ساتھ کمیونسٹ بلا کا خاتمہ ہوگیا، اور اس طرح وہ ملک بھی سرمایہ دارانہ نظام کو آہستہ آہستہ قبول کرنے لگے جو کل تک اس نظام معیشت پر سخت تنقید کیا کرتے تھے، ہمارا ملک بھی آج اسی گرداب کی زد میں ہے اور صفر کے ساتھ مغرب کا برآمد کردہ نظام اقتصاد ومعیشت مضبوط ومستحکم ہوتا جارہا ہے، اس وقت مغرب نے جس چیز کو چیلنج کا ذریعہ بنایا ہے وہ مغربی تہذیب ہے جو براہ راست اسلامی تہذیب سے متصادم ہے، دیگر مذہبی وحدتوں کی حیثیت اس کے سامنے نمک کی سی ہے، چند قطروں کے ترشح سے اس کا وجود پگھل جاتا ہے، اس سے مقابلہ آرائی کا خطرہ ختم ہوجاتا ہے، اسی طرح دیگر مذہبی تہذیبوں کا بھی حال ہے، لیکن اسلام چونکہ مکمل دین اور مستقل تہذیب ہے اور قیامت تک کے لئے اپنی اسی انفرادیت کا ترجمان اور اس ابدی امتیاز کا پاسبان ہے، مغرب کی جنگ ہر محاذ پر اسی تہذیب سے چھڑی ہوئی ہے، اور جمہوریت کے پردے میں اس کے فروغ کی کوششیں جاری ہیں۔

مغربی افکار کے حاملین سربراہوں نے مسلم ممالک کی قیادت انہیں خطوط پر مغربی

آقاؤں کے اشاروں پر قائم کی ہے، اس لئے اہل اسلام پر طرح طرح کے الزام عائد کیے جارہے ہیں، اور جمہوریت کے نام پر آمریت کا ہر طرف دور دورہ ہے، مسلم ممالک اپنی کثرت اور وسائل کی بہتات کے باوجود کوئی وزن قائم کرنے سے قاصر ہیں، کیونکہ کسی تہذیب کا غلبہ دوسری تہذیب کی قدروں کو پامال ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی بنیادوں کو بھی کھوکھلا کردیتا ہے، اس کے بعد استحکام کی ساری شکلیں بے اثر ثابت ہوتی ہیں، یہی کچھ آج پاکستان، مصر، الجزائر، تیونس اور دیگر ملکوں میں ہورہا ہے، اور وہ ملک بھی جہاں جمہوریت کی الاپ ہر وقت لگائی جارہی ہے، ان کا بھی حال بد سے بدتر ہوتا جارہا ہے، اس کی اصل وجہ یہ نہیں کہ طریق انتخاب میں کوئی تبدیلی کردی جائے، یا ذرائع ابلاغ کو چوکس بنادیا جائے، کارکنوں اور قیادت کے درمیان فاصلوں کو کم کیا جائے، نمائندگی کے لئے اہل افراد کو سامنے لایا جائے، یہ ساری تدابیر حقیقت میں اصل بیماری کو یا اس کے خارجی مظاہر کو روکنے اور دبانے کی حد تک محدود ہیں، ان کی اہمیت اس سے کچھ بھی زیادہ نہیں کہ بخار کے مریض کو برف میں دبادیا جائے تاکہ اس کی گرمی کم ہوجائے، اور حرارت کی سطح گر جائے، ظاہر ہے کہ یہ علاج نہیں بلکہ بسا اوقات مریض کی قیمتی جان سے کھیلنے کے مرادف ہوگا، بلکہ صاف صاف کہا جاسکتا ہے کہ خرابی کی اصل وجہ مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب ہے، اور ہماری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ اس تہذیب کو ہم اپنے اسلامی عقائد اور مشرقی روایات کی بناء پر پوری طرح اپنا سکتے ہیں، اور نہ ہی مرعوبیت کی بنا پر اس کو مکمل طور پر مسترد کرنے کی جرأت رکھتے ہیں، گویا نہ ہم دیر کی دربانی پر تیار ہیں اور نہ ہی شرع مسلمانی پر عمل پیرا ہونے کا عزم رکھتے ہیں، بس ہم مغربی تہذیب کی ایک خوشنما شاخ کو پسند کرلیتے ہیں، اور اس شاخ کو اس کے ماحول تنے اور بیج سے جدا کرکے اسے اپنے چمن میں سجانے کی کوشش کررہے ہیں، اس شاخ نازک کا نام جمہوریت ہے، اور جمہوریت ایک طرز فکر اور فلسفہ زندگی ہے، اور عالم

اسلام میں اسی طرز فکر اور فلسفہ زندگی سے ہر قدم پر ٹکراؤ جاری ہے، یہ مغربی جمہوریت عالم اسلام میں کیوں برگ و بار لانے سے قاصر ہے اور آج تک اس کا منفی رول ہی کیوں سامنے آرہا ہے، اس کی وجہ حقیقت میں یہ ہے 'جمہوریت کی اولین اساس یہ یقین ہے کہ جمہور اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات کا فیصلہ کرنے کے عملی طور پر اہل ہیں، اپنی راہ عمل متعین کرنے کے لئے اپنی عقل، اپنے تجربے اور اپنے علم کے سوا کسی خارجی ہدایت کے محتاج نہیں، اس اساس سے ایک اور اصول نمودار ہوتا ہے کہ جمہور نہ صرف اپنے معاملات کا خود فیصلہ کرنے کے اہل ہیں بلکہ ان کا ہر فیصلہ غلطی سے پاک ہوتا ہے، اس لئے وہ جو فیصلہ کریں اسی پر عمل کرنا ہوگا اس فیصلہ کے خلاف رائے رکھنے کا اختیار تو دیا جاسکتا ہے مگر عمل بہر حال انہی کے فیصلہ پر ہونا چاہئے، ان دونوں اصولوں کے تجزیہ سے تیسرا اصول یہ سامنے آتا ہے کہ اصل مقتدر اعلیٰ جمہور ہیں۔

ان کے اقتدار اعلیٰ کو محدود کرنے والا کوئی قانون، کوئی ضابطہ اخلاق یا کوئی ضابطہ حیات یا مذہبی تعلیم قابل غور نہیں، مغربی تہذیب نے ان تینوں صورتوں کو مستحکم کرنے کے لئے سیکولرزم کا نظریہ بھی شرح صدر کے ساتھ قبول کرلیا ہے، سیکولرزم مذہبی آزادی قبول کرتا ہے، لیکن اجتماعی معاملات، اقتصادیات، سیاسیات، اور قانون سازی کے میدان سے مذہب کو دور رکھتا ہے، ان میں کسی مذہب کو ٹانگ اڑانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، چونکہ ساری دنیا کے جمہور کا کسی چھوٹے بڑے مسئلہ میں اجتماعی فیصلہ کرنا عقلاً محال ہے، اس لئے مغرب نے نیشنلزم کے نظریات کو قبول کیا ہے، اور ہر قوم کو اپنے اپنے ملک میں مقتدر اعلیٰ مان کر ان کو یا ان کی اکثریت کو خیر و شر 'حق و باطل اور نفع و ضرر کے فیصلے کا مجاز تسلیم کرلیا ہے، اس طرح مغرب کی جمہوریت، سیکولرزم اور نیشنلزم کی بیساکھیوں پر قائم ہے۔

سیکولرزم میں مذہب کی فعالیت کی نفی عملاً لازم ہے، اور نیشنلزم کا تصور اسلامی وحدت کے منافی ہے، لہٰذا عالم اسلام کی جمہوریت مغرب کے تناظر میں ایک فریب و دھوکہ

ہے جس کا ہر وار اسلامی اقدار، اسلامی تہذیب، اور اسلامی تشخصات ہی پر پڑتا ہے، جمہور کی حکمرانی تسلیم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو مقتدر اعلیٰ ماننے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"اَلَالَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" (سن لو تخلیق بھی اس کی اور حکم بھی اسی کا ہے)

پارلیمنٹ کی بالادستی تسلیم کرنے کے بعد کتاب وسنت کی بالادستی بے معنی ہوکر رہ جاتی ہے، دراصل یہی وہ تضادِ فکر وعمل ہے، اور یہی وہ تناقص ہے جس نے ہمارے معاشرہ کے کردار کو گھن کی طرح کھالیا ہے، ہماری اخلاقی بنیادوں کو ہلا ڈالا ہے، ہمارا خاندانی نظام پراگندہ ہوگیا ہے، قیادت منافقت کا شکار ہے، کارکن مفاد طلبی اور عیش کوشی میں لگے ہوئے ہیں، سرکاری مشنری رشوت، بدعنوانی اور لوٹ مار میں غرق ہے، اور عوام ایثار وقربانی سے تہی دامن ہوتے جارہے ہیں۔

آج جب اس مادہ پرستانہ تہذیب کے چنگل سے کوئی ملک اپنے وجود کی حفاظت کی کوشش کرتا ہے تو اسے بنیاد پرست دہشت پسند اور نہ جانے کن کن ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، خواہ افغانستان ہو یا سوڈان اُن کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے مغربی مادہ پرستانہ تہذیب کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور ایک مستحکم اصول پر قوم کی رہنمائی کی فکر کی ہے، جس میں شرافت نفس ہو، عزت وآبرو کی پاسداری ہو، کرپشن سے پاک وصاف ماحول ہو، مذہب کی بالادستی ہو، مظلوم کی دادرسی اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے کی جرأت ہو، بس اسی کی آج ضرورت ہے، اے اہل اسلام کے فرزندو! کب تک مغرب کی کاسہ لیسی کرکے اپنی دنیا ودین کو خراب کرتے رہوگے۔

پھونک ڈالو زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرو

ماحول کی اثر انگیزی

ذہن وفکر اور وجود پر ماحول کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے، لوہا جو اپنی صلاحیت اور قوت اور اپنے ایک خاص رنگ میں ممتاز ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے لئے اگر اسے آگ میں ڈال دیا جائے تو وہ لوہا نرم بلکہ سیاہ مادہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ آگ کی وجہ سے اس کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے، اور اس قابل ہو جاتا ہے کہ جس سانچہ میں چاہیں اسے ڈھال دیں، یا جس طرح چاہیں اسے موڑ دیں، کسی حقہ فروش کی دکان پر چلے جایئے، آپ دیکھیں گے کہ نرکل میں سوراخ کر کے اس کے جوف میں گرم ریت بھری جاتی ہے، اور پھر ایک خاص تناسب سے حقہ کی شکل میں اس کو تبدیل کیا جا رہا ہے، بید کے کارخانہ سے گزرتے ہوئے بیٹھ کر دیکھئے ذرا سی گرمی پا کر بید کی گرہیں اپنی گرفت کس طرح کھو دیتی ہیں، اور پھر اس بید سے کرسیاں پلنگ اور دیگر اشیاء کس طرح تیار کی جاتی ہیں۔

انسان جسے اس کائنات کا مخدوم بنایا گیا ہے، پہاڑ، دریا، ہوا، دن ورات کی گردشیں، بادنسیم کی سبک خرامی، برق تپاں کی بے قراری، آفاق کی وسعتیں، وادی، صحرا، اور مرغ زاروں کے دلکش مناظر، آفتاب وماہتاب کی ضیا پاشیاں، بلبل وسار قمریوں کی نغمہ ریزیاں، طاؤس کا رقص، بسمل کی تڑپ، قوس وقزح کا حسن، آبشاروں کا ترنم، پھولوں کا تبسم، غنچوں کی چٹک، پھولوں کی مہک، آخر کس کے فیضان سے ہے، اور کس کے لئے ہے، اس کا صاف اور واضح جواب یہ ہے کہ یہ انسانوں کے لئے ہے اور اس مالک حقیقی نے ان ساری چیزوں کا اسے مخدوم بنایا ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا :

''اِنَّ الدُّنیَا خَضِرَۃٌ وَحَلُوَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُستَخلِفُکُم فِیھَا فَینظُرَ کَیفَ تَعمَلُونَ'' (بے شک دنیا بارونق اور شیریں ہے اور میں تمہیں اس میں سربراہی دینے والا ہوں، تو تم حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تعلق سے کس طرح برتاؤ کرتے ہو دیکھنے والا ہوں)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تخلیق کا ایک خاص مقصد ہے، اور اس کو بروئے کار لانے کی پوری ذمہ داری انسانوں کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے، اس بار کو اٹھانے کے لئے اس مالک نے جہاں انسانوں کو ممتاز صلاحیتوں سے نوازا ہے، وہیں اسے فطرت سلیمہ پر پیدا بھی کیا ہے، لیکن ماحول کے اثرات اس کی فطرت سلیمہ کو مسخ کردیتے ہیں، یا پھر اسے وہ نکھار عطا کرتے ہیں جس کی تابانی میں آخرت کی رونق بھی نظر آنے لگتی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یعنی قانون الٰہی کا پابند ہوتا ہے، اس کی زبان سے گالی نہیں نکلتی، اس کی نگاہ عداوت، نفرت اور حقارت سے پاک وصاف ہوتی ہے، وہ اپنی معصومیت اور بے ضرر ہونے کی وجہ سے آنکھوں کا تارا اور مغموم دلوں کا سہارا ہوجاتا ہے، لیکن وہی بچہ جب سن رشد کو پہنچ جاتا ہے تو ماحول کے اثر سے اس کی معصومیت ختم ہوجاتی ہے، گھر کا مشرکانہ ماحول اس کو شرک پر آمادہ کردیتا ہے، اور ظلم و جہالت میں پرورش پانے والا بچہ ظالم اور سفاک قاتل اور رہزن بن جاتا ہے، مہذب ماحول اسے تہذیب آشنا بنا کر مثقف طبقہ کا ایک فرد بنادیتا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے 'کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ' (ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں) معلوم ہوا کہ بچوں کی تربیت اور تعمیر کی فکر کی اصل ذمہ داری

والدین کی ہے، اور انہیں کے اثر سے بچہ سب سے پہلے متاثر ہوتا ہے۔

جہاں تک دیگر قوموں کا تعلق ہے، اس وقت اس سے بحث نہیں، البتہ وہ بچے جو مسلم گھرانوں میں آنکھ کھولتے ہیں، جو آج بچے ہیں لیکن کل معاشرہ کے اہم رکن اور ملت اسلامیہ کی کشتی کے پتوار بلکہ کھیون ہار ہوں گے، اگر ان کی فکر نہیں کی گئی تو موجودہ مشرکانہ، یہوی، عیسائی اور مجوسی بلکہ الحادی اور دین بیزار ماحول انہیں اپنے رنگ میں رنگ لے گا، اور وہ ملت اسلامیہ کے لئے کلنک کا داغ اور ذلت ورسوائی کی علامت ہوں گے، اور آج یہی ہو رہا ہے، مسلم معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، نوجوان ملی شعور سے خالی اور تہذیب وثقافت سے عاری اور اپنی ملی ودینی شخصیات سے غافل و بے پرواہ نظر آرہے ہیں، اسلامی وغیر اسلامی تحدیدان کے نزدیک بے معنی چیز ہو کر رہ گئی ہیں، مسلم محلوں میں آپ جائیں تو کیا چیز نظر آئے گی، عام طور پر نوجوان اور مراہق سن کے بچے وقت ضائع کرتے ہوئے کسی چائے خانے پر ملیں گے، یا تاش کے پتوں پر قہقہے لگاتے ہوئے یا لاٹری کے ٹکٹ خریدتے اور بیچتے ہوئے آپ پائیں گے، زبانوں پر ہرزہ سرائی، دھینگا مستی کے مناظر سے طبیعت مکدر ہو جائے گی، فلمستانوں پر بھی قطاروں میں مسلم نوجوان کا اچھا خاصا تناسب نظر آئے گا، گھروں میں ٹیلیویژن کے سیمیں پردوں پر دکھائے جانے والے فحش مناظر کے دیکھنے والوں میں پورا گھر بلکہ محلہ کے ہر عمر کے لوگ شریک ملیں گے، نمازوں کے اہتمام سے گھر کے گھر خالی، اور تلاوت کی جگہ فلمی گیتوں کی دھنیں سننے کو ملیں گی، سودی کاروبار اور لین دین میں اسلامی طریقوں کی پابندی کا اہتمام سرے سے ختم ہوتا ہوا نظر آرہا ہے، رشوت ستانی میں مسلمان افسروں، وکلاء اور دیگر ذمہ دار عہدوں پر مامور افراد کسی دوسری قوم کے افراد سے پیچھے نہیں، عملی کوتاہیوں کے ساتھ عقیدہ کی حالت بھی بہت خراب ہے، مسجد ومندر کا فرق اٹھتا جارہا ہے۔ رام ورحیم کو ایک سمجھا جانے لگا ہے، اچھا خاصہ پڑھا لکھا شخص ہون میں شریک

ہوتا ہے اور ناریل پھوڑنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا، مسلم عورتیں سادھوؤں، نجومیوں اور تعویذ گنڈے دینے والوں کے چکر کاٹتی ہوئی ملیں گی، یہ حالت اس قوم کی ہے جسے کائنات میں خیر امت کا لقب عطا ہوا تھا، اور خلافت ارضی کا بار اسے سنبھالنا تھا، یہ ساری خرابیاں دراصل اسی دینی شعور کی کمی اور غفلت کے نتیجہ میں ہے جس سے ہماری ملت کا خمیر تیار ہوا ہے، اس کمی کی وجہ سے عام خرابیاں وجود میں آرہی ہیں، اسلامی معاشرہ ایک مادی معاشرہ بنتا جارہا ہے، جہاں ہر وہ خرابی پائی جارہی ہے جو کسی غیر اسلامی معاشرہ کی پہچان ہے۔

شادی کے موقع پر دولہا خریدا جارہا ہے، منگنی اور تلک کی رسم خالص ہندوانہ انداز میں انجام پارہی ہے، جہیز کی مانگ بڑھتی جارہی ہے، اور بچیاں جو رحمت الٰہی کا مظہر تھیں اب وہ سوہان روح بنتی جارہی ہیں، بچے اور بچیوں کے مابین والدین کی محبت فرق وامتیاز کے ساتھ ظاہر ہونے لگی ہے، آخر یہ مشرکانہ ماحول کا اثر ہے یا نہیں، اسلام میں کہاں جہیز ہے، حضرت فاطمہؓ کو حضور ﷺ نے کہاں جہیز دیا تھا، جو کچھ آپ نے دیا تھا اس کا نظم اس رقم سے کیا تھا جس کو حضور ﷺ کے حکم پر حضرت علیؓ نے اپنی زرہ فروخت کر کے پیش کیا تھا، اس میں بھی وہ ضروری سامان تھے جس کے بغیر گھر آباد نہیں ہوتا، اور ظاہر ہے حضرت علی کے پاس پہلے سے یہ سامان بھی نہ تھے اور نہ الگ کوئی گھر ہی تھا۔

لہٰذا ضرورت تھی جس کی تکمیل حضور ﷺ نے فرمائی، اور وہ بھی انہیں کے پیسوں سے اگر ہم یہ مانیں کہ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ کو جہیز دیا تو سوال ہے کہ حضرت رقیہ حضرت ام کلثوم حضرت زینب کو کون سا جہیز آپ نے دیا اور اگر آپ نے انہیں نہیں دیا تو کیا آپ پر حق تلفی کا الزام نہیں آئے گا، اس طور پر بھی ہمیں سوچنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے قوت دی، صلاحیت دی، علم دیا، جوانی دی، پھر ماحول سے

متاثر ہوکر ایک نوجوان بھکاری ہوجائے، ہاتھ پھیلائے، منہ کھولے، یہ بڑی بے غیرتی، بے حمیتی، اور فریبی کی بات ہے، خوددار اور غیرت مندوں کا یہ شیوہ نہیں ہے، کاش ہمارا مسلم سماج اس کو سمجھے اور نوجوانوں میں یہ شعور عام ہوجائے، خوشی کی بات ہے کہ اس سلسلہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اصلاح معاشرہ کی مہم تیز کردی ہے، یونیورسٹی اور کالجوں کے اساتذہ اور مدارس کے ذمہ داراس طرف متوجہ ہورہے ہیں، ملک کے کئی اہم مقامات پر بڑے مؤثر اور بھرپور جلسے ہوئے اور بعض علاقوں میں اسلامی کمیٹیاں وجود میں آگئی ہیں، اور اپنے اپنے نہج پر اصلاح معاشرہ خصوصا شادی بیاہ کی رسومات کو آہستہ آہستہ موقوف کرنے کی فکر کررہی ہیں، ضرورت ہے کہ اس میں وقتی جوش وخروش کے بجائے عملی سوجھ بوجھ، صبر وشکیبائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ رضائے الٰہی کے خاطر اس مہم کو وسعت اور استحکام دینے کی کوشش کی جائے، یہ وقت کا اہم جہاد ہے، اور ہماری موت وزیست اس سے وابستہ ہے۔

عظمت صحابہؓ اور مشاجرات میں راہ اعتدال

خالق کائنات نے پوری دنیا کی رشد وہدایت ،صلاح وفلاح، دنیوی واخروی سعادت، کامیابی وکامرانی کے لئے ایک مکمل دستور حیات اور جامع نظام زندگی امام الانبیاء، مولائے کل، دانائے سبل، ختم الرسل کو عطا فرمایا، اور اس کی حفاظت وصیانت، نشر واشاعت، تشہیر وترویج کی ذمہ داری پوری امت کے کاندھوں پر ڈالی ،اور اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کا مکلف سب سے افضل، سب سے پاکباز، پاک نفس، مقدس، معظم، جامع کمالات، قدسی صفات گروہ کو بنایا جو اتفاقی طور پر وجود میں نہیں آیا، بلکہ حق جل جلالہ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت منتخب فرمایا، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں :

'اِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ فِیْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَنَظَرَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَابْتَعَثَهٗ بِرِسَالَتِهٖ ثُمَّ نَظَرَ فِیْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَوَجَدَ أَصْحَابَه خَيْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَهُمْ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَنُصْرَةِ دِيْنِهٖ' (الدرة المضيئة :۲/ ۲۵)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے (رسالت ونبوت کے لئے) بندوں کے قلوب پر نظر انتخاب ڈالی تو ان میں سب سے بہتر قلب محمد ﷺ کا پایا، چنانچہ آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا، پھر دوبارہ بندوں کے قلوب پر نظر انتخاب ڈالی اور قلب محمد ﷺ کے بعد اصحاب محمد ﷺ کے قلوب کو سب سے بہتر وافضل پایا تو ان کو حضور اکرم ﷺ کی صحبت ورفاقت، دین کی صیانت وحفاظت اور نصرت وحمایت کے لیے منتخب فرمایا)۔

پھر نبی کریم ﷺ نے اس گروہ میں ایمان بالغیب اور ایمان بالآخرۃ پیدا کیا، جس نے ان کے ذہن ودماغ ،سیرت وکردار، اخلاق وزندگی اور سیاست ومعیشت کو ایک نئے سانچہ میں ڈھال دیا تھا، عسر ویسر، کامیابی وناکامی، فقر وفاقہ، تنگی وخوشحالی،

اورامارت وحکومت میں بے تکلف اسی کا اظہار ہوتا تھا، نبی کریم ﷺ کی مثالی تربیت سے ان کے قلوب میں بے پناہ طہارت وپاکیزگی ،علوم میں گیرائی وگہرائی ،ان کی زندگیوں میں سادگی وبے تکلفی ،ان کی سیرت وکردار،ان کے اخلاق وعادات میں اعتدال اوران کے احوال میں حسن وجمال پایا جاتا تھا، یہ نبی کی کیمیا اثر صحبت کا نتیجہ تھا کہ عرب کے بدو جاہل اورناخواندہ لوگ دنیائے علم کے قائداورمسند معرفت کے صدرنشیں بن گئے،معلم کامل، ہادی اعظم،صادق ومصدوق کی نظر کا کمال یا معجزہ تھا کہ جن کی سرشت میں شراب نوشی، حرام خوری، زناکاری، جبروتشدد، ظلم وستم ،سفا کی وخونریزی ،قتل وغارت گری، جنگ وجدال، لوٹ مار، چوری وڈاکہ زنی، بے راہ روی وبے اعتدالی، جھوٹ فریب، دھوکہ دہی ،اوراوہام پرستی جیسی صفات ذمیمہ پائی جاتی تھی، وہ لوگ نہ یہ کہ یکسر بدل گئے بلکہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے معلم، ہادی، رہبراور مسیحا بن گئے۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

صحابہ کرامؓ کی یہ چنندہ ،برگزیدہ ،ومقدس جماعت جوتقویٰ وطہارت، خلوص للّٰہیت، زہدوقناعت، توکل وانابت، جودوسخا، ایثاروقربانی، امانتداری، وفاشعاری، ہمدردی وخیرخواہی، عفت و پاکدامنی، دیانتداری وجانبازی میں اپنی مثال آپ تھی ،جودن کے شہسوار، رات کے عبادت گزار، باطل کے لئے سیل رواں، اورحق کے لئے حریروپرنیاں، سربلندی اسلام کے لئے پرعزم جواں، دعوت وتبلیغ کے لئے پیہم رواں، خشیت الٰہی سے ہم دم لرزاں، یعنی وہ سیدالاولین والآخرین محمد ﷺ کے اصحاب جانثار، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، جن کی جماعت اپنے خالص ایمان، عظیم اخلاص، اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی دفاع میں اپنی جانی ومالی بے نظیر قربانیوں، اس کے دین کی تشہیر وتبلیغ ،نشر واشاعت

اور ترویج میں آخری درجہ کی پریشانیوں وجانفشانیوں اور دین کی بہترین اور لائق تقلید خدمات اور کلمہ الٰہی کی سرفرازی کے لئے زبردست کارناموں کے سبب ایسے مقام ومرتبہ پر پہنچی کہ عرش کا رب اس جماعت سے اس قدر راضی ہوا کہ اس نے اپنی ابدی رضا اور خوشنودی کا اعلان اپنی زندہ جاوید کتاب قرآن کریم میں کیا :

'' وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا، ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ "(سورۃالتوبۃ:آیت ۱۰۰/)

ترجمہ:(مہاجرین وانصار میں سے وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی، نیز وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کا اتباع کیا اللہ ان سے راضی ہوا، وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کررکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے)۔

ان کے سچے مومن ہونے کی اللہ نے قرآن میں شہادت دی ہے''اولئك هم اَلْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا،لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ" (سورۃالانفال : آیت ٧٤) (وہی سچے مومن ہیں ان کے لئے مغفرت اور بہترین رزق ہے)''وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْيُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰه حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ " (سورۃالحجرات: آیت ۷)۔

اور جان رکھو کہ رسول تم میں موجود ہیں اگر وہ اکثر چیزوں میں تمہاری بات مانیں گے تو تم مشکل میں پڑ جاوگے البتہ اللہ ہی نے تمہارے لئے ایمان میں رغبت پیدا فرمائی اور تمہارے دلوں میں اُسے سجادیا اور کفر وگناہ اور معصیت سے تمہیں بیزار کیا، یہی

لوگ ہیں جو سیدھے راستے پر ہیں۔اس آیت میں جہاں صحابہ کرامؓ کے دلوں میں ایمان کے محبوب ومرغوب کیے جانے اور کفر وفسوق اور طغیان کو مبغوض کیے جانے کا ذکر ہے وہیں ان کو ''اُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ'' کہہ کر راہ استقامت پر ہونے کی شہادت بھی دی گئی ہے،قرآن مجید میں جابجاان کے ایمان کو معتبر کامل اور اسوہ ونمونہ قرار دیا گیا ہے'' فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآاٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا'' (سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۷)۔

اگر یہ لوگ (غیر مسلم) اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم (صحابہ) ایمان لائے ہو تو انہیں ہدایت مل جائے گی۔ ''اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ'' (سورۃالزمر:آیت ۲۲) اس آیت میں اولین مصداق صحابہؓ ہیں،اس میں ان کے کمال ایمان اور عقیدہ حق پر ان کے شرح صدر واطمینان کو بیان کیا گیا ہے،اور کبھی ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' (سورۃ الفتح:آیت ۲۹) سے ان کے دینی مزاج اور افتادطبع کا تذکرہ کیا گیا ہے تو کبھی ''تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا'' سے ان کی عبادت وریاضت کو سراہا گیا،کبھی ان کو خیر امت یا وسط امت کے لقب سے ملقب کیا گیا،تو کبھی ''وَكُلًّا وَعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى'' کے ذریعہ تمام مہاجرین وانصار سے جنت کا وعدہ کیا گیا،کبھی '' وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى'' سے ان کے اصطفاء وانتخاب کا اعلان کیا گیا تو کبھی ''يَوْمَ لَايُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ'' کے ذریعہ نبی اور ان کے اصحاب کو محشر کی ذلت ورسوائی سے صیانت وحفاظت کا پروانہ دیا گیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول پاک ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا 'اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ' (الدرۃ المضیئۃ:۲/۲۵) تم آج اس روئے زمین پر سب سے بہتر انسان ہو، بے شمار احادیث شریفہ میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے مناقب وفضائل بیان فرمائے ہیں، جو ان کے اعلیٰ اور ارفع اور افضل ہونے پر دال ہیں، ان کی محبت عین محبت

رسول ہے، ان کی شان میں ادنی لب کشائی ناقابل عفو جرم ہے، ارشاد نبوی ہے :

'اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ أَصْحَابِیْ، لَاتَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ، فَمَنْ أَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ أَحَبَّھُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ أَبْغَضَھُمْ، وَمَنْ آذَاھُمْ فَقَدْ آذَانِیْ، وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَیَ اللّٰہَ وَمَنْ آذَیَ اللّٰہَ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ' (سنن ترمذی : ۳۸۶۲)

''اللہ سے ڈور، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں، ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی، قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑ لے۔''

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں 'لَاتَسُبُّوْا أَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ أَحَدَکُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَابَلَغَ مُدَّ أَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَہٗ' (صحیح بخاری:۳۶۷۳) میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو، تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردے تو ان کے ایک درجہ کے برابر نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشیر، ایک حدیث میں ہے 'اِذَارَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ أَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةَ اللّٰہِ عَلَی شَرِّکُمْ' (سنن ترمذی:۳۳۶۶) جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کو برا بھلا کہتے ہیں اور انہیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو تم ان سے کہو: تم میں سے جو برا ہو اس پر اللہ کی لعنت، اس جماعت کا ہر فرد آفتاب و ماہتاب ہے 'أَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ' میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں تم جن کی بھی اتباع کروگے ہدایت پاجاؤگے۔ (مشکوۃ ۴۵۵) 'أَکْرِمُوْا أَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ' (مشکوۃ ۲/ ۵۵۴) میرے صحابہ کا اعزاز واکرام کرو، وہ تم سب سے بہتر ہیں۔

مشاجرات میں راہ اعتدال:

حاصل کلام یہ کہ انبیاء کے بعد یہ چنندہ، منتخب وممتاز جماعت انسانی دنیا کی سب سے حسین وجمیل اور دلآویز جماعت ہے، اس کا ہر ہر فرد تربیت، صحبت اور فیض نبوی کی وجہ سے نبوت کا شاہکار اور پوری نسل انسانی کے لئے باعث شرف لائق صد افتخار ہے اور بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ (دو متضاد تصویریں ص ۱۸/۴۲) ''انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین وجمیل، اس سے زیادہ دلکش ودلآویز تصویر نہیں ملتی، جو صحابہ کی زندگی میں نظر آتی ہے، صحابہ کرام کی جماعت ایک ایسا انسانی مجموعہ ہے جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد انسانی کمالات پیدا کر دیئے تھے، ان کا معاشرہ جس کی بنیاد صحبت نبوی، تربیت ایمانی اور تعلیمات قرآنی پر تھی، ایک بے خار انسانی گلدستہ تھا جس میں ہر پھول اس کے لئے باعث زینت تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرامؓ ان تمام عظمتوں، اطاعتوں اور قربانیوں سے آراستہ اور اوصاف عالیہ واوصاف حمیدہ سے متصف ومزین ہونے کے باوجود بشری تقاضوں سے خالی وعاری نہیں تھے، اور نہ مافوق الفطرت خوبیوں کے مالک انسان تھے، اس لئے ان میں آپسی مشاجرات اور اختلافات بھی ہوئے، کشاکش اور انتشار کی صورتیں بھی پیش آئیں، انسانی غلطیوں کا بھی صدور ہوا، انہوں نے ایک دوسرے کی تردید بھی کی، حضرت عائشہؓ نے کئی صحابہ کرامؓ کی آراء پر عملی استدراک بھی کیا، حضرت علیؓ کو کئی معاملات میں اختلاف رہا، حضرت ابوبکرؓ کو بعضوں سے تکلیف پہنچی، ازواج مطہراتؓ میں بعض نے بعض کو کچھ کہہ دیا، ایسے تلخ وشیریں لمحات ان کی زندگیوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں، لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کا اخلاص وللّٰہیت، بے نظیر نبوی تربیت، ان کی کیمیا اثر صحبت، ان کی دیانتداری ووفاشعاری، استقامت وامانتداری کا اثر تھا کہ ان کے آپسی اختلاف ومشاجرات نے ان کے باہمی تعلقات پر نہ کوئی

اثر پڑنے دیا اور نہ حدود شریعت کو پامال ہونے دیا، نہ ان کی ذاتی انا کو دینی اصولوں پر ترجیح دینے دیا اور نہ انہیں انفرادی پسند کی چوکھٹ پر اجتماعی مفاد کو قربان کرنے کی اجازت دی، اور نہ مستحب ومباح عمل میں ان کے اختلاف کی وجہ سے امت کے اتحاد واتفاق میں دراڑ پڑنے دیا، نہ انہیں دین کی فروعات میں اپنی رائے پر اصرار اور دوسروں کو اس پر مجبور کرنے دیا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ اپنے آپسی اختلافات ومشاجرات میں بھی نہ راہ اعتدال سے ہٹے اور نہ بیجا اصرار کے ساتھ اپنی رائے پر ڈٹے۔

مشاجرات کے سلسلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ صحابہ کرامؓ کے مابین اختلافات، اجتہادی نوعیت کے تھے، اسی وجہ سے علمائے امت نے نزاع، اختلاف کا نام نہیں دیا، بلکہ ان کو مشاجرات سے ادا کیا، کیونکہ یہ شجر (درخت) سے مشتق ہے، اور درخت کی شاخوں کا ایک دوسرے سے ملنا اس کی خوبصورتی کو واضح کرتا ہے، صحابہ کرام کا اجتہاد قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں تھا، اور حدیث میں آیا ہے کہ مجتہد جب اجتہاد کرتا ہے تو اس کی رائے صحیح ہوتی ہے تو اس کو دہرا اجر ملتا ہے، اور اگر اس کی رائے خطا پر مبنی ہوتی ہے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے' غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لَا یُصَلِّیَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمُ صَلَاةَ الْعَصرِ اِلَّا فِیُ بَنِیُ قُرَیُظَةَ' اس حدیث کے سلسلہ میں صحابہ کے مابین دو رائے ہوگئیں، بعض نے کہا کہ نماز عصر بنو قریظہ میں پڑھنی ہے، اگر چہ اس کا وقت نکل جائے، اور بعض نے کہا نہیں اس جملے کا مطلب بہت جلد بنو قریظہ کے علاقہ میں پہنچنا ہے، نماز وقت ہی کے اندر ادا کی جائے گی، اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق صحابہ کرامؓ نے عمل کیا، ایک جماعت نے دوسرے کی تکفیر وتفسیق کا بیڑہ نہیں اٹھایا، رسول پاک ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین جو اختلافات تھے، وہ اجتہادی نوعیت

کے تھے، دونوں کی اس مسئلہ میں اپنی منفرد رائے تھی، پورا معاشرہ دو دھڑوں میں منقسم تھا، اغیار نے بھی اس موقع کا فائدہ اٹھانا چاہا، رومی حکمراں نے حضرت معاویہؓ کو کچھ ترغیبی خطوط لکھے، ایسے موقع پر حضرت معاویہؓ کے تاریخ ساز جملے نے مشاجرات اور اختلافات کے باوجود اعتدال کی ایک نئی طرح ڈال دی، وہ فرمانے لگے، اگر تم نے ہمارے اوپر نگاہ بد ڈالی تو یاد رکھنا: میں حضرت علیؓ کی فوج کا ادنی سپاہی ہوں گا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان حضرات میں سے ہیں جو مشاجرات کے زمانہ میں کسی فریق کی موافقت یا مخالفت سے یکسو رہے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان سے درخواست کی گئی کہ آپ میدان میں آیئے، ہم آپ کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت لیں گے، لیکن آپ نے باہمی خانہ جنگی کے خطرے سے انکار فرمایا، آپ کو دھمکیاں بھی دی گئیں، لیکن آپ اپنے موقف پر قائم رہے، ایک مرتبہ مشاجرات کے دوران لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ خلافت سنبھال لیجئے، سب لوگ آپ کی خلافت سے راضی ہو جائیں گے، آپ نے فرمایا اگر مشرق کے کسی شخص نے مخالفت کی تو کیا ہوگا؟ لوگوں نے کہا کہ ایسا شخص مار ڈالا جائے گا، اور پوری امت کی بہتری کے لئے ایک شخص کا قتل کیا حیثیت رکھتا ہے، آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر ساری امت میں نیزے کا قبضہ ہو اور میرے ہاتھ میں اس کی نوک ہو تب بھی میں ساری دنیا و مافیہا کے بدلے کسی مسلمان کا قتل پسند نہیں کر سکتا۔

علامہ ابن الجوزی نے 'صفوۃ الصفوۃ' میں حضرت معاویہؓ کا یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ضرار ابن ضمرہ سے کہا کہ علیؓ کا کچھ حال بیان کرو، انہوں نے کہا: خدا کی قسم! وہ بہت بلند نگاہ اور قوی و توانا تھے، صاف اور واضح بات کہتے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے، علم ان کے ہر پہلو سے چشمہ کی طرح ابلتا اور حکمت ان کے ہر بن مو گویا تھی، اسی طرح دیگر اوصاف

گنائے ان سے حضرت معاویہؓ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، یہ تھا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان باہمی ربط اجتہادی مسائل میں اختلاف کو انہوں نے کردار کشی کا ذریعہ نہیں بنایا۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کوفہ کی مسجد میں منعقد ہوئی، پورا نظام خلافت صحیح رخ پر چل رہا تھا کہ اچانک حضرت حسنؓ کو اطلاع ملی کہ مسئلہ خلافت کو بنیاد بنا کر کچھ لوگ معاشرہ میں شر و فساد کی تخم ریزی کر رہے ہیں، اس خبر کی تحقیق کر کے حضرت حسنؓ نے چھ سات مہینے تک خلافت کے نظام کو سنبھالنے کے بعد بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ خلافت سے دستبردار ہوگئے، حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ رقم طراز ہیں 'ایک قربانی وہ ہے جو حضرت حسن ابن علیؓ کی ہے، جو حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں امت کے انتشار کو ختم کرنے کے لئے دی تھی، اس طرح حضرت رسول اکرم ﷺ کی وہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق آئی جس میں آیا :

'اِنَّ اِبْنِیْ هَذَا سَیِّدٌ' لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُصْلِحَ بِهِ بَیْنَ طَائِفَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ'

(بخاری شریف حدیث نمبر:۳۶۲۹)

''یہ میرا بیٹا سردار ہے، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں اور جماعتوں کے درمیان مصالحت کرادے۔'' (دعوت فکر و عمل: ص ۲۶)

یہ نمونہ ہے کہ سخت حالات میں متنازع فیہ معاملہ کو کیسے حل کیا جائے، اسی کے ساتھ آپسی اختلافات میں راہ اعتدال کے اختیار کرنے سے معاملہ کس قدر آسان ہوگیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرامؓ کی عظمت و رفعت اور مقام و مرتبہ کو سمجھنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کا نوع انسانی کے نام محبت بھرا دل آویز پیغام

یہ حقیقتیں اپنے اپنے زمانے میں پیغمبروں نے بیان کی تھیں اور ان کے لئے سخت جدوجہد کی تھی، یہ حقیقتیں اب بھی زندہ ہیں لیکن سیاسی تحریکوں، مادی تنظیموں اور قومی خودغرضیوں نے گردوغبار کا ایک ایسا طوفان کھڑا کردیا ہے کہ یہ روشن حقیقتیں ان کے اوٹ میں اوجھل ہوگئی ہیں لیکن انسان کا ضمیر ابھی مردہ اور انسانی ذہن ابھی مفلوج و معطل نہیں ہوا ہے، اگر پوری بے غرضی اور پورے خلوص اور یقین کے ساتھ ان حقیقتوں کو عام فہم زبان اور دلنشیں انداز میں بیان کیا جائے تو یہ انسانی ضمیر اور ذہن اپنا کام کرنے لگتا ہے اور بڑی گرمجوشی سے ان حقیقتوں کا استقبال کرتا ہے اور بعض اوقات تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تقریروں میں اس کے دل کی ترجمانی اور اس کے درد کا مداوا ہے۔ (مقام انسانیت از مقدمہ)

جب کسی قومی افتاد ملکی حوادث اضطراب انگیزیوں کی وجہ سے ملکی فضا زہر آلود اور قہر سامان بن جاتی ہے تو ایسے وقت میں اہل دانش کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ سامنے آئیں اور بلکتی سسکتی ہوئی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھیں، لیکن آج ہمارے ملک بلکہ عالمی طور پر یہ بات محسوس کی جاتی ہے کہ اہل دانش کا طبقہ ایسے وقت مجرمانہ غفلت کا شکار نظر آتا ہے، بلکہ اس کی چشم پوشی اور جرائم کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے، اس طبقہ کو مخاطب ہوتے ہوئے جون پور کے ٹاؤن ہال میں ۲۱ر فروری ۱۹۵۵ء کو آپ نے فرمایا'' آج کالجوں، تحقیقاتی اداروں، تجربہ گاہوں، تفریحی مراکز میں انسانی زندگی کی ہر حقیقی اور فرضی ضرورت کا انتظام کیا جارہا ہے، مگر ان آدمیوں کے بنانے کا کوئی انتظام نہیں سوچا جارہا ہے جن کے

لئے یہ سب انتظامات ہیں، کیا یہ سب تیاریاں ان انسانوں کے لئے ہیں جو سانپ بچھو بن کر زندگی گذاریں گے جن کا مقصد زندگی بوالہوسی اور عیش پرستی کے سوا کچھ نہیں، اس دور کے انسان نے ظلم اور جرم کو منظم کیا ہے، اور اس بارے میں وہ جانور سے بازی لے گیا، کیا کبھی سانپوں اور بچھوؤں اور جنگل کے شیروں اور بھیڑیوں نے انسانوں پر کوئی منظم اور متحدہ حملہ کیا ہے؟ لیکن انسان اپنے جیسے انسانوں کو فنا کرنے کے لئے تنظیمیں اور ادارے قائم کرتا ہے، اور پوری پوری دنیا کو تباہ کردینے کی اسکیمیں بناتا ہے، اس وقت افراد کی تربیت سیرت کی تعمیر اور انسانیت کی صفات اور اخلاق پیدا کرنے کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی جارہی ہے، یہی کام سب سے غیر اہم سمجھا گیا ہے، مشین ڈھالنے کی کتنی فیکٹریاں ہیں، کاغذ بنانے کے کتنے کارخانے ہیں، کپڑے بننے کی کتنی میلیں ہیں، مگر حقیقی انسان بنانے کا بھی کوئی ادارہ کوئی تربیت گاہ ہے؟ آپ کہیں گے یہ تعلیم گاہیں، کالج اور یونیورسٹیاں! لیکن بے ادبی معاف وہاں انسانیت کی تعمیر اور فرد کی تکمیل پر کتنی توجہ کی جاتی ہے، یورپ اور امریکہ نے کتنے بڑے صرفے اور کتنے بڑے ساز وسامان سے ایٹم بم بنایا، اگر اس کے بجائے ایک فرد کامل بناتا تو دنیا کے لئے کتنا مبارک ہوتا لیکن اس طرف کسی کا ذہن نہیں جاتا۔

آج یورپ جس کے ہاتھ میں دنیا کی باگ ڈور ہے، اور وہ انسانیت کا لیڈر بنا ہوا ہے اس نے حیوانیت کے درجہ سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا ہے، اس نے انسان کا جمادی تصور پیش کیا، وہ کہتا ہے کہ انسان روپیہ ڈھالنے کی مشین اور ایک کامیاب ٹکسال ہے، البتہ اس کے اندر خواہشات ہیں، لیکن سراسر حیوانی کاش کہ وہ انسان کو صرف ایک مشین ہی رہنے دیتا جس کے اندر اپنی کوئی خواہش اور ارادہ نہیں، ستم بالائے ستم یہ ہے کہ وہ مشین بھی اور خودغرض بھی اور مردم آزار بھی، اس مشینی دور میں لطیف انسانی جذبات واحساسات، انسان

سے ہمدردی، دل کا گداز ڈھونڈنے سے نہیں ملتا، اس ٹکسال میں کہیں خدا کا نام نہیں، اس کی سچی دل سوزی نہیں، نہ آنکھوں میں نمی ہے اور نہ دل میں گرمی، نہ انسانیت کی لطافت ہے نہ قلب وروح کی حرارت، حالانکہ جس دل میں محبت اور معرفت نہیں وہ انسان کا دل نہیں پتھر کی سل ہے جس آنکھ میں کبھی آنسو نہ آئے وہ انسان کی آنکھ نہیں نرگس کی آنکھ ہے۔''

دل کی سچی پیاس: پہلے ہر گاؤں اور ہر قصبے میں اللہ کے ایسے بندے ہوتے تھے جن سے دل کی پیاس بجھتی تھی، جس طرح زبان کی ایک پیاس ہوتی ہے، اس طرح دل کی بھی پیاس ہوتی ہے، زبان کی پیاس پانی، شربت، سوڈے، لیمن سے بجھتی ہے، دل کی پیاس سچی اور پاک محبت کی باتوں، اور محبوب حقیقی کے تذکرے سے بجھتی ہے، وہ روپیہ دولت اور نفس کی خواہشات کے ذکر سے بھڑکتی ہے، آج ہر چیز کی دکانیں ہیں منڈیاں ہیں بازار ہیں لیکن دل کی دوا اور روح کی غذا نایاب ہوتی جارہی ہے اور کہنے والے عرصہ سے کہہ رہے ہیں ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

آج نہ گھروں میں اللہ کا ذکر ہے نہ ریلوں میں حتی کہ مسجدوں میں بھی اس کا ذکر وفکر کم سے کم ہوتا جارہا ہے، آج ہر جگہ ہوا وہوس اور ناؤ ونوش کا شور برپا ہے، رہی سہی کمی یہ سنیما پوری کردیتے ہیں، جو حیوانی جذبات بھڑکانے کا خاص کام کرتے ہیں، روح بے قرار ہے، اللہ کا بندہ کہاں جائے؟ اگر صرف پیسہ کمانا ہی انسان کا کام ہے اور پیٹ بھر لینا ہی اس کا فرض تھا تو یہ دل انسان کو کیوں دیا گیا، دماغ کیوں عطا کیا گیا، ایسی بلند پرواز روح کیوں بخشی گئی، اور ایسی گوناگوں عجیب وغریب صلاحیتیں کیوں ودیعت کی گئیں؟

خود کرنے کا کام :

دوستو! اس وقت ایمان واخلاق اور انسانیت کا مسئلہ نہ حکومتوں پر چھوڑا جاسکتا ہے نہ

اداروں اور تعلیم گاہوں پر، یہ بڑا وسیع اور عالمگیر مسئلہ ہے اس کے لئے ہم سب کو کوشش کرنے کی ضرورت ہے، یاد رکھئے! جس کام کو افراد اور عوام کرنے کو تیار نہ ہوں اور جس کی اہمیت کا احساس جمہور اور عوام کو نہ ہو وہ کام جتنا بھی آسان ہو عمل میں نہیں آسکتا، اور بڑی سے بڑی حکومت بھی اس کو انجام نہیں دے سکتی، اس کے لئے عمومی اور عوامی کوشش کی ضرورت ہے، پیغمبروں نے اپنی ذات اور عام افراد کی کوشش سے دنیا میں انقلاب برپا کردیا، ہم کو آپ کو ان کے نقش قدم پر چل کر اس کی کوشش کرنی چاہئے، خود اپنی اصلاح کرنی چاہئے، اور عام اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے، اس کی کوشش کی جائے کہ انسان اس دنیا کو مقدس وقف اور اپنے کو ایک ذمہ دار متولی سمجھنے لگے، وہ اپنے کو اس دنیا میں خدا کی نیابت وخلافت کا اہل ثابت کرے، اور اخلاق خداوندی کے ساتھ خدا کی مخلوق کے ساتھ برتاؤ کرے، یہی اصلاح کا طریقہ ہے۔ (مقام انسانیت ص ۳۲/۲۸)۔

اسی اصلاح کو عام کرنے کے لئے آپ نے علماء ودانشوروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا'' آپ اس ملک کی فکر کریں، معاشرہ کی اصلاح کی فکر کریں، اس وقت مسلم معاشرہ ہر ملک میں مرض کی ایسی حالت میں پہنچ گیا ہے کہ اس کی جلد خبر لینے کی ضرورت ہے، معاشرہ کا عیب یہ نہیں ہے کہ وہ فاسدالاخلاق ہوگیا ہے، خطرہ کی بات یہ ہے کہ معاشرہ فاسدالمزاج ہوگیا ہے اور کسی معاشرہ کا فاسدالاخلاق ہونا اتنا خطرناک نہیں ہے اس کے لئے سو تدبیریں ہیں لیکن معاشرہ جب فاسدالمزاج ہوجائے تو پھر دوا بھی اثر نہیں کرتی، اس وقت اس معاشرہ کی خبر لینے کی ضرورت ہے۔

(تعمیر حیات ۲۵ر فروری ۲۰۰۰ء)

۶ر۷ر جون ۱۹۹۸ء کو پونا میں رابطہ ادب اسلامی کا سیمینار ہوا اس موقع پر ایک مخصوص نشست دانشوران ملت اور برداران وطن کی بھی رکھی گئی تھی۔ حضرتؒ نے اس مجمع

کوخطاب کرتے ہوئے ملک کی گرتی ہوئی ساکھ اور معاشرہ کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر اپنے سوز دروں کو ان الفاظ میں پیش فرمایا :

انسانیت کی بقاوتحفظ کی فکر :

میرے بھائیو! ایک باپ کو جتنا غم اپنے بیٹے کی بیماری پر ہوتا ہے سچ تو یہ ہے کہ اتنا ہی غم اپنے پڑوسی کے بیمار ہوجانے پر، اتنا ہی غم اپنے گاؤں میں بسنے والے کسی بیمار فرد پر، اتنا ہی غم اپنے ملک کے کسی بھائی کے بیمار پڑجانے پر ہونا چاہئے، یاد رکھئے! تاریخ اس بات پر گواہ ہے بلکہ میں بھی تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ جب بھی یہ حسین جذبہ کسی حساس دل کے اندر پیدا ہوا تو اس نے ساری سوسائٹی کو بدل ڈالا، ماحول اور معاشرہ میں اصلاح کا زبردست کام کیا، اور اپنا نام روشن کیا، گھر اور خاندان کا نام روشن کیا، اپنے ملک کا نام روشن کیا، لیکن یاد رکھئے! یہ کام انہیں خوش قسمت افراد کے ہاتھوں انجام پاتا ہے جن کا ذہن ودماغ عصبیت سے خالی ہوتا ہے، جو انسانیت کی بقاء وتحفظ کی خاطر جان عزیز کی بازی تک لگادیتے ہیں لیکن انسانیت پر آنچ نہیں آنے دیتے ہیں، لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ آج معاملہ خلاف فطرت ہے، انسان انسان سے وحشت کھائے، انسان انسان سے ڈرے، یہ بڑے تعجب کی بات ہے، انسان شیروں سے ڈرے، انسان پھاڑ کر کھا جانے والے درندوں سے ڈرے، لیکن انسان انسان سے ڈرے؟ یہ بڑے تعجب اور خسارے بلکہ انسانی بقاء وتحفظ کے خلاف بات ہے۔

اس ملک کا امتیاز :

میرے بھائیو! یہی وہ ملک ہے جس کے پریم ومحبت کی داستان سرائی دوسرے ملکوں میں ہوتی تھی بلکہ آج بھی ہوتی ہے میں ایک سیاح کی حیثیت سے بھی یہ کہتا ہوں اور مجھے بار بار یورپ امریکہ اور دنیا کے مشہور ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا ہے، اور خود یہ

میرا مشاہدہ بھی ہے کہ جب لوگ یہ جان جاتے ہیں کہ یہ ہندوستانی ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے بڑی قدر واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ وہ قوم ہے اور یہ ایسے ملک کے رہنے والے ہیں جس کے اندر اختلاط کا حسین امتزاج ہے۔

یاد رکھئے اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو میں آپ سے معذرت چاہتے ہوئے صاف صاف یہ کہتا ہوں اور کہوں گا کہ اس ملک ہندوستان کے لئے بھی خطرہ ہے، یاد رکھئے، تاریخ نے آج تک کسی کو نہیں بخشا، آپ رومۃ الکبریٰ کے زوال کی تاریخ پڑھئے، ان کے یہاں جب کھانے کے وقت روشنی کی ضرورت پڑتی تو قیدیوں کو دربار میں لالا کر جلایا جاتا اور جلنے کی وجہ سے ان کے جسم سے جو روشنی نکلتی اس میں بیٹھ کر کھانا کھاتے، ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے، اپنی اپنی محفلیں سجاتے، ان کے بھیڑیوں کو آدمیوں کے ساتھ بھڑا دیا جاتا اور یہ کھڑے تماشہ دیکھتے۔

پرشین امپائر :

اسی طرح پرشین ایمپائر کے زوال کی تاریخ پڑھیں یہ دنیا کے مختلف ملکوں کو فتح کر کے ہندوستان کے بارڈر تک آ پہنچا، لیکن اخلاقی نہیں ذہنی ودماغی عصبیت اور دوسروں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنے کے تصور نے اس کے بھی ستارے کو غروب کر دیا، بعینہ یہی حال آج یورپ اور ان ترقی یافتہ ملکوں کا ہے جس کے یہاں اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں، جو کسی حال میں اپنے سے بڑا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں، قریب ہے کہ یہ بھی زوال واضمحلال کا شکار ہو، بلکہ اس کے آثار بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔

تبدیلی کے لئے قربانی کی ضرورت ہے :

آج دنیا کے اندر بڑی بڑی مشینیں کام کر رہی ہیں، لیکن صرف اخوت، بھائی

چارگی، مساوات، ہمدردی انسانیت کے ناطے ایک دوسرے پر مرمٹنے کے حسین جذبے کی ہی مشین اپنا کام نہیں کررہی ہے، آج اگرساری مادی طاقتوں کے باوجودقوموں اورملکوں میں اتحاداور بھائی چارگی نہیں تویادرکھئے میں صاف صاف کہتاہوں یہ ترقیات نہیں بلکہ ترقیات کے پردے میں تنزل وانحطاط ہے۔علامہ اقبالؒ نے کیاخوب کہاہے۔

ڈھونڈنے والاستاروں کی گذرگاہوں کا　　اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا　　آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کوگرفتارکیا　　زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

اسی طرح اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتاہوں کہ جس محبت ودردوالے لوگ اس ملک ہندستان میں پیداہوئے شاید کسی اورملک میں پیدانہ ہوئے ہوں،آپ مولانا ابوالکلام آزادؒکی زندگی دیکھیں،آپ مولانا محمدعلی جوہرؒکی زندگی کا جائزہ لیں،اسی طرح گاندھی جی کی خدمات پرغورکریں تویہ بات آپ کوسمجھ میں آجائے گی کہ کسی ملک کی ترقی کے لئے کن کن عناصرکی ضرورت ہوتی ہےاورکن کن قربانیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

(تعمیرحیات۱۰رجولائی۱۹۹۹ء)

قربانیوں کی نوعیت :

ایک موقع پرقربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا!ہماری ہرقربانی کے لئے ہماری تاریخ میں ایک امام موجودہے،حضرت امام حسنؓ کی قربانی کی عظمت کوہمارے اچھے اچھے مؤرخ بعض مرتبہ سمجھنے سے قاصررہتے ہیں،لیکن حقیقت میں وہ قربانی بھی کسی قربانی سے کم نہیں کہ وہ نواسہ رسول ﷺ تھے،بڑے نواسے تھے،انصارعلی کی تلواریں نیام سے ابھی باہر تھیں،اس وقت جوشخص بھی صورتحال کا جائزہ لیتاوہ یہ پیشن گوئی کرسکتا تھا کہ ابھی بڑی فوجی

طاقت حضرت حسنؓ کے ساتھ ہے اور مسلمانوں کی جذباتی وابستگی بھی ان کے ساتھ ہے، ان کے ساتھ شرعی دلائل تھے وہ نواسہ رسول ﷺ تھے، خلیفہ راشد تھے، ان کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تھی، انہوں نے دیکھا کہ یہ کشمکش بے نتیجہ ثابت ہوئی، اور میرے جلیل القدر والد کی توانائیوں کا بڑا حصہ اس میں صرف ہو گیا، ان کا یہ اجتہاد تھا کہ انہوں نے خلافت سے کنارہ کشی اختیار کی۔

ایک قربانی وہ ہے جو ان کے بعد ان کے عظیم المرتبت بھائی حضرت حسینؓ نے یزید کے مقابلے میں دی، ایک اجتہاد ان کا تھا، میں ان دونوں اجتہادوں کو صحیح سمجھتا ہوں، یہ موقع نہیں کہ تاریخی اسباب بیان کروں، لیکن میرے نزدیک حالات کے بدلنے کے ساتھ احکام بدلتے ہیں، ان حالات کے مطابق حضرت حسنؓ کا فیصلہ صحیح تھا، اور ان حالات کے مطابق حضرت حسینؓ کا فیصلہ صحیح تھا، اور دونوں نے عالی ہمتی سے کام لیا اور کسی نے کمزوری نہیں دکھائی، میں ایک منٹ کے لئے ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ حضرت حسنؓ نے کسی کمزوری کی بناء پر یا کسی بیرونی دباؤ کی بناء پر یہ فیصلہ کیا بلکہ یہ تو وہ فیصلہ تھا جس کی پیشن گوئی زبان نبوت نے کی تھی اُن ابنی ھذا سید ولعل اللّٰہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین، میرا بیٹا یقیناً قوم کا سردار ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعہ دو مسلم متحارب گروہوں کے مابین مصالحت کروائیں گے۔ (بخاری شریف)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی قربانی بھی کسی قربانی سے کم نہیں، وہ جب مدینہ کے گورنر تھے، اور حکمراں خاندان کے ایک فرد تو وہ اپنے اعلیٰ مذاق نستعلیقی ونفاست پسندی کے لئے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے تھے، ان کا فیشن نوجوانوں میں نہ صرف قابل تقلید تھا بلکہ منتہی الکمال سمجھا جاتا تھا، ان کی چال ڈھال کی نقل کی جاتی تھی، اور المشیۃ العمریۃ کے نام سے اس زمانے کی سوسائٹی میں زبان زد خلائق تھی، بیش قیمت

کپڑا بازار سے خرید کر آتا تو ان کی نظر میں نہ جچتا تھا۔

لیکن جب خلافت کا بار ان کے کاندھوں پر پڑا تو ان کی زندگی یکسر تبدیل ہوگئی، انہوں نے اپنی اور اپنے قریب ترین اعزہ کی جاگیریں بیت المال کو واپس کردیں، ایک مرتبہ سستا سے سستا کپڑا ان کی پوشاک کے لئے خرید کر لایا گیا تو یہ کہہ کر واپس کردیا کہ یہ قیمتی ہے، ان کے خادم کی آنکھوں میں پرانا دور یاد کر کے آنسو آگئے، کہ بازار کے قیمتی کپڑوں کو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کردیا تھا کہ معمولی ہیں، کھانے پینے اور گھر کی چیزوں کا معیار اتنا گرادیا کہ بوریا نشین زاہد بھی اس سے نیچے شاید نہ اتر سکیں، احتیاط کا یہ عالم تھا کہ سرکاری شمع جل رہی ہے اور وہ حکومت کا کام کررہے ہیں کہ ایک دوست باہر سے آتے ہیں وہ ان سے ان کے علاقے کے مسلمانوں کے حالات دریافت کرتے ہیں جوں ہی وہ ان کے بچوں کی خیریت اور گھر والوں کی خیریت پوچھنے لگتے ہیں تو وہ پھونک مار کر شمع گل کردیتے ہیں، اور ذاتی شمع منگواتے ہیں کہ سرکاری شمع اور تیل اس لئے نہیں ہے کہ ذاتی سوالات اور خانگی حالات میں وہ صرف ہوں، میں نے یہ چند مثالیں دی ہیں، ورنہ ان کی خلافت کے بعد کی پوری زندگی اس عظیم قربانی کی ایک مثال ہے جو کوئی خدا ترس وصاحب ضمیر وصاحب ایمان انسان کسی ملک وملت کے لئے پیش کرسکتا ہے۔ (دعوت عمل)

حضرت مولانا کو اس وسیع وعریض دنیا میں ایسے ہی مرد دانا سربراہان مملکت، سیادت وقیادت کے خواہشمند افراد کی تلاش تھی جو آگے آئیں، اور بیمار معاشرہ کو روبصحت کرانے کی پوری کوشش کریں لیکن معاشرہ اور سماج میں ایسے افراد کی کثرت انہوں نے دیکھی جو بقول آپ کے ہر جرم کو فروغ پانے کی اجازت دینے کے لئے تیار ہیں، بشرطیکہ وہ جرائم ان کے زیر سایہ ہوں، اس کرب واضطراب کو ایک جگہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے یوں بیان فرمایا :

اقتدار کی ہوس :

اس وقت کا انسان اصل بگاڑ سے آنکھیں بند کر کے کہتا ہے کہ سب ٹھیک ہو رہا ہے، لیکن میرے اہتمام سے ہونا چاہئے جو کچھ ہو میری نگرانی اور چودھراہٹ میں ہو، بداخلاقی، بے مروتی، چور بازاری، دولت سمیٹنے کی ہوس سب ٹھیک ہے، لیکن اس کی تولیت ہمارے سپرد ہو تو ٹھیک ہے، آج اس کے دل کی خواہش یہی ہے، اور جب بھی کسی کے ہاتھ میں انتظام آیا ہے، تو اس نے لوٹ پھیر کر وہی نظام قائم رکھا، اور تھوڑی ترمیم کے بعد بات وہیں رہی جہاں تھی، بگاڑ کے سمجھنے میں مختلف پارٹیوں میں کچھ زیادہ بنیادی اختلاف نہیں، کوئی نہیں کہتا کہ وہ سب کچھ جو ہو رہا ہے نہیں ہونا چاہئے، بلکہ سب کا کہنا یہ ہے کہ جو ہو رہا ہے ہمارے ماتحت اور ہماری سرپرستی میں ہونا چاہئے، گویا اس پر اعتراض نہیں کہ کارخانہ غلط ہے بلکہ اس پر غصہ ہے کہ ہمارا سایہ اس کے سر پر نہیں، اس تناظر میں دنیا کی عالمی جنگوں کا تذکرہ بھی بڑا بصیرت افروز ہے، فرماتے ہیں۔

عالمی جنگوں کی حقیقت :

دنیا کی بڑی جنگیں اس بنیاد پر لڑی گئیں، فرانس، انگلستان، جرمنی، روس، امریکہ وغیرہ سب اسی جذبہ کو لے کر اٹھے، انہوں نے لفظوں کو آڑ بنا کر مطالبہ کیا کہ نوآبادیات (Colonies) کا انتظام دوسروں کے سپرد کیوں ہے اور دوسری قوم کیوں حاوی رہے، انسانیت کے درد سے بے قرار ہو کر ان میں کوئی نہیں اٹھا تھا، ان میں کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کا مذہب جاری کرنے اور دنیا کے ساتھ انصاف کرنے فسق و فجور اور ظلم و زیادتی مٹانے نہیں اٹھا تھا، نہ انگریز نہ جرمن، نہ روس، نہ امریکہ انہیں اچھے برے، ظلم و انصاف، حق و باطل سے کوئی کچھ بحث نہ تھی، حاشا وکلا، انہوں نے کبھی نہیں

سوچا تھا کہ ہم دنیا کو صحیح نظام زندگی دیں گے اور انسانیت کی خدمت کریں گے، ان کے پیش نظر یہ تھا کہ ہم لوگ سونے چاندی کی گنگا بہائیں گے، اور ملکوں کے ذخیرے اور دولتوں سے فائدے اٹھائیں گے۔

وہ دنیا پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتے تھے یہ سب ایک نظام زندگی پر ایمان لائے تھے کہ تمام دنیا کو پامال کر کے انسانوں کی لاشوں پر عیش وعشرت کی محفل رچائیں گے، اور آدمیت کے ملبہ پر اپنی شوکت کا محل بنائیں گے، سب ترسے ہوئے ندیدے، دولت کے بھوکے، خواہشات کے غلام، شراب خور، قمار باز، خدا کے بھولے ہوئے فطرت صحیح کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے، دل رحم سے خالی، انسانیت کے درد سے عاری، انہیں کے نقش قدم پر آج قوم اور ملک، ذاتیں اور برادریاں، سیاسی پارٹیاں، قومی ادارے، اور قوم پرست حکومتیں چل رہی ہیں، سب کا جذبہ یہ ہے کہ ہم اور ہمارے رفیق اور ساتھی اور عزیز واحباب موج کریں، وہ موجودہ حالت کو (ACCEPT) کر لیتے ہیں اور ان کو صورت حال سے کوئی اختلاف نہیں صرف ان لوگوں سے اختلاف ہے جن کے ہاتھ میں باگ ڈور ہے، وہ دنیا بدلنا نہیں چاہتے، صرف اس کی امامت وقیادت (LEADERSHIP) بدلنا چاہتے ہیں ان کی کوشش صرف یہ ہے کہ دوسروں کی جگہ ہم آجائیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، زندگی کی خرابیاں اور سوسائٹی کے جھول جوں کے توں رہتے ہیں۔ (مغرب سے صاف صاف باتیں)

اسلام کے خلاف سازشیں :

حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے آج اسلام کے خلاف اسلام دشمن طاقتوں کی یلغار کوئی نئی بات نہیں ہے البتہ جو چیز خطرناک ہے وہ یہ ہے کہ آج یہودی ذہن اور مسیحی طاقت دونوں نے مل کر اسلام کے خلاف جنگ چھیڑی ہے ان کی مادی طاقتوں کا مقابلہ ہمیں

کرنا ہوگا، لیکن اس کے لئے ہمیں اپنی اندرونی قوتوں کو بروئے کار لانا ہوگا، اس کے بغیر ہم کامیاب نہیں ہوسکتے، وہ اندرونی طاقت کیا ہے مغرب دیدہ کعبہ رسیدہ، مفکر اسلام کی زبان سماعت فرمائیں: 'اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس مسلح مادیت کا مقابلہ کریں جس کو یورپ وامریکہ نے اپنے بہترین اسلحہ سے مسلح کر رکھا ہے، اس کی ہر چیز اتنی بھانے والی ہے کہ بڑے بڑے شیروں کے پاؤں اکھڑ جائیں تو اس کا مقابلہ ہم محض تنظیم سے، محض اپنے ضابطہ اخلاق سے نہیں کرسکتے، اس کے لئے ہمارے اندر ایمانی طاقت ہونی چاہئے، تعلق مع اللہ ہونا چاہئے، اللہ کے ساتھ ایسا تعلق ہونا چاہئے کہ ہم کو وہ ایک سجدہ نصیب ہوجائے جس کی زمین بھی تاب نہیں لاسکتی۔

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

روح زمیں کانپے نہ کانپے اپنا کلیجہ تو کانپ جائے، اپنا دل تو تڑپ جائے، آنکھیں تو اشکبار ہوجائیں، یہ سجدہ جب آپ کو نصیب ہوگا تو آپ کو مادیت پر قابو ہوگا، اب جو دور ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کے اندر کی طاقت کی ضرورت ہے، آپ کے اندر وہ طاقت ہو، خدا کے نام سے محبت ہو، اس کے رسول ﷺ سے محبت ہو، سنتوں کا اہتمام ہو، اور اس کی عظمت آپ کے دل میں بیٹھی ہوئی ہو، سب سے کوتاہیاں ہوتی ہیں، لیکن ان کوتاہیوں کو آپ سمجھیں، ان پر اصرار نہ کریں، اس کے لئے دلیلیں نہ دیں، بلکہ یہ کہیں کہ آئیڈیل تو وہی ہے، اسوہ تو وہی ہے، کرنا تو ہم کو وہی ہے، خدا آپ کو توفیق دے گا۔

کامیابی کے لئے سیرت کی تعمیر ضروری ہے :

اپنے محدود تجربہ کی روشنی میں چند اور باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، ایک بات تو یہ ہے کہ سیرت سازی کی کوشش کریں، اس کے بغیر کام نہیں چلتا، ہماری دینی دعوتوں

میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ سیرت کی تعمیر نہیں ہوتی، اور نوجوان اگلے مرحلہ پر جا کر پست ہو جاتے ہیں، سیرت کی تعمیر کتاب وسنت، اسوہ رسول ﷺ کے ماتحت ہو تو پھر پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی۔

دوسری بات تو یہ ہے کہ اپنی فکر کیجئے، اس زمانہ کا ایک عیب یہ بھی ہے کہ دوسروں کی فکر زیادہ اپنی فکر کم ہوتی ہے، ہمارے اجتماعی فلسفہ اور سیاست نے یہ ذہن پیدا کیا ہے کہ آدمی کی نظر دوسروں کے عیوب پر پڑتی ہے، اس کا محاسبہ زیادہ تر دوسروں سے ہوتا ہے، فلاں پارٹی یہ کر رہی ہے، فلاں طبقہ یہ کر رہا ہے، فلاں شخص اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہا ہے، اور اس کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ آدمی اپنا جائزہ لے اور دیکھے کہ تم میں کیا نقص ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ منفی حصہ مثبت حصہ سے بڑھنے نہ پائے، تناسب سے دونوں چیزیں ہوں، آپ کا مزاج یہ نہ بن جائے کہ ہر چیز کو آپ ہمیشہ ناقدانہ دیکھیں، ہر وہ طبقہ جہاں آپ دین پائیں ان کے پاس بیٹھنے سے آپ کو محسوس ہو کہ ایمان بڑھتا ہے، ان کے پاس بیٹھ کر نمازوں کی طرف توجہ ہوتی ہے، نماز پڑھنے کا طریقہ آتا ہے، اس کو بھی بہت غنیمت سمجھئے، بلکہ نعمت سمجھئے، اور یہ نہ سمجھئے کہ پورے دین کو انہوں نے سمجھا ہی نہیں، پورا دین تو یہ لیکر کھڑے ہی نہیں ہوئے، تو پھر ان کے پاس بیٹھنے سے کیا فائدہ ہے، نماز ہی بہت بڑی چیز ہے، آپ کو اگر نماز پڑھنی آجائے، روزہ رکھنا آجائے تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اس سے پوری زندگی ڈھلتی ہے۔ (دعوت فکر وعمل ص ۱۴۹)۔

ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو :

وہ زندگی اسلامی، ایمانی، روحانی اور قرآنی کہلاتی ہے پیغمبر اسلام کی زندگی کے نمونے اس میں متحرک ہوتے ہیں، اور عقیدہ کی پختگی محبت کی وارفتگی، چال ڈھال فکر وخیال سب

کو متاثر کرتی ہے، اور یہ ایک فطری اور طبعی بات ہے، اس حقیقت پر بڑے والہانہ اور مفکرانہ انداز میں حضرت والاؒ نے روشنی ڈالی ہے" آپ جس گروہ کے ساتھ زیادہ اٹھتے بیٹھتے ہیں، شعوری یا غیر شعوری طریقہ پر آپ کے فکری سانچہ کو آپ کے احساسات کو آپ کے طریق تعبیر اور مافی الضمیر کو متاثر کرتا ہے، یہ قدرتی بات ہے، ایک فن طب ہی کو لیجئے، میں نے دیکھا ہے، اسی طریقے سے ہونہار شاگرد نسخہ لکھتے ہیں اسی طریقے سے مرض کی تشخیص کرتے ہیں، وہی پرہیز اور اسی طرح کی احتیاطیں بتاتے ہیں، بلکہ بعض اوقات دیکھا ہے کہ وہ نقل بالکل مطابق اصل ہوتی ہے، اسی طریقہ سے جو لوگ کشتی کا فن سیکھتے ہیں وہ اپنے استادوں کے کرتب داؤں پیچ اکھاڑے میں اترنے اور دو دو ہاتھ کرنے کا انداز اپنا لیتے ہیں۔ اقبالؔ نے اپنی غزل اور شاعری کے متعلق کہا ہے مگر در حقیقت اس سے زیادہ وسیع ہے ع

ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

یہ دین جس کی نعمت سے اللہ نے ہم کو اور آپ سب کو سرفراز فرمایا ہے، نہ دانشوروں سے اخذ کیا گیا ہے، نہ حکماء وفلاسفہ سے، نہ سیاستدانوں سے نہ اہل حکومت وبانیاں سلطنت سے، نہ فاتحین سے نہ خالص ذہین لوگوں سے، یہ ماخوذ ہے انبیاء علیہم السلام سے اس لئے اس دین کے اخذ کرنے والوں میں، اس دین پر چلنے والوں میں، اس دین کی دعوت دینے والوں اور دین کی فکر پیش کرنے والوں میں انبیاء علیہم السلام کا مزاج جاری وساری ہونا چاہئے، یہی اس دانش گاہ کے طالب علموں کی سب سے بڑی ترقی، سعادت اور تعبیر غلط نہ ہو تو معراج ہے کہ وہ نبوی مزاج سے زیادہ سے زیادہ اخذ کریں اور اس میں کامیاب ہوں۔

ہم داعی ومبلغ ہوں یا ترجمان وشارح ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنا چاہئے کہ یہ دین اور دعوت ہم نے انبیاء علیہم السلام سے ہی اخذ کیا ہے، اگر انبیاء علیہم السلام یہ دعوت

لے کر نہ آتے تو ہم کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی، قرآن شریف میں آتا ہے جب جنت والوں کو آخرت میں انعام ملے گا، اور وہ جنت میں پہنچیں گے تو کہیں گے :

"اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَااللّٰهُ"(الاعراف ٤٣)

''شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں یہاں تک پہنچایا، اور ہم یہاں تک پہنچنے والے نہ تھے اگر اللہ ہمیں یہاں تک نہ پہنچاتا۔''

ہدایت کے معنی پہنچانے کے ہیں اس کے بعد انہوں نے ایک بڑی حقیقت بیان کی جس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، ہم جو یہاں تک پہنچے عقل ودانش کی راہ سے نہیں پہنچے، تجربہ کی راہ سے نہیں پہنچے، اشراقیت نفس کشی اور ریاضت ومجاہدہ کی راہ سے نہیں پہنچے، پہلے تو انہوں نے اجمالاً کہا ہے "وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ" ہماری رسائی یہاں تک نہ تھی اگر خدا ہمیں یہاں تک نہ پہنچادیتا' لیکن خدا کے پہنچانے کے لئے طریقے ہوتے ہیں، اس کا بھی ایک ذریعہ ہوتا ہے تو اس کا ذریعہ کیا ہوا؟ "لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ" ہمارے رب کے قاصد حق لے کر آئے۔

جان سخن یہ ہے کہ خدا کے ایلچی اور سفیر حق لے کر نہ آتے تو ہم یوں ہی بھٹکتے رہتے اور آج جنت کے بجائے ہمارا کوئی دوسرا مقام ہوتا، تو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ جس چیز نے ہم کو اس قابل بنایا وہ چیز دانشوروں، فلسفیوں، سیاستدانوں، اور تجربہ کاروں سے اخذ کی ہوئی نہیں ہے، پیغمبروں سے اخذ کی ہوئی ہے، اور اس کا کوئی ذریعہ نبوت ورسالت اور اس کے حاملین انبیاء کرام کے علاوہ نہیں ہوسکتا، ہم نے اس کو قبول کرلیا تو اس قابل ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ان نعمتوں، سعادتوں، اور صداقتوں سے فیضیاب اور بہرہ اندوز ہوں اور دوسروں تک بھی ان کو پہنچائیں۔ (تحفہ کشمیر ص ۳۸۔۳۹)

آخری بات:

انبیاء کرام کی دعوت کا بنیادی نقطہ وہ آخری بات (عقیدہ آخرت) ہے جو لوگ انبیاء کرام کے اقوال واحوال کے مطالعہ میں زندگی گذارتے ہیں، اوران کے کلام کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، وہ صاف محسوس کرتے ہیں کہ جیسے آخرت ہمیشہ ان کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے، اوراس کی تصویران کی آنکھوں کے سامنے کھڑی رہتی ہے، وہ ہمہ وقت جنت کے شدید اشتیاق اور جہنم سے شدید خوف کے عالم میں رہتے ہیں، یہ بات ان کے لئے بالکل مشاہدہ اورایک واقعہ کی حیثیت رکھتی ہے، جوان کے شعوروا حساس اعصاب اورقوت فکر پرغالب آجاتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی پوری زندگی سراپا سوز واضطراب کا آئینہ دار ہوجاتی ہے، اس حقیقت کے بیان کرنے میں کچھ آپ بیتی کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے جس نے حضرت والاؒ کے فکر وخیال کو مہمیز کر کے سراپا سوز اور سراپا اضطراب بنادیا تھا، ارشاد فرماتے ہیں'' آخرت پرایمان اوروہاں ملنے والی ابدی سعادت اورلازوال شقاوت اوران تمام انعامات (جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے مہیا کررکھا ہے) اورتمام عذابوں (جونافرمان کافروں کے لئے تیار کیے گئے ہیں) کا ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے ہونا یہی انبیاء کرام کی دعوت اوران کی پند ونصیحت کا اصل محرک تھے۔ یہی ان کو پریشان کرتا رہتا تھا، ان کی آنکھوں سے نیند اڑادیتا تھا، ان کی پرسکون وپاکیزہ زندگی کو مکدر کردیتا تھا، اوران کو کسی حالت میں سکون اورکسی پہلو قرار نہیں ملتا، نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے شروفساد، حالات کی ابتری، اور ماحول میں خرابیوں کے پروان چڑھنے کی صورت میں بھی (جس میں وہ سخت اذیت محسوس کرتے ہیں) ان کے دل ودماغ پر سب سے زیادہ اثرانداز اوران کے لئے سب سے زیادہ طاقتور محرک یہی فکر آخرت ہے اوروہ اس کو اپنی دعوت وتبلیغ کا اصل سبب قرار دیتے ہیں۔'' (منصب نبوت ص ۸۲)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی پوری دعوت، جدوجہد، تگ ودو، اور تقریروں کا آہنگ اور تحریروں کا انگ انگ اسی غمزۂ غماز کا عکس جمیل ہے جس سے انبیاء کرام خصوصا سید الاولین والآخرین ﷺ کی حیات طیبہ عبارت تھی، اس لئے آپ کے وصال کے بعد ایک عزیز نے خواب میں دیکھا کہ وہ آپ کے پاس ہیں اور آپ کے اچانک وصال کے تعلق سے استفسار کرتے ہوئے یہ سوال کیا کہ حضرت آپ کی روح اس آسانی سے پرواز کر گئی کہ کسی کو پتہ بھی نہیں چلا، تو آپ نے فرمایا میں نے اپنے اوپر حضور ﷺ کی سنت امت کے غم کو طاری کر لیا تھا، جس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسانی فرمادی۔ 'جَزَاهُ اللّٰهِ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ جَمِيْعًا'

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

●●●

کہکشاں کی انجمن میں ہو جیسے ماہِ تمام

حضرت مولاناؒ کے عہد نظامت کے اہم تعلیمی اجلاس کی روح پرور یادیں

دارالعلوم ندوۃ العلماء وہ تاریخ ساز ادارہ ہے جس نے علمی، فکری، دینی، روحانی اور ادبی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، اس ادارہ کے بانیوں کا اخلاص ہر دور میں برگ وبار لاتا رہا اور "تُؤْتِیْ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّھَا" کا منظر پیش کرتا رہا، اس کی راہ میں طوفان آئے، تو اس نے اس کی پرواہ نہیں کی بلکہ اس کے رخ کو موڑ دیا، زندگی کی شاہراہ میں جہاں دراڑیں آئیں اور باہمی چپقلشوں کے نتیجے میں خلیجیں پیدا ہوئیں تو انہیں پاٹنے کا فریضہ انجام دیا، اس کی بنیاد اس پر رکھی گئی تھی کہ امت مسلمہ کی صفوں سے باہمی رنجشوں کو دور کر کے قوت واستحکام پیدا کیا جائے، اور اس کے تعلیمی نظام میں جو نقص ہے اس کو دور کیا جائے، اور معاشرہ کی اصلاح کی ہر ممکن سعی کی جائے، اس کے لئے اس ادارے کے بیدار مغز بانیوں نے ملک کے طول وعرض میں اس کے پیغام کو پہنچانے کے لئے بڑے بڑے اجلاس منعقد کیے، اس کا آخری اجلاس نومبر ۱۹۲۷ء کو امرتسر میں منعقد ہوا۔ اس کے بعد پھر تقریباً نصف صدی تک مختلف اسباب کی بناء پر اس کا کوئی اجلاس نہیں ہوسکا تھا، حضرت مولاناؒ نے مجلس مشاورت کے وفد کے ساتھ ۱۹۶۶ء میں ریاست میسور کا سفر کیا، جہاں بلگام میں بھی ایک دن آپ کا قیام رہا، حیات عبدالحیؒ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "اگر چہ اس اجلاس کو منعقد ہوئے نصف صدی ہو چکی تھی اور اس زمانہ کے اکثر لوگ دنیا سے رخصت

ہو چکے تھے، چند معمر بزرگ ہی باقی تھے جو اس اجلاس میں شریک تھے، لیکن ابھی تک دلوں میں اس کی یاد تازہ تھی، اور لوگ مزہ لے لے کر اس کا تذکرہ کرتے تھے۔''
(حیات عبدالحیؒ ص ۱۹۴)۔

غالباً ۱۹۶۲ء یا ۱۹۶۳ء میں حضرت مولاناؒ نے بحیثیت ناظم ندوۃ العلماء کے اولاً اس کی تحریک کی، اس وقت اس سلسلے کے بعض اہم کام بھی انجام دیے گئے، یہ بات بھی کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ ''تعمیر حیات'' کے اجراء میں (جس کا پہلا شمارہ نومبر ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا) یہ خواہش اور جذبہ بھی کارفرما تھا کہ اس سے اجلاس کی عمومی فضا اور ذہن تیار کرنے میں مدد ملے گی، لیکن بات اس سے آگے نہ بڑھی اور ایک طویل عرصہ اس حال میں گذر گیا، آخر ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی نے اپنے جلسہ منعقدہ ۲۲/مارچ ۱۹۷۴ء (جو خاتون منزل گولہ گنج میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی صدارت میں ہوا) میں اس تحریک کو ایک مختصر تجویز کی شکل میں باضابطہ طور پر منظور کیا، اس موقع پر ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مجلس انتظامی کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ''ندوۃ العلماء کا اجلاس عام مدتوں سے منعقد نہیں ہوا، کچھ عرصہ پیشتر اس کا ذکر آیا مگر توجہ نہ دی جا سکی، حالانکہ جلسہ عام کا انعقاد ایک بڑی ضرورت ہے، اور عدم انعقاد ایک بہت بڑی کمی، اب انشاء اللہ اس کمی کو ضرور پورا کیا جائے گا اور اس میں تمام عالم اسلام کے ممتاز علماء اور دینی شخصیتوں کو بھی مدعو کیا جائے گا۔''
(کاروائی اجلاس ۱۸/اگست ۱۹۷۴ء)۔

اجلاس کے قریبی اور فوری محرکات میں سب سے بڑا حصہ (جس سے اس کا اولین تقاضا پیدا ہوا اور شدت اختیار کر گیا) حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے ممالک عربیہ اسلامیہ کے مسلسل دوروں اور وہاں کے جامعات علمی مجالس اور عمومی اجتماعات میں ان کی تقریروں اور خطبات کا ہے، جن کا آغاز ۱۹۵۰ء میں سفر حجاز، مصر و شام اور سوڈان سے ہو گیا تھا،

مصر میں جو اس وقت علم وادب کے لحاظ سے اپنے پورے شباب اور عروج پر تھا، حضرتؒ کا قیام کئی ماہ مسلسل رہا، اور ندوۃ العلماء کے نام اور کام سے ایک بہت بڑا حلقہ اچھی طرح واقف ہوگیا، جس میں ہر طرح کے ممتاز اور نامور افراد، تعلیم یافتہ ذہین اور بے چین نوجوان لائق اساتذہ اور صف اول کے اہل فکر واہل قلم بلکہ دیہات کے سادہ لوح اور مخلص مسلمان بھی شامل تھے۔

اس کے بعد حضرت والاؒ کے سفر برابر جاری رہے، اور نہ صرف ممالک عربیہ بلکہ یورپ کے متعدد ملکوں تک اس کا سلسلہ دراز ہوگیا، اس کے علاوہ حضرت مولاناؒ کی عربی تصنیفات کی عالم عربی میں بڑے پیمانے پر اشاعت ومقبولیت کی وجہ سے ندوہ کو قدرتی طور پر عام مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس کے فکر ونظر کی بلندی، تخیل ونصب العین کی جامعیت اور دماغ ودل کے توازن نے علمی ودینی حلقوں کو خاص طور پر اور وسیع پیمانے پر متاثر کیا، اور کہا جاسکتا ہے کہ شاید آج عالم اسلام میں ندوہ سے جتنے لوگ واقف ہیں اتنے خود اس ملک میں نہ ہوں گے۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر محسوس کیا گیا کہ اب جو اجلاس ہو وہ کل ہند نہیں، بین الاقوامی سطح پر منعقد ہو، خاص طور پر ممالک عربیہ کے علمی وتعلیمی حلقوں کو اس میں خاص طور پر اور بڑے پیمانے پر شرکت کی دعوت دی جائے تاکہ وہ اس ندوہ کو جس کے وہ نادیدہ مشتاق ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ (روداد چمن)

دعوت کا آغاز :

اس سلسلہ کی پہلی دعوت رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکریٹری شیخ صالح قزاز کو پیش کی گئی، حضرت والاؒ بنفس نفیس اپنے معتمد ترین مخلص ومحبوب شاگرد حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ اور اپنے بھتیجے جناب محمد الحسنیؒ کے ہمراہ شیخ کے دفتر واقع

حرم مکی میں حاضر ہوئے اور دعوت پیش کی، شیخ نے بڑی خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ دعوت کو قبول کیا اور کامیابی کی دعا فرمائی، شیخ نے اجلاس کے موقع پر اپنے مرسلہ پیغام میں یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ ''شیخ ابوالحسن علی ندویؒ عالم عربی کے لئے ہندوستان کا ایک تحفہ ہیں۔''

اس طرح اس پچاسی سالہ جشن کی دعوت کا آغاز اس سرزمین سے ہوا جہاں سب سے پہلی وحی نازل ہوئی تھی، اور اس میں جہل وضلالت میں ڈوبی ہوئی دنیا کو علم وآگہی کی بشارت دیتے ہوئے تعلیم کی طرف متوجہ کیا گیا تھا، اور اس اجلاس کا مقصد ہی تعلیم کی قندیلیں فروزاں کرنا اور موجودہ نظام تعلیم میں مثبت پہلوؤں کو فروغ دینا تھا، اجلاس کی صدارت کے لئے جامعۃ الازہر مصر کے الامام الاکبر شیخ عبدالحلیم محمود پر حضرت والاؒ کی نگاہ پڑی جو اس منصب کے لئے ہر طرح اہل تھے اور کرسی صدارت ان کی تشریف فرمائی پر نازاں تھی، بلاشبہ ایک موزوں انتخاب تھا، حضرت مولاناؒ ۱۹۷۳ء میں رابطہ عالم اسلامی کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے، اس اجلاس میں شرکت کے لئے شیخ الازہر بھی تشریف لائے تھے، حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے شیخ کی قیام گاہ فندق شہرا میں حضرت والاؒ سے ملاقات کا نظم فرمایا، حضرت تشریف لے گئے، اور وہیں دعوت پیش کی گئی، اور شیخ نے شرف قبولیت سے نوازا، اور شریک اجلاس ہوئے، اس طرح اس اجلاس کی کامیابیوں میں وادی بطحاء کی عطر بیز ہواؤں کے جھونکوں نے کلیدی رول ادا کیا، حضرت مولانا شیخ محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے جب سے اجلاس کی خبر سنی تھی اس کی کامیابی کے لئے ہمہ تن متوجہ تھے، گھر کی خواتین اور اہل تعلق سے بھی دعا کا اہتمام کراتے رہے، حضرت شیخ کے قریبی لوگوں کا بیان ہے کہ اجلاس کے انعقاد کے زمانہ میں کبھی کبھی پوری رات حضرت شیخ خواب میں اجلاس کے انتظامات میں مصروف اور شرکاء اجلاس کی رہنمائی کرتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

اجلاس کی تاریخیں ۳۱؍اکتوبر اور یکم و۲؍نومبر طے کی گئی تھیں۔حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ مکہ مکرمہ سے بطور خاص اس کے انتظام وانصرام کے لئے لکھنؤ تشریف لائے ،اور حضرت والا کے وطن تکیہ رائے بریلی میں اس سلسلہ کی پہلی میٹنگ ہوئی، راقم سطور اس زمانہ میں درجہ علیا اولیٰ فضیلت اول کا طالب علم تھا، اساتذہ طلباء دارالعلوم کی تزئین وتحسین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے، اکابر اساتذہ بھی طلباء کے ساتھ دارالعلوم اور فیلڈ کی صفائی اور تزئین میں دوش بدوش تھے، عجیب روحانی سماں تھا، ایسا محسوس ہورہا تھا کہ عید آنے والی ہے، ایسی عید جس کے لئے نگاہیں بے تاب اور قلب وذہن میں ایک اضطراب برپا تھا، شوال کا مہینہ مدارس میں تعلیمی آغاز کا مہینہ ہوتا ہے، نووارد مہمانوں کا استقبال کوئی نئی بات نہیں، لیکن اس سال تو اجلاس کی برکت سے پورے عالم اسلام کی برگزیدہ ہستیوں کی کہکشاں جیسے اتر آئی ہو، لکھنؤ کی سرزمین اپنی تقدیر پر نازاں تھی، اموسی ہوائی اڈے سے دارالعلوم ندوۃ العلماء تک بے شمار گیٹ بنائے گئے تھے، جو تاریخ ساز علمی دینی اور روحانی شخصیتوں کی طرف منسوب تھے، سب سے آخری گیٹ پنڈال کے قریب اسٹیج کے داہنی طرف تھا، وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نام سے منسوب کیا گیا تھا، عوام کے ساتھ حکومت بھی متحرک تھی، اس دور کے وزیر اعلیٰ جناب ہیم وتی نند بہوگنا بذات خود ندوہ کے روبرو گذرنے والی سڑک کی تجدید اور گومتی ندی پر بنے ہوئے باندھ کی تزئین میں سرگرم تھے، دن میں کئی دفعہ آتے رہے، اور حضرت والا کی خدمت میں حاضری دے کر رضا کارانہ خدمات کی اجازت چاہتے رہے، حضرت نے ندوہ کے اندر کسی قسم کی خدمت یا تعاون سے معذرت کرلی تھی، انہوں نے اس موقع پر ایک خطیر رقم کی بھی پیشکش کی تھی لیکن شکریہ کے ساتھ اسے بھی واپس کردیا گیا تھا۔

۳۱؍اکتوبر کو ٹھیک ساڑھے نو بجے افتتاحی اجلاس شروع ہوا، شروع سے آخر تک اس جشن کے اسٹیج سیکریٹری کے فرائض حضرت مولانا محمد رابع ندوی دامت برکاتہم نے انجام دیے، وسیع وعریض خوبصورت ڈائس پر عرب مہمانوں کی قطاریں بڑا دلکش منظر پیش کررہی تھیں، قاری ودود الحیٔ صاحب ندویؒ کی تلاوت کلام پاک سے اجلاس کی باقاعدہ کاروائی شروع ہوئی، اس کے بعد ندوہ کے طلباء نے ندوہ کا ترانہ پیش کیا، جس کا ہر بند ندوۃ العلماء کے بلند عزائم ومقاصد اور اعلیٰ نصب العین کا آئینہ دار ہے۔

ہم نازش ملک وملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن
ہم تابش دیں ہم نور یقیں، ہم حسن عمل، ہم خلق حسن

۳؍نومبر تک اس اجلاس کے سارے پروگرام بحسن وخوبی انجام پذیر ہوتے رہے، ندوۃ العلماء کا یہ تعلیمی اجلاس ایک ایسا بین الاقوامی اجلاس تھا، جسے ہم ملت اسلامیہ ہندیہ کی تاریخ کا ایک موڑ قرار دیں تو مبالغہ نہ ہوگا، آزادی کے بعد اس سرزمین میں مسلمانوں کو بڑی صبر آزما آزمائشوں سے گذرنا پڑا، ہر شعبہ زندگی میں تعصب اور تنگ نظری اور مسلسل فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجے میں مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات جم گئی تھی کہ اس ملک میں سکون وقرار ان کے مقدر سے اٹھ گیا ہے، اس ماحول اور ذہن کے خلاف جدوجہد میں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ پیش پیش تھے، انہوں نے ایک طرف تو تعصب وتنگ نظری اور ظلم وغارتگری کے خلاف بڑی بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ قلم وزبان دونوں سے جہاد کیا، اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں خودداری، خودشناسی اور خوداعتمادی کا جذبہ پیدا کیا۔

یہ اجلاس حقیقت میں ہندی مسلمانوں کی زندگی اور قوت کا ایک ایسا ناقابل فراموش مظاہرہ تھا، جس کے بڑے دوربیں اثرات ملک وملت کی زندگی سے وابستہ تھے، بقول حضرت مولاناؒ کے ''اس ملک کے مسلمان پوری خودداری، خودشناسی، اپنے دینی

شعائر، اپنی دینی وملی تہذیب وشخصیت کے ساتھ اس ملک میں رہنے کا عزم صمیم کر چکے ہیں، یہ ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنیت کا بھی امتحان ہے اور وفا کا بھی، اور ان کے مضبوط اور غیر متزلزل عقیدہ کی بھی آزمائش ہے، اور سچی حب الوطنی کی، ان کی طاقتور اور دلآویز شخصیت اور اعلیٰ کردار کی بھی اور مثبت طرز فکر اور جذبہ عمل کی بھی'' اس اجلاس سے ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود، ان کی افادیت اور فکر وعمل کے بارے میں جو بہت سے غلط فہمیاں تھیں وہ دور ہوئیں، مایوسی اور احساس کمتری کی گرد صاف ہوئی اور خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوا۔

اس اجلاس میں ساری دنیا خصوصا اسلامی ملکوں کے جتنے ممتاز علماء اور دانشور شریک ہوئے، اس سے قبل کبھی کسی اجتماع یا اجلاس میں شریک نہیں ہوئے تھے، اجلاس میں ملک کے گوشے گوشے سے علماء اور دانشوروں کی کثیر تعداد میں شرکت، نظم وضبط اور جوش واشتیاق دیکھ کر بیرونی مہمانوں پر ایک مسرت انگیز حیرت طاری تھی، جس کا اظہار ان کے چہروں سے ہو رہا تھا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اس اجلاس کے عظیم اور دوررس اکتسابات کو یوں بیان فرمایا ''عرب ملکوں میں یہ تاثر عام تھا کہ تقسیم کے بعد مسلمان اپنے متاع ایمان کے ساتھ پاکستان چلے گئے، اور ہندوستان میں بس وہی رہ گئے ہیں جن کو ایمان سے زیادہ اپنے گھر بار عزیز ہیں، اس لئے ہماری بڑی آرزو تھی کہ یہ حضرات ہندوستان آئیں اور دیکھیں کہ مشکلات اور آزمائشوں کے باوجود اسلام اور ایمان کی متاع کو کس طرح سینوں سے لگائے ہوئے ہیں''۔

مفکر اسلام حضرت مولاناؒ کی شخصیت سے عرب مہمان خوب اچھی طرح واقف تھے، لیکن ان کے لئے یہ انکشاف اور مسرت بخش تجربہ تھا، کہ ان کے چھ سات کروڑ دینی

بھائی پچاس کروڑ غیر مسلم برادران وطن کے درمیان اسلام وایمان کا پرچم سربلند رکھے ہوئے ہیں، اس موقع پر حضرت مولاناؒ نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں ان مہمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ہندوستانی مسلمان خدا کے فضل سے بڑی حد تک اسلام کے معاملہ میں خودکفیل ہیں، وہ اسلام کے اولین اور حقیقی سرچشموں کتاب وسنت اور اسلام کے اولین علم برداروں کی سیرت وکردار، ان کی قربانی وایثار، ان کی اولوالعزمی اور حوصلہ مندی کی جلائی ہوئی شمع سے روشنی حاصل کرتے ہیں، انہوں نے اپنا عقیدہ وایمان اپنی جان ومال اسلام کے چمکتے ہوئے سورج کے ساتھ وابستہ کیا ہے، مسلم اقوام یا عرب ممالک کے ڈوبتے ابھرتے ستاروں اور ٹمٹماتے ہوئے چراغوں سے نہیں، وہ آنکھ بند کرکے ان میں سے کسی کی انگلی پکڑ کر چلنے والے نہیں، انہوں نے اللہ کے بھروسے پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کو اسلام اور اسلامی تعلیمات کو سینے سے لگائے رکھنا ہے، خواہ دنیا کی کوئی قوم عرب ہو یا عجم اس سے بے تعلقی اور روگردانی اختیار کرے''۔

حضرت والا نور اللہ مرقدہ کے ان الفاظ میں ہندوستانی مسلمانوں کا اسلام کے تئیں جو وفاداری، سچی محبت، اخلاص اور اسلام کے فروغ کے لئے عظیم قربانی کا حوصلہ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اسلام کو اس کے اولین سرچشمے سے اخذ کرتے ہیں اور یہ کہ ان کی غیرت کسی اور کی طرف دیکھنے کی روادار نہیں، صاف عیاں ہے، حضرتؒ نے جس خود اعتمادی کے ساتھ مسلمانوں کی ترجمانی فرمائی، عرب مہمان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

اس اجلاس میں بہت سے مفید اور پرمغز مقالات پیش کیے گئے، عربی مقالات اور تقریروں کی ترجمانی ندوہ کے اساتذہ اور فضلاء بڑی برجستگی اور روانی سے کرتے، اور اردو میں کی ہوئی تقریروں کے خلاصے بھی عربی میں پیش کیے جاتے رہے، پنڈال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، عربی زبان میں گھنٹوں پروگرام میں عوام کی شرکت اس ذوق وشوق سے ہوتی رہی جیسے

وہ ان مقالات وتقریروں کی روح سے آشنا ہی نہیں بلکہ اس کے مفہوم ومعنی کے ذواق ہیں، سامعین کی بڑی تعداد عربی زبان سے ناواقف تھی، لیکن پروگرام کے دوران ایسا سکون، ایسی سنجیدگی اور سکینت کا مشاہدہ ہوتا رہا کہ دل ونگاہ نے ایسا منظر دیکھا نہیں تھا۔

اجلاس کا مقصد :

یہ اجلاس حضرت والاؒ نے اس لئے نہیں منعقد کرایا تھا کہ ندوہ کو مالی وسائل فراہم ہوجائیں اور اس کی تشنہ عمارتوں کی تکمیل ہوجائے، لیکن جب ندوہ کے کاز اور کام اور اس کی افادیت ونافعیت نیز صلاحیت وصالحیت کو دیکھ کر بعض عرب مندوبین کی طرف سے اس موقع پر مالی تعاون کی پیش کش کی گئی تو بعض حلقوں کی طرف سے بدگمانیوں کے اشارے محسوس کئے گئے، حضرت نوراللہ مرقدہ نے اس موقع پر برمحل، برجستہ، پرمغز اور ولولہ انگیز تقریر فرمائی ''اس جشن تعلیمی کا مقصد محض دعوت ہے، اور ہندوستان میں جو تعلیمی اصلاحی اور تجدیدی کوششیں ہوئی ہیں، ان کی ایک تصویر ممالک اسلامیہ کے اہل علم ودانش کے سامنے رکھ کر ان کے تجربات وخیالات سے فائدہ اٹھانا ہے، اور بس، اس جشن کے انعقاد کے فیصلہ سے آج تک کبھی حاشا وکلا اس کے ذریعہ حصول زر کا خیال بھی حاشیہ دماغ میں نہیں آیا، بعض عرب ممالک کے نمائندوں نے جن امدادی رقوم کا اعلان کیا ہے وہ ہماری منشاء کے خلاف ہے، حضرت والاؒ نے بڑے مؤثر وجذباتی انداز میں مزید فرمایا ''یہ سونے کی چڑیاں تو اڑ جائیں گی لیکن ہمارے مدارس اس ہندوستان کے مسلمانوں کے تھوڑے تھوڑے عطیات سے چلتے رہیں گے، ہم ان دولتمند ممالک کے سامنے کاسہ گدائی لے کر نہیں جاتے، اگر ایسا ہوتا تو آج ہماری دعوت پر ممالک عربیہ اسلامیہ کے اتنے جلیل المرتبت اشخاص یوں کھنچے چلے نہ آتے'' ہندوستانی مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، آپ جو چار آٹھ

آنے دیں گے، وہی ہمارے لئے اصل نعمت ہیں، کیونکہ یہ ہمارے مہمان جو کچھ دیں گے وہ اللہ کی ان دی ہوئی بے شمار دولت کا ایک چھوٹا سا حصہ ہوگا اور آپ کا عطیہ آپ کی گاڑھی کمائی کا پیسہ ہے، یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہنی چاہئے کہ ہم پیسوں کی خاطر اصول کا سودا کبھی نہیں کر سکتے، اب ہماری قسمت اسی ملک کے ساتھ وابستہ ہے، اس لئے ہم اس ملک کی فلاح و بہبود کی خاطر اس کو ایک پیغام دینا چاہتے ہیں اور اس مہرجان تعلیمی جشن تعلیمی کا یہی اصل مقصد ہے'' حضرت مولانا کی تقریر کے ایک ایک لفظ سے خلوص وصداقت، غیرت وحمیت، خودداری وخوداعتمادی کا چشمہ ابل رہا تھا، اس سے حاضرین بے حد متاثر ہوئے۔

اس اجلاس نے خوش سلیقگی، سنجیدگی، صفائی، ستھرائی، اور مہر ومحبت اور اپنائیت کے ایسے تابندہ نقوش قائم کیے جس سے شرکاء اجلاس کافی متاثر ہوئے، عباسیہ ہال میں جہاں ہندوستان کی پوری علمی ادبی تاریخ کا خاکہ ندوہ کی پچاسی سالہ علمی، فکری، دینی، اور ادبی تاریخ کو ڈسپلے بورڈوں کے ذریعہ اس طرح پیش کیا گیا تھا کہ اس کی پوری روح کشید کر رکھ دی گئی تھی، پھر اس کے ساتھ ہندوستان کے ممتاز علماء، ادبا، نقاد، مؤرخین، مفسرین، محدثین، اصحاب فکر، اور اہل دل کی کہکشاں مستزاد رنگ ونور کا سماں پیش کر رہی تھی، قیام وطعام کا نظم وضو اور نماز کا انتظام اس طرح کیا گیا تھا جیسے انگوٹھی میں نگینہ کو فٹ کر دیا جاتا ہے، عرب مندوبین کے قیام کے لئے شہر کے ممتاز ہوٹلوں میں نظم کیا گیا تھا، جب کہ ایک بڑی تعداد خانہ خدا اور احاطہ مسجد میں فروکش تھی، اور اہل دل مشائخ بھی، ایک طرف حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ تو دوسری طرف داعی کبیر حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاویؒ دعوت وارشاد میں منہمک دین کی ساقی گری میں مصروف تھے، رب کے حضور میں اجلاس کی کامیابی کے لئے تضرع والحاح کے ساتھ دعاؤں میں مصروف وہ مخلصین بھی تھے جو اعتکاف کی نیت سے اپنے مالک کے دربار میں حاضر تھے، اور ہمہ وقت اس اجلاس کی کامیابی

اور مقصد میں نیک نامی کی بھیک مانگ رہے تھے، ان مخلصین کے لئے پنج وقتہ نمازوں کے سوا فجر کی نماز کے بعد حضرتؒ نے خصوصی وقت فارغ کیا تھا، فجر کے بعد حضرت والاؒ کا بیان ہوتا تو سارا مجمع سمٹ کر پروانوں کی طرح مسجد میں آجاتا، اس موقعہ پر حضرت والاؒ نے بڑی مؤثر تقریریں فرمائیں، جس میں معاشرہ کی بگڑتی ہوئی حالت، بے حیائی، دین سے دوری، نوجوانوں کی بے راہ روی، اخلاص ومروت کی کمی، بداخلاقی کی گرم بازاری، اور معاملات میں بگاڑ، تعلقات کی خرابی، دیدہ ودل کی بربادی کا بڑے موثر انداز میں تذکرہ ہوتا، صبح کی یہ تقریریں جشن کا ایک بہت اہم حصہ قرار دی جاسکتی ہیں، ان تقریروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ امانتیں اور سوغاتیں اس منتخب وچیدہ مجمع کو دیکھ کر جو طلب صادق کے جذبہ سے آیا ہے، مولاناؒ پورے اخلاص ودلسوزی کے ساتھ ایک ایک کر کے یہاں پیش کر رہے ہیں۔

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

ملت کے نام پیغام :

حضرت نے فرمایا ''میں اس وقت جو کہنا چاہتا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دین جو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو عنایت کیا ہے اور جس کی وجہ سے ہم حقیقت میں انسان کہلانے اور دین و دنیا کی ساری نعمتوں کے مستحق ہیں، یہ دین نہ قیاسات پر مبنی ہے نہ خواہشات پر، لیکن اس سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ دین ودنیا کا فرق کیا ہے؟ دنیا وہ ہے جو آدمی اپنے قیاس، ظن وتخمین، اپنی عقل وتجربہ، اپنی ذہانت، یا اپنے اندر کے تقاضے سے برتتا ہے اور دین وہ ہے جو اوپر سے ملتا ہے، دین ودنیا کو جو چیز علاحدہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا سراسر قیاس اور خواہش پر مبنی ہے اور دین سراسر وحی الٰہی اور حکم الٰہی پر مبنی ہے، دنیا میں نفس کی

تسکین ،اوردین میں رضائے الٰہی اورحکم الٰہی پر اس کی نظر ہوتی ہے ، اور طاعت کا جذبہ کام کرتا ہے، یہ ایک بہت موٹی سی بات ہے لیکن لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ دین و دنیا کا فرق کیا ہے،مزید فرمایا''بھائیو!اطاعت کی اور تعمیل حکم کی عادت ڈالنی چاہئے،اس سے کسی چھوٹی سی چھوٹی بات پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا جن کو بات ماننے کی عادت نہیں ان پر ہرگز بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، بات ماننے کی عادت ڈالئے ،مسلمانوں کا مزاج اگر ہندوستان میں یہ بن جائے تو انشاء اللہ ساری مشکلیں آسان ہوجائیں''اخیر میں بڑے جذباتی انداز میں آپ نے فرمایا''معلوم نہیں آپ کا ملنا پھر کبھی ہو نہ ہو،میرے بھائیو! میں اس بات کو پھر آپ کے سامنے دہراتا ہوں،آپ اپنے طرز زندگی کو بالکل یگانہ اور بالکل جداگانہ اور نمایاں کیجئے، کہ دور سے معلوم ہو کہ یہ مسلمان کا محلّہ ہے، یہ مسلمان کا گھر ہے، یہ مسلمان کی دکان ہے، یہ مسلمان کا مکان ہے، بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی ،اسطرح بن جایئے جیسے ایک چراغ گھٹاٹوپ اندھیرے میں جل رہا ہو، برسات کی اندھیری رات میں ایک جگنو بھی نظر آجاتا ہے تو آپ کیوں نہ نظر آئیں گے؟ پتھروں کے ڈھیر میں جس طرح ہیرے ہوتے ہیں اس طرح آپ ہیرے بن جایئے ،بس سارا مسئلہ آپ کا حل ہے،مسئلہ اس کے بغیر حل نہیں ہوسکتا کہ آپ کی زندگی پر کشش ہو،آپ کی زندگی میں ایک جادو ہو،موہنی ہو جو دیکھے آپ کا کلمہ پڑھنے لگے، یہاں سے آپ صرف یہ کہتے ہوئے نہ جائیں کہ خوب اجتماع ہوا،ایسے عربوں کو دیکھا،ایسے عالموں کو دیکھا،اور اتنے نمازی تھے،اور اتنی رونق تھی،اور اتنا بڑا مدرسہ دیکھا،آپ یہ چیزیں یہاں سے لے کر جایئے اور لوگوں تک پہنچایئے''(روداد چمن ص ۲۱۹)

ندوہ کا جشن تعلیمی جب اختتام کو پہنچا تو ہر طرف سے تہنیت وتبریک کی صدائیں بلند ہوئیں، اجتماعی زندگی میں ایک قوت محسوس کی گئی تو انفرادی زندگی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی،عربی زبان کی طرف ذوق وشوق پیدا ہوا، مدارس عربیہ میں اس نہج پر غور کیا جانے لگا،

اورعصری اداروں کے پروردہ بھی رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگے، بقول رشید کوثر فاروقی ''سب سے بڑا کارنامہ اس اجلاس کا میرے نزدیک یہ ہے کہ اس نے علماء کے وقار کو بحال کیا بلکہ یوں کہئے کہ مسلمانوں میں بصیرت پیدا کردی۔''

اس تاثر کی جگمگاہٹ میں نے تقریباً ہر چہرے پر دیکھی خصوصا سیکڑوں مغرب زدہ نوجوانوں کو اپنی تہی دامنی، کوتاہی اور بے سوادی پر متاسف پایا اورانہیں باہم گفتگو کرتے بھی سنا کہ علم دین نہیں تو علم دنیا سراب محض ہے، مدرسوں میں ترانوں کا رواج ہوا، اوراپنے اکتسابات پیش کرنے کی خواہش انگڑائی لینے لگی، لیکن جوندوہ کے پچاسی سالہ اجلاس کی روح تھی وہ پھر نظر نہ آئی۔

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاں
ابن جاست

●●●

محرم الحرام کی اہمیت اور فضیلت

محرم الحرام کا مہینہ جس سے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے جسے اسلامی تقویم میں (سنہ ہجری) کہا جاتا ہے، اس مہینہ کی آمد سے ہجرت نبوی کا وہ المناک واقعہ تازہ ہوجاتا ہے جب اہل کفر وشرک کی ستم رانیوں سے تنگ آکر حضور اکرم ﷺ نے اپنے پیارے وطن کو چھوڑنے کا فیصلہ فرمایا تھا، اور مدینہ منورہ کی طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت میں کوچ کیا تھا، درحقیقت اسلامی سال کا آغاز ہجرت کے عنوان سے مظلومی وبے کسی کی ایک یادگار ہے، جب ظلم واستبداد کی آہنی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت نے اسے توڑا تھا اور اس کی سرحد سے دور نکل گئی تھی، اور دنیا کو عدل وانصاف ، اخوت ومساوات، محبت ویگانگت، بہی خواہی اور خیر خواہی، خودشناسی وخداشناسی کا درس دیا ،خدا کی بارگاہ سے مظلوموں کو فتح ونصرت کا پیغام ملا، اور رفتہ رفتہ ظالموں کا ظلم ان کے ہی گلے کا پھندا بن گیا، عدل واستحکام کا دور شروع ہوا، اور خدا کے بندوں کو صدیوں بعد خدا سے صحیح تعلق جوڑنے کا موقع ملا۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے　　یہ پود سب انہیں کی لگائی ہوئی ہے

کتنے مسلمان ہیں جنھوں نے اس مبارک مہینے کی حقیقی عظمت کا اندازہ لگایا ہے اور اس یادگار سے سبق حاصل کیا ہے، جس نے عہد اول کے مسلمانوں پر کامیابی اور کامرانی کے دروازے کھول دیے تھے، یوں تو عہد نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کے سینکڑوں واقعات ہیں جن کی اپنی جگہ ایک خاص اہمیت ہے، لیکن ہجرت نبوی کا واقعہ ان سب میں ایک

منفرد حیثیت رکھتا ہے، لیکن افسوس کہ اس مہتم بالشان گوشہ پر ہم نے غور کرنا ہی چھوڑ دیا اور سوئے اتفاق کہ اسی مہینہ میں کربلا کا خونچکاں واقعہ بھی پیش آیا جس میں جگر گوشہ رسول ابن بتول حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء کی شہادت واقع ہوئی، جو مظلومی و بے کسی کا عنوان بن گئی، اور محرم الحرام کی حقیقی عظمت کربلا کے میدان میں گم ہو کر رہ گئی۔

آج محرم الحرام کا تصور اگر ہے تو صرف یہ کہ وہ شہادت حسین کا امین ہے، آپ کے خون سے کربلا کی زمین لالہ زار ہوئی ہے، اس طرح جگر گوشہ رسول کی مظلومانہ شہادت کے پردہ میں ہجرت کا تذکرہ کچھ اس طرح مخفی ہو گیا کہ کتنے مسلمان ہیں جن کو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ مہینہ ہجرت نبوی کی اہم یادگار ہے، اور جہاں سے ان کی عظمت کا ستارہ چمکا ہے، یہ نہیں جانتے کہ ہجرت کیا چیز ہے، آنحضرت ﷺ نے ہجرت کیوں فرمائی؟ اس کے نتائج کیا نکلے؟ اور مستقبل میں اس کے دوررس اثرات اسلامی معاشرہ کے استحکام پر کیا پڑے؟ اب ان کے سامنے صرف کربلا کا میدان ہے اور امت اسلامیہ کا غالب طبقہ اس میدان میں بہت سے اوہام وخرافات، بدعات ورسومات کی گٹھری سر پر اٹھائے حاضر ہے۔

محرم الحرام کا چاند نظر آیا اور غم کا سماں طاری ہو گیا، کہیں نوحہ خوانی ہے تو کہیں مرثیہ خوانی، علم ودلدل، تعزیئے، ڈھول تاشوں کا شور، بدعات وخرافات کا وہ زور کہ الامان الحفیظ۔

حالانکہ تعزیہ سازی کا ناجائز ہونا اور اس کا خلاف دین وایمان ہونا ظاہر وباہر ہے، قران مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے "اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ" (کیا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جن کو خود تراشتے ہو۔

ظاہر ہے کہ تعزیہ انسان اپنے ہاتھ سے بانس کو تراش کر (عام طور پر) بناتا ہے، اور پھر منت مانی جاتی ہے اور اس سے مرادیں مانی جاتی ہیں، اس کے سامنے اولاً دوصحت

کی دعائیں کی جاتی ہیں، سجدہ کیا جاتا ہے، اس کی زیارت کو زیارت حسین سمجھا جاتا ہے کیا یہ سب باتیں روح ایمان اور تعلیم اسلام کے خلاف نہیں ہیں۔

علامہ حیات (سندھی ۱۱۶۳ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ رافضیوں کی برائی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ امام حسینؓ کی قبر کی تصویر بناتے ہیں، اور اس کو مزین کر کے گلی کوچوں میں لے کر گشت کرتے ہیں اور یا حسین یا حسین پکارتے ہیں اور فضول خرچی کرتے ہیں یہ سب باتیں بدعت و ناجائز ہیں۔ (ص: ۱۸۰ رفتاوی احیاء العلوم مبارکپور)۔

حضرت سید احمد بریلویؒ فرماتے ہیں: رافضیوں کی جو بدعتیں ہندوستان میں بہت زیادہ مشہور و معروف ہیں انہیں میں سے ماہ محرم میں بزعم خویش محبت حسینؓ میں ماتم اور تعزیہ سازی ہے، یہ بدعت چند چیزوں پر مشتمل ہے مثلاً قبر اور مقبرہ کی نقل، علم، دُلدل وغیرہ۔ یہ چیزیں بالبداہت بت سازی اور بت پرستی کے قبیل سے ہیں (صراط مستقیم، ص: ۵۹)

اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے :

اس مسئلہ میں بریلوی دیوبندی کا اختلاف نہیں ہے، مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی تحریر کرتے ہیں 'اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے جو قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ (رسالہ تعزیہ داری ص، ۱۰)۔

مولانا امجد علی اعظمی رضوی تحریر کرتے ہیں کہ علم اور تعزیہ بنانے اور پیک بننے اور محرم میں بچوں کو فقیر بنانے اور بدھی پہنانے اور مرثیہ کی مجلس کرنے اور تعزیوں پر نیاز دلوانے وغیرہ خرافات جو روافض اور تعزیہ دار لوگ کرتے ہیں ان کی منت سخت جہالت ہے ایسی منت ماننی نہ چاہئے اور اگر مانی ہو تو پوری نہ کرے۔

(بہار شریعت، ج ۹، ص، ۳۵)۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں 'تعزیہ داری کے واقعات کربلا کے سلسلہ میں

طرح طرح کے ڈھانچے بناتے اوران کو حضرت سیدنا امام حسینؓ کے روضہ پاک کی تشبیہ کہتے ہیں اور علم وذُلدل نکالتے ہیں، ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجاتے ہیں تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے اور وہاں شربت مالیدہ وغیرہ پر فاتحہ دلواتے ہیں، یہ تصور کر کے کہ حضرت امام عالی مقام کے روضہ اور مواجہہ اقدس کا فاتحہ دلا رہے ہیں، پھر تیجہ، دسواں، چالیسواں، سب کچھ کیا جاتا ہے اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے، ایسی بری حرکت اسلام ہرگز جائز نہیں رکھتا'(بہار شریعت: ج۱۶،ص۲۴)

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں 'حضرت حسینؓ کے قتل کے سبب شیطان کو دو بدعتوں کے جاری کرنے کا موقع مل گیا، ایک تو یہ کہ لوگ عاشورہ کے روز غم ونوحہ کرتے ہیں، منھ اور سینہ پیٹتے ہیں، روتے اور چلاتے ہیں، پیاسے رہتے ہیں، مرثیہ پڑھتے ہیں، اور سلف صالحین کو سب وشتم کرتے ہیں، حالانکہ جس نے یہ بدعت جاری کی ہے اس کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ لوگوں میں فتنہ اور اختلاف پیدا ہو، ورنہ یہ طریقہ نہ واجب ہے نہ مستحب، بلکہ گزری ہوئی مصیبتوں کو یاد کر کے ان پر غم ونوحہ کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے۔

دوسری بدعت:

دوسری بدعت یہ ہے کہ کچھ لوگ اس روز خوشیاں مناتے ہیں، ثبوت میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ 'جو شخص عاشورہ کے روز اپنے اہل وعیال پر روزی وسیع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر سال بھر تک روزی وسیع کی جاتی ہے۔

امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث بالکل بے اصل ہے اور چار اماموں میں سے کسی کے نزدیک بھی اس روز نہ غم کرنا اچھا ہے اور نہ خوشی کرنا بلکہ اہل وعیال پر اس روز روزی وسیع کرنے، غیر معمولی کھانے پکانے کی روایتیں دراصل ان لوگوں نے گڑھ لی ہیں جو حضرت حسینؓ

کے مخالفین میں سے ہیں اوران سے تعصب رکھتے ہیں۔(منہاج السنہ:ج۲،ص۲۸۴)

روایت کا ضعف :

اس روایت کے راوی صرف ہیضم بن شداخ ہیں جو بالاتفاق ضعیف ہیں، علامہ ابن رجب نے اس کی سند کو صحیح نہیں بتایا ہے، اورعلامہ ابن جوزی نے اس کوموضوعات میں شمار کیا ہے، بعض حضرات نے اس حدیث کی تحسین بھی کی ہے۔

لہٰذا اگرکوئی شخص کسی خارجی جذبہ کے بغیر جومبنی برتعصب ہوایسا کرتا ہے تواس کوروکا نہیں جائے گا، لیکن اگرروافض کے مقابلہ میں اظہارخوشی کے لئے ایسا کرتا ہے تواس کوروکنا بہتر ہے۔

یوم عاشورہ :

محرم الحرام کی دسویں تاریخ کوعاشورہ کہا جاتا ہے، اس کی ایک خاص اہمیت ہے، اس دن کا روزہ اسلام میں پہلے فرض تھا، حضوراکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں بھی اس روزہ کا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ قریش ایام جاہلیت میں ہرسال عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے بھی ایام جاہلیت کوروزہ رکھا تھا اور جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو خودبھی آپ نے روزہ رکھا اور مسلمانوں کوبھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، لیکن جب رمضان کا روزہ فرض ہوگیا تواس عاشورہ کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی اوراب جوچاہتا روزہ رکھتا اورجونہیں چاہتا نہیں رکھتا۔(مؤطاامام مالک)

اس دن کے متعلق خاص حکم :

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری فرماتے ہیں کہ اس دن کے متعلق شریعت نے

خاص دو چیزیں بتلائی ہیں،(۱)روزہ رکھنا(۲)اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت کرنا،حدیث شریف میں ہے کہ جس نے یوم عاشوراء کو اپنے بال بچوں پر کھانے پینے میں وسعت کی تو خدائے تعالیٰ پورے سال روزی میں اضافہ کریں گے، مصیبت اور صدمہ کے وقت استرجاع کا حکم ہے اور مذکورہ تاریخ میں ایک دردانگیز والم انگیز واقعہ سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت کا پیش آیا اس کی یاد سے صدمہ ضرور ہوگا تو شریعت کے مذکورہ بالا حکم عام کے مطابق "اِنَّـااللّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھتا رہے،اس کے علاوہ اس دن اور کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ (فتاوی رحیمیہ ج ۲رص ۳۸۰)

یوم عاشوراء کی تاریخی حیثیت :

دسویں محرم کو اسلام سے پہلے اگلی امتوں میں بھی بہت عزت ووقار کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اس دن بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ظلم واستبداد سے نجات پائی اور فرعون مع اپنے لاؤ ولشکر کے بحر قلزم میں غرق کردیا گیا،اس خوشی میں یہود اس دن روزہ رکھا کرتے تھے،اللہ کے رسول ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کے اس عمل کے بارے میں دریافت کیا جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس وجہ سے روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہم زیادہ مستحق ہیں کہ اس روز روزہ رکھیں اور ساتھ ہی ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس میں ایک دن کا اور اضافہ کرلیں ،اسی لئے دو روزہ رکھنا چاہئے تاکہ یہود کی مشابہت نہ ہو۔

صوم عاشوراء کی فضیلت :

اس دن کے روزہ کی فضیلت صحیح حدیث سے ثابت ہے،حضرت امام بخاریؒ نے تقریباً دس حدیثیں اس دن کی فضیلت پر مشتمل نقل فرمائی ہیں، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے 'جو شخص یوم عاشورہ کو روزہ رکھے گا تو اس کے ایک سال کے گناہ معاف

ہو جائیں گے لہٰذا اہتمام کے ساتھ روزہ رکھنا چاہئے ،ایصال ثواب کے لئے تلاوت قرآن پاک اور دیگر امور خیر کا اہتمام کرنا چاہئے لیکن افسوس کہ بدعات ورسومات نے سنت کو اس طرح دبا دیا کہ اس کی صحیح تصویر سمجھنا بھی اس حلقہ میں مشکل ہے جہاں محرم الحرام کی بدعتوں کا ننگا رقص جاری ہے، آج کے ماحول میں ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت کی امید کس طرح کر سکتے ہیں، جب کہ ہمارا ہر عمل شریعت اسلامیہ کے خلاف سنت نبوی سے متصادم اور دین حق وصراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے، محرم یا داہا کے نام پر بے پردہ خواتین کا مصنوعی کربلاؤں میں جمع ہونا، بازاروں میں گھومنا اور سڑکوں وگلیوں میں آوارہ پھرنا یہ کون سا دین ہے، اسی طرح ڈھول تاشے بجانا، سینہ کوبی کرنا، اپنے آپ کو لہولہان کر دینا یہ کون سی دین کی خدمت ہے، البتہ یہ بزدلی ،بے وفائی کا عنوان تو ہے ،طاعت وشجاعت اسے نہیں کہا جاسکتا پھر ۷/۸/۹/۱۰ تاریخوں میں مرثیہ پڑھنے والے اور تعزیہ کے جلوس میں شریک ہونے والے جس قدر نماز چھوڑتے ہیں، اس کا کیا جواز ہے؟ ایسی امت جو خرافات میں پھنس گئی اور سال کے آغاز ہی میں اس عمل کا شکار ہوگئی جو سنت سے دور ہے، تو پھر اس کی نحوست کا سال بھر جاری رہنا کیا بعید از قیاس ہوسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہماری اتنی بڑی تعداد ہے لیکن ہمارا وزن دن بہ دن گھٹتا چلا جارہا ہے، اور بین الاقوامی حیثیت کم ہوتی جارہی ہے، اس لئے امت محمدیہ کی روح سنت محمدیہ پر قائم رہنے میں ہے، اس سے اعراض موت کے مترادف ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

قادیانیت اور ہماری ذمہ داریاں

قادیانیت حقیقت میں ختمی مرتبت سرور انبیاء فخر دوعالم سیدالاولین والآخرین کی رسالت کے خلاف ایک منصوبہ بند سازش اور بغاوت ہے، اس کا مقصد رسالت محمدیؐ کے اثرات کو زائل کرنا اور مغرب کی کاسہ لیسی کے ساتھ مغرب کی غلامی کو مسلم معاشرہ میں قوت بہم پہنچانا تھا۔

قادیانیت ایک ناسور ہے جو مسلم عقائد کی بیخ کنی کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کے ذریعہ مسلم سماج میں عام کیا گیا، جس کا اصل مقصد مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنا اور اسلامی وحدت کو پارا پارا کرنا تھا۔

قادیانیت اگر اپنے روح اور مظہر میں ایک فرقہ، طائفہ اور مذہبی گروپ میں سامنے آتی تو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، لیکن اس کا ظہور اسلام کے نام پر اسلام کو سبوتاژ کرنے کے لئے ہوا، اس لئے مسلم سماج کو اس کے تعلق سے بیدار رہنے اور بیدار کرنے کی ضرورت پیش آئی، ورنہ ہندوستان میں بہت سے مذہبی گروپ پیدا ہوئے، اور انہوں نے اپنی الگ ایک شناخت قائم کی اور اس کی ترویج واشاعت میں وہ کوشاں رہے، مسلمانوں نے ان سے کبھی محاذ آرائی نہیں کی، انگریزوں نے سیاسی افق پر جس طرح کامیابی حاصل کی انیسویں صدی میں مذہبی خصوصاً اسلامی رنگ کو بھی تہہ و بالا کرنے کی کوشش کی، اس کے لئے خاص طور سے قادیانیت اور بہائیت کو فروغ دینے کا اہتمام کیا گیا، لیکن بہائیت نے اول دن ہی سے اسلام سے اپنا رشتہ الگ رکھا، وہ اپنے آپ کو مسلم کے بجائے بہائی کہتے ہیں، لہٰذا ان کی سرگرمیوں کا محور وہ نہیں ہے جو قادیانیوں کا ہے۔

قادیانیت دبے پاؤں اسلامی عقائد کو سبوتاژ کرتے ہوئے بزعم خویش اسلام

کا ایک جدید ایڈیشن ایک خود ساختہ نبی کی قیادت ورہنمائی میں پیش کرتی ہے اور اس کا دعوی ہے کہ ہم ہی اصل اسلام کے حامل ہیں اور حقیقی مسلمان ہیں، نبوت کا امتداد جاری ہے، وحی الٰہی کا سلسلہ قائم ہے اور نبوت کا سلسلہ ابھی موقوف نہیں ہوا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے ابتداءً نبوت کا دعوی نہیں کیا، جب کہ سارے انبیاء علیہم السلام نے اپنی رسالت ونبوت کا اعلان بتدریج نہیں کیا بلکہ نبوت ملنے کے بعد یک بارگی کیا جس سے مخالفین کو یہ موقع نہیں تھا کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ نبوت کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت عمل میں آئی ہے، لیکن غلام احمد قادیانی کے یہاں نبوت بتدریج آئی ہے، اس نے پہلے محدث، مجدد ہونے کا دعوی کیا، پھر مہدی مسیح موعود بن بیٹھا، بعد ازاں ظلی نبی ہونے کا دعوی کیا، اس کے بعد بروزی نبی اور بروزی طور پر محمد ﷺ اور آخر میں محمد ﷺ سے بڑھ کر ہونے کا دعویدار بن بیٹھا، اس طرح حضور اکرم ﷺ جو خاتم الانبیاء اور ختم مرسلین ہیں کی اہانت اس نے کی، یہی وجہ ہے کہ مسلمان قادیانیت کے خلاف ہیں، اسلام کے خلاف اسے بغاوت پر محمول کرتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَآءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُہٗ تَرَکَ مِنْہُ مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ ،فَطَافَ بِہِ النَّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِہٖ اِلَّامَوْضِعَ تِلْکَ اللَّبِنَۃِ ،خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ (بخاری ومسلم) ترجمہ: (میری مثال اور انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک محل کہ اسے خوبصورت بنایا گیا ہو لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رکھی گئی ہو، دیکھنے والے اسے دیکھیں اور اس کی خوبصورتی وسجاوٹ کی تعریف کریں، ماسوائے اس جگہ کے جس میں ایک اینٹ لگنا باقی ہے، بس میرے ذریعہ اس جگہ کو پر کر دیا گیا، اب اس محل میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی میرے ذریعہ مکمل کر دی گئی، اور رسولوں کی بعثت کا سلسلہ موقوف ہو گیا، دوسری روایت میں فرمایا، اس محل کی آخری اینٹ میں ہی ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں، آپ ﷺ نے یہ

بھی فرمایا: اَنَا آخِرُالْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ آخِرُالْاُمَمِ' (ابن ماجہ) میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو، آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے 'سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعُمُوْنَ اَنَّہٗ نَبِیُّ اللّٰہِ، وَاَنَاخَاتَمُ النَّبِیِّیْن،لَانَبِیَّ بَعْدِیْ، وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَاتَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَخْرُجَ ثَلَاثُوْنَ دَجَّالُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعُمُوْنَ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ' (ترمذی ابوداؤد) ترجمہ: (میری امت میں تیس جھوٹے دجال پیدا ہوں گے، جو نبوت اور رسالت کا دعوی کریں گے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، اس حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو نبوت کا دعوی کرے گا وہ ملحد، زندیق، کافر اور خارج از اسلام تو ہوسکتا ہے مسلمان نہیں قرار دیا جاسکتا، جو اس کے پیروکار ہوں گے وہ دجال کے پیروکار اور جھوٹی شریعت کے دعویدار تو ہوسکتے ہیں لیکن مسلمان نہیں ہوسکتے۔

اخبار الفضل قادیانی ۲۶ ستمبر ۱۹۱۷ء میں مسلمانوں کے نام ایک اپیل شائع کی گئی جس سے قادیانیوں کے معتقدات اور ان کے عندیہ کا بخوبی پتہ چلتا ہے، وہ کہتا ہے 'اے مسلمان کہلانے والو! اگر تم واقعی اسلام کا بول بالا چاہتے ہو اور باقی دنیا کو اپنی طرف بلاتے ہو تو پہلے خود سچے اسلام کی طرف آؤ جو مسیح موعود (مرزا غلام احمد) میں ہو کر ملتا ہے، اس کے طفیل اجر، اور تقویٰ کی راہیں کھلتی ہیں، اس کی پیروی سے انسان فلاح ونجات کی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے، وہ غلام اصلاً وہی فخر اولیں وآخریں ہے جو آج سے ۱۳ سو برس پہلے رحمت للعالمین بن کر آیا تھا' نعوذ باللہ من ذالک۔

مرزا غلام احمد کا بیٹا مرزا بشیر احمد جو باپ کے بعد قادیانیت کا سربراہ ہوا، وہ کہتا ہے، غرضیکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) اللہ تعالیٰ کا ایک رسول اور نبی تھا، جس کو نبی کریم ﷺ نے نبی اللہ کے نام سے پکارا اور وہی وہ نبی

تھا جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی میں 'یا ایھا النبیٔ' کے الفاظ سے پکارا۔

(الفضل قادیان ج ۱۴ ص ۱۱۴)

ضمیمہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۸۷ میں مرزا غلام احمد قادیانی نے خود ہی لکھا ہے کہ 'وَآتَانِیْ مَالَمْ یُؤْتِ اَحَداً مِنَ الْعَالَمِیْن' کے مجھے وہ چیز دی گئی ہے جو دنیا و آخرت میں کسی شخص کو بھی نہیں دی گئی۔

اس لئے مرزائیوں اور قادیانیوں کے نزدیک مرزا غلام احمد نہ صرف نبی ہیں بلکہ تمام انبیاء و رسل بشمول سرور کونین ﷺ سے بھی افضل و اعلیٰ ہیں۔

قادیانی صرف یہی عقیدہ نہیں رکھتے کہ جبرئیل امین مرزا غلام احمد قادیانی پر نازل ہوتے تھے بلکہ ان کا نظریہ یہ بھی ہے کہ وہ وحی یا کلام ربانی لے کر نازل ہوتے تھے، بالکل اسی طرح کی وحی اور اسی طرح کا کلام جس طرح کا سرور عالم ﷺ پر نازل ہوا کرتا تھا، غلام احمد قادیانی پر نازل شدہ وحی کو ماننا بھی اس طرح ضروری ہے جس طرح قرآن حکیم کو ماننا ضروری ہے۔

چنانچہ مرزائی قاضی محمد یوسف قادیانی لکھتا ہے 'حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا غلام احمد) اپنی وحی، اپنی جماعت کو سنانے پر مامور ہیں، جماعت احمدیہ کو اس وحی الٰہی پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا فرض ہے کیونکہ وحی اللہ اسی غرض سے سنائی جاتی ہے، ورنہ اس کا سنانا اور پہنچانا بے سود اور لغو فعل ہوگا، جبکہ اس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا مقصود بالذات نہ ہو، یہ شان بھی صرف انبیاء کو حاصل ہے کہ ان کی وحی پر ایمان لایا جائے، حضرت محمد ﷺ کو بھی قرآن شریف میں ہی حکم ملا اور ان ہی الفاظ میں ملا اور بعدہ حضرت احمد مرزا غلام علیہ الصلوۃ والسلام کو ملا، بس یہ امر بھی آپ (مرزا غلام احمد) کی نبوت کی دلیل ہے۔ (النبوۃ فی الانام ص ۲۸ ر قاضی محمد یوسف قادیانی)۔

اورخود غلام احمد قادیانی کا دعوی یہ ہے کہ 'میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں ،ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن پاک پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے اوپر نازل ہوتا ہے، خدا کا کلام یقین کرتا ہوں' (حقیقۃ الوحی ص ۲۱۱)

نیز یہ بھی دعوی ہے 'مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن حکیم پر' (تبلیغ رسالت: ج ۶ رص ۶۴)

قادیانیوں کے نزدیک احادیث میں سے صرف وہ قابل قبول ہے جس سے مرزا کے معتقدات پر ضرب نہ پڑتی ہو، خواہ وہ موضوع ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ مرزا محمود لکھتا ہے 'مسیح موعود مرزا غلام احمد سے جو باتیں ہم نے سنی ہیں وہ حدیث اور روایت سے معتبر ہیں، کیونکہ حدیث ہم نے آنحضرت ﷺ کے منہ سے نہیں سنی ہے، بس سچی حدیث اور مسیح موعود کا قول مخالف نہیں ہوسکتا۔ (الفضل قادیان ۲۹/اپریل ۱۹۵۱ء)

مرزائیوں کے خلیفہ ثانی مرزا محمود نے قادیان میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا 'پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جب کوئی نبی آجائے تو پہلے نبی کا علم بھی اس کے ذریعہ ملتا ہے، یوں اپنے طور پر نہیں مل سکتا، اور پھر بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کے لئے بمنزلہ سوراخ ہوتا ہے، پہلے نبی کے آگے دیوار کھینچ دی جاتی ہے اور کچھ نظر نہیں آتا سوائے آنے والے نبی کے ذریعہ دیکھنے کے، یہی وجہ ہے کہ اب کوئی قرآن نہیں سوائے اس قرآن کے جو حضرت مسیح موعود غلام احمد قادیانی نے پیش کیا، اور کوئی حدیث نہیں سوائے اس حدیث کے جو حضرت مسیح موعود غلام احمد قادیانی کی روشنی میں دکھائی دے، اسی طرح رسول کریم ﷺ کا وجود بھی اسی ذریعہ سے نظر آئے گا کہ حضرت مسیح موعود غلام احمد قادیانی کی روشنی میں دیکھا جائے ،اگر کوئی چاہے آپ غلام احمد قادیانی سے علیحدہ

ہوکر کچھ دیکھ سکے تو اسے کچھ نظر نہ آئے، اسی صورت میں اگر کوئی قرآن کو بھی دیکھے گا تو وہ اس کے لئے 'یھدی من یشاء' جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے والا قرآن نہ ہوگا بلکہ یضل من یشاء جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے والا قرآن ہوگا'۔

مرزا بشیر جو قادیانی نبی کا بیٹا تھا، اس کی وفات کے بعد وہ خلیفہ ہوا، اس نے یہ لکھا' اور چونکہ مشابہت تامہ کی وجہ سے مسیح موعود اور مرزا غلام احمد قادیانی اور نبی کریم ﷺ میں کوئی دوئی باقی نہیں رہی، حتی کہ ان دونوں کا وجود بھی ایک ہی وجود کا حکم رکھتے ہیں جیسا کہ خود مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ ' صارو جودی و جودہ میرا وجود اس کا وجود ہوگیا۔

اسی لئے قادیانی شعراء نے جھوٹے نبی کو ختم المرسلین قرار دیتے ہوئے اپنے عقیدہ کی یوں ترجمانی کی ہے' ملاحظہ فرمائیں۔

صدی چودھویں کا ہوا سر مبارک — کہ جس پر وہ بدرالدجی بن کے آیا
محمد پئے چارہ سازی امت — ہے اب احمد مجتبیٰ بن کے آیا
حقیقت کھلی بعث ثانی کی ہم پر — کہ جب مصطفیٰ مرزا بن کے آیا

اخبار الفضل قادیان ۲۸ رمئی ۱۹۲۸ء)

اے میرے پیارے میری جان رسول قدنی — تیرے صدقے تیرے قربان رسول قدنی
پہلی بعثت میں محمد ہے تو اب احمد ہے — تجھ پر پھرا ترا ہے قرآن رسول قدنی

جب یہ عقیدہ میں شامل ہوگیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی بعینہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ تمام کمالات محمدیہ کا آئینہ دار بھی مرزا غلام احمد کی ذات ہے، لہٰذا مرزا کے دعاوی ملاحظہ فرمائیں' جب کہ میں بروزی طور پر محمد رسول اللہ ﷺ ہوں، اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعوی کیا۔

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۲۰ / روحانی خزائن ۲۱۲ / ج ۱۸)۔

ایک ہی مرتبہ ایک ہی شان :

خدائے تعالیٰ کے نزدیک حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کا وجود آنحضرت ﷺ کا ہی وجود ہے یعنی خدا کے دفتر میں حضرت مسیح موعود اور آنحضرت ﷺ آپس میں کوئی دوئی یا مغایرت نہیں رکھتے، بلکہ ایک ہی شان، ایک ہی مرتبہ، اور ایک ہی منصب اور ایک ہی نام رکھتے ہیں، گویا لفظوں کے باوجود دو ہونے کے ایک ہی ہیں' (قادیانی مذہب ص ۲۰۷ رایڈیشن نہم لاہور)

ہلال و بدر کی نسبت :

قادیانی عقیدے کے مطابق محمد رسول اللہ ﷺ کی مکی بعثت ہلال کی مانند تھی، جس میں کمال اور روشنی نہیں ہوتی، اور دوسری بعثت جو قادیان میں مرزا غلام احمد کی صورت میں ہوئی اس کی مثال بدر کی ہے، جب چودھویں تاریخ ہوتی ہے تو چاند آسمان پر مکمل ہوتا ہے اور اس کی چاندنی سے دنیا منور ہو جاتی ہے لہٰذا اس اعتبار سے یہ دوسری بعثت ہی محمد رسول اللہ ﷺ کی مکمل بعثت کہلائے گی۔ حالانکہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو کامل بنایا، آپ کی بعثت کامل ہوئی اور آپ کے ذریعہ شریعت مطہرہ کی تکمیل ہوئی اللہ عزوجل نے اس کا یوں اعلان فرمایا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" (سورۃ المائدہ) (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہو گیا۔ لیکن یہ قادیانی اس کے باوجود یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔

اور اسلام ہلال کی طرح شروع ہو، اور مقدر تھا کہ انجام کار آخری زمانہ میں بدر (چودھویں کا چاند) ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے پس خدائے تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ اسلام اس صدی میں بدر کی شکل اختیار کرے جو شمار کی رو سے بدر کی طرح مشابہ ہو' (خطبہ الامیہ ص ۱۸۴)۔

مرزا غلام احمد کی ذہنی ارتقاء:

قادیانی عقیدے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا ذہنی ارتقاء حضور اکرم ﷺ سے بڑھ کر تھا، چنانچہ ملاحظہ ہو حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی کا ذہنی ارتقاء آنحضرت ﷺ سے زیادہ تھا اور یہ جزوی فضیلت ہے، جو مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کو آنحضرت ﷺ پر حاصل ہے، نبی کریم ﷺ کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا اور نہ اس میں قابلیت تھی اب تمدن کی ترقی سے حضرت مسیح موعود کے ذریعہ ان کا پورا ظہور ہوا۔ (قادیانی مذہب ص ۲۶۶)

محمد عربی کا کلمہ پڑھنے والا کافر :

مرزا غلام احمد قادیانی کے تعلق سے مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ افضل الرسل ہیں، اور نعوذ باللہ آپ ﷺ سے بھی زیادہ شان میں بڑھے ہوئے ہیں، تو یہ ماننا بھی ضروری ہوگا کہ جو نبی کریم ﷺ کا کلمہ پڑھنے والا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔

اب معاملہ صاف ہے اگر نبی کریم ﷺ کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود کا انکار بھی کفر ہونا چاہئے، کیونکہ مسیح موعود نبی کریم ﷺ سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ وہی ہے، اور اگر مسیح موعود کا منکر کافر نہیں تو نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ کا منکر بھی کافر نہیں، کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پہلی بعثت میں تو آپ کا انکار کفر ہو مگر دوسری بعثت میں جس میں بقول حضرت مسیح موعود آپ کی روحانیت اقوی، اکمل اور راشد ہے، آپ کا انکار کفر نہ ہو، (کلمۃ الفضل ص ۱۴۶/۱۴۷)

بلکہ ہر ایک شخص جو موسی کو مانتا ہو مگر محمد ﷺ کو نہیں مانتا ہو، اور یہ محمد ﷺ کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

(مرزا غلام احمد قادیانی الہام حقیقۃ الوحی ۸۲ مطبوعہ لاہور)

ہماری ذمہ داری :

مذکورہ بالا اقتباسات کی روشنی میں یہ سمجھنا آسان ہوجاتا ہے کہ قادیانی عقائد اسلامی عقائد سے کتنے دور اور مختلف ہیں، انکا دور کا تعلق بھی اسلام سے قائم نہیں ہوتا، ان کے نزدیک قرآن و حدیث پاک کی صداقت سے پیشتر مرزا غلام احمد قادیانی کو ہمیں سچا ماننا پڑیگا، اور نور نبوت کی ضیا پاش کرنوں سے استفادہ کرنا اس کی جھوٹی نبوت کے شراروں کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور ایسا کسی مسلمان سے توقع کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ قبول کرے گا، بلکہ اس کے دین وایمان کا تقاضہ ہے کہ اس کی پرزور مخالفت کرے، اور اپنی بساط بھر اس فتنہ کی بیخ کنی کی کوشش کرے، ایسی حکمت عملی اپنائی جائے جس سے ان کے زور کو توڑا جاسکے، اگر ہم نے منصوبہ بند کوشش نہیں کی تو ہماری غیر منظم کوششوں سے انہیں فائدہ پہنچے گا، اور وہ تو مضبوط ہوتے جائیں گے، اور ہماری قوت اور پیسہ نیز وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

●●●

قادیانیت: مفکر اسلامؒ کی تحریروں کے آئینہ میں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ، اللہ عزوجل کے ان منتخب بندوں میں تھے جن کو خالق کائنات نے اسلام کی آبیاری، تجدیدی کردار، اور اسلامی کاز کے وسیع تر محرکات کی ترجمانی کی توفیق سے نوازا تھا، ان کے قلم کی جولانی، غیرت وحمیت اسلامی کی فراوانی، طبعی جوش اور اولوالعزمی نے باطل طاقتوں، الحادی ذہنوں، اور زندیقانہ موشگافیوں پر ایسی یورش کی کہ دلائل کی روشنی میں ان کا ناطقہ بند کر دیا۔

اصلاح وتجدید کی تاریخ میں ایسے نامور اہل قلم، اہل فکر جو دل دردمند اور فکر ارجمند کے حامل تھے، جنہوں نے اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی اور کوششوں کا آخری قطرہ بھی نچوڑ دیا، زندیقیت، الحاد اور دہریت سے جھلسی ہوئی کشت زاروں میں ان کی کاوشوں اور رشحات قلم کی تراوٹ نے زندگی کے آثار پیدا کر دیئے، اور خزاں دیدہ چمن بہار آفریں منظر پیش کرنے کے قابل بن گیا، اللہ تعالیٰ کے انہیں مقبول بندوں میں حضرت مفکر اسلامؒ کی ذات گرامی تھی۔

آپ نے اپنے خامہ زرنگار کے ذریعہ فکر اسلامی کی ترجمانی کی تو دوسری طرف آپ نے اسلام کے تجدیدی کردار کو واشگاف انداز میں پیش کیا، اسلامیت اور مغربیت کے مابین کشمکش کا منطقی جائزہ لیا تو اسلامی تمدن وتہذیب پر مغربی یورش کے اسباب وعلل بھی بیان کئے، آپ کی فکر رسا نے اس چیلنج کو پرکھا، ناپا اور اس کی تجدید کی، اور اس کی زہر افشانیوں کا قلع قمع کیا بلکہ اس کا تریاق فراہم کیا، جس نے عالم اسلامی کو ہمہ گیر طور پر متاثر کرنے کی کوشش کی تھی، آپ نے ان چیلنجوں کا کافی، شافی، وافی، مدلل اور مسکت جواب دیا۔

قادیانیت کوفروغ :

انہیں چیلنجوں میں سے قادیانیت بھی ہے جس نے اس دور میں سر اٹھایا جو دور یورپین اقوام کے تسلط اور انگریزوں کے اقتدار اور عالم اسلامی کے اندر انتشار واضطراب کا زمانہ تھا، عالم اسلام خصوصا ہندوستان کی حالت ایسی تھی جس میں عقیدہ کی پختگی متاثر ہورہی تھی، علم ومعرفت کی کمی سے جہالت کوفروغ ہورہا تھا، مشرکانہ ماحول، قبروں پر منتیں، اور تعزیوں کے حضور نذرونیاز کا بازار سرگرم تھا، ایسے وقت میں مزید انتشار سے دوچار کرنے کے لئے انگریزوں کا خود کاشتہ پودا مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود اور بالآخر نبی بلکہ نبی آخرالزماں سے بڑھ کر ہونے کا دعوی کردیا، مفکر اسلام نے اس صورتحال پر یوں روشنی ڈالی ہے ''واقعہ یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں وہ ذہنی انتشار نہ ہوتا جس کا پنجاب خاصا میدان تھا، انگریزی حکومت کے اثر سے اسلامی معاشرہ میں اسلام کی بنیادیں متزلزل اور اسلامی ذہن ماؤف نہ ہوچکا ہوتا، اگر مسلمانوں کی نئی نسل دینی تعلیمات اور اسلام کی اصلاحی وتجدیدی شخصیتوں اور نیابت انبیاء اور عظمت انسان کی حقیقی صفات سے اتنی بے خبر نہ ہوتی اور آخر میں حکومت وقت کی پشت پناہی اور سرپرستی نہ ہوتی تو یہ تحریک جس کی بنیاد زیادہ تر الہامات، خوابوں، تاویلات، اور بے کیف وبے مغز نکتہ آفرینیوں پر ہے، اور جو عصر جدید کے لئے کوئی نیا اخلاقی وروحانی پیغام اور مسائل حاضرہ کو حل کرنے کے لئے کوئی مجتہدانہ مقام نہیں رکھتی تھی کبھی بھی اتنی مدت باقی نہیں رہ سکتی تھی جیسی کہ اس برسر انحطاط سوسائٹی اور اس پراگندہ دماغ، پراگندہ دل نسل میں رہ سکی۔

اسلام کی صحیح تعلیمات اور دعوت سے انحراف اور ان مخلصین ومجاہدین کی ناقدری کی سزا خدا نے یہ دی کہ ہندوستانی مسلمانوں پر ایک ذہنی طاعون مسلط کردیا اور ایک شخص

کوان کے درمیان کھڑا کر دیا جو امت میں فساد کا مستقل بیج بو گیا ہے" (قادیانیت، ص ۱۸۸)

دسمبر ۱۹۵۷ء کے اواخر میں پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام لاہور میں اسلامک کلوکیم کا انعقاد ہوا، جس میں عالم اسلام کے نامور جید ممتاز اہل علم وفکر نے شرکت کی، حضرت مفکر اسلام نور اللہ مرقدہ بھی اس مجلس مذاکرہ میں مدعو تھے، لیکن بعض حالات کے پیش نظر حاضری نہ ہوسکی، ایسی مجلس میں عالم اسلام کے چوٹی کے علماء شریک ہوئے تھے، قادیانیت کا بھی تذکرہ اس مجلس میں ہوا تھا، لیکن قادیانیت کے خدوخال، اس تحریک کا پس منظر، محرکات واثرات، اور اس کی سلبیات پر مشتمل کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو ان علماء کو فراہم کی جاتی، اس خلاء کا سب کو احساس تھا، چنانچہ حضرتؒ جب اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں لاہور پہنچے تو اس موضوع پر جدید انداز میں کتاب تیار کرنے کا آپ کو شیخ ومربی نور اللہ مرقدہ نے حکم دیا۔

حضرتؒ نے موضوع کی نزاکت کے پیش نظر مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیفات کا ایک محقق مؤرخ اور ناقد کی حیثیت سے بھرپور جائزہ لیا، اور ایک مہینہ تک ان تصنیفات کی اوراق گردانی کے لئے اس طرح اپنے آپ کو محبوس کر لیا اور علمی وتصنیفی اعتکاف میں اسطرح گزارا کہ گویا دنیا ومافیہا کی کوئی خبر نہیں تھی اور سوائے اس موضوع کے کوئی دوسرا موضوع فکر نہیں تھا۔

آپ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ مصنف کا ذہن چونکہ فطرتاً تاریخی واقع ہوا ہے اور وہ اس شہر میں بالکل نووارد تھا اس لئے اس نے اپنا سفر تحریک کے آغاز سے شروع کیا اور اس کے نشوونما اور ارتقاء کی ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلہ کا جائزہ لیتا ہوا چلا، گویا اس کے مشاہدات اور معلومات تحریک کی طبعی نشوونما کے ساتھ چل رہے تھے، اس طرز مطالعہ سے تحریک کی فطرت ومزاج اور اس کے تدریجی ارتقاء اور اس کے مضمرات کے سمجھنے میں بڑی مدد

ملی اور بعض ایسے حقائق کا انکشاف ہوا جو اس تحریک کو ایک مکمل شکل میں دیکھنے سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ (قادیانیت، ص ۸)

اس اقتباس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت والا نے اس کتاب کی تصنیف میں کتنا اہتمام کیا، اور اس تحریک کو سمجھنے اور اس کے نشو ونما کے محرکات تک پہنچنے میں کس قدر توجہ، کوشش نیز انہماک سے کام لیا، یہی وجہ ہے کہ جب یہ کتاب قادیانیت اپنے عربی جامہ 'القادیانیۃ' کی شکل میں سامنے آئی تو عربوں کو اس تحریک کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی، اس کتاب کا اسلوب بھی ایسا تھا کہ خود اس تحریک سے متاثر لوگ بھی ٹھنڈے دل سے اس کا مطالعہ کر سکتے تھے، کتاب کا اسلوب علمی ہے، اس میں مناظرانہ جوش کے بجائے مؤرخانہ متانت زیادہ پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قادیانی حلقہ میں اس کتاب کے اثرات کو زیادہ محسوس کیا گیا، درحقیقت یہ کتاب اپنے مستند ومرتب معلومات، بانی تحریک کے بیانات، تحریروں، اور تاریخی وثائق کے ذریعہ روشنی اور مواد فراہم کرتی ہے، جو ایک سلیم الطبع اور انصاف پسند انسان کو صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں مدد دیتے ہیں۔ (قادیانیت، ص ۱۰)

مفکر اسلام نے بانی تحریک مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے قریب ترین رفیق اور ان کے جانشین اول حکیم نورالدین بھیروی کی سیماب صفت مزاجی کیفیت کا بھی جائزہ لیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تحریک ایک سوچی سمجھی اسکیم اور مضبوط دوررس منصوبہ کے تحت تشکیل دی گئی تھی اور رفتہ رفتہ نبوت کے دہلیز تک پہنچا کر اسلام کے مضبوط قلعہ میں شگاف ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مفکر اسلام نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بتدریج نبوت تک نہیں پہنچے، بلکہ وہ اللہ کی طرف سے منتخب تھے اور نبوت کا ہی اعلان کیا ہے اور اپنی اصالت اور رسالت کا تعارف کرایا ہے، جب کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مجددیت اور تمثیلی شکل میں مسیح موعود اور پھر ختم نبوت پر براجمان ہونے کی

کوشش کی ہے، افسوس کا مقام ہے کہ اس کھلی ہوئی دھاندلی اور جعل سازی کے چکر میں بھی ہزاروں افراد گرفتار ہو گئے اور خاصے پڑھے لکھے افراد بھی متاثر ہوئے اور آج یہ تحریک بڑے زور کے ساتھ مغربی آقاؤں کے اشاروں کے زیر سایہ مسلمانوں کو ختم نبوت کے عقیدہ سے تہی مایہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہے، ان کا ٹی وی چینل تعارف اسلام کے نام پر قادیانیت کو فروغ دے رہا ہے، اس تحریک کی سب سے بھیانک اور خطرناک صورت یہ ہے کہ اس کے بانی نے اپنے ماننے والوں کو ہی سچا و پکا مسلمان قرار دیا ہے، ان کی نظر میں بقیہ ملت اسلامیہ مرتد کے حکم میں ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس تحریک کو زہر سمجھا جائے۔

مفکر اسلامؒ نے اس پہلو پر یوں روشنی ڈالی ہے 'قادیانیت کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے صدہا دینی و علمی اختلافات اور مکاتب فکر میں سے ایک دینی و علمی اختلاف رائے اور ایک خاص مکتب فکر ہے، اور اس کے پیرو امت اسلامیہ کے مذہبی فرقوں اور جماعتوں میں سے ایک مذہبی فرقہ اور جماعت ہیں، اور یہ اسلام کی کلامی و فقہی تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے۔

لیکن قادیانیت کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کرنے سے یہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے اور ایک منصف مزاج انسان اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ قادیانیت ایک مستقل مذہب اور قادیانی ایک مستقل امت ہیں جو دین اسلام اور امت اسلامیہ کے بالکل متوازی چلتے ہیں، اور اس کو محسوس ہوتا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے اس بیان میں کوئی مبالغہ اور غلط بیانی نہیں کہ 'حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں، آپ نے فرمایا' یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا چند مسائل میں ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم ﷺ، قرآن پاک، نماز، روزہ، زکوۃ، حج غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک جز میں ہمیں ان سے

اختلاف ہے۔(قادیانیت،ص ۱۴۱)

اسلام کی تاریخ میں اس سے پہلے باطنیت اور اسماعیلیت نے بھی اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کے روشن چہرے کو داغدار کرنے کی کوشش کی لیکن یہ تحریک ان تحریکوں سے بھی زیادہ خطرناک اور اسلام کے متوازی ایک اور نیا نظام اور زندگی کا نیا ڈھانچہ دینا چاہتی ہے، قادیانی اصحاب مرزا کے رفقاء اور ہم نشینوں کو صحابہ رسول ﷺ کا درجہ دیتے ہیں، اسی طرح مرزا کے مدفن کو مرقد رسول اور گنبد خضرا کے مماثل اور شبیہ قرار دیا جاتا ہے، اس کے لئے مفکر اسلامؒ نے درج ذیل اقتباس پیش فرمایا ہے، آپ بھی دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھیے، کیا حال ہے اس شخص کا جو قادیان دارالامان میں آئے اور دو قدم چل کر مقبرہ بہشتی میں حاضر نہ ہوا، اس میں وہ روضہ مطہرہ ہے جس میں اس خدا کے برگزیدہ کا جسم مبارک مدفون ہے جسے افضل الرسل نے اپنا سلام بھیجا اور جس کی نسبت حضرت خاتم النبیین نے فرمایا' یدفن معی فی قبری' اس اعتبار سے مدینہ منورہ گنبد خضراء کے انوار کا پورا پورا پرتو اس گنبد بیضاء پر پڑ رہا ہے اور آپ گویا ان برکات سے حصہ لے سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے مرقد منور سے مخصوص ہیں، کیا ہی بدقسمت ہے وہ شخص جو احمدیت کے حج اکبر میں اس تمتع سے محروم رہے۔

ان کے نزدیک قادیان کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے اور مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے، منارۃ المسیح (۲۸ رمئی ۱۹۰۰ء) میں مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے' جیسا کہ سیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا تھا ایسا ہی سیر زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکت اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت ﷺ کا زمانہ تھا برکات اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے پہنچا دیا، پس اس پہلو کی رو سے جو اسلام کے انتہائے زمانہ تک آنحضرت ﷺ کا سیر کشفی ہے، مسجد اقصی

سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے، جو قادیان میں واقع ہے، جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام یہ ہے' مبارك مبارك و كل امر مبارك نجعل فيه' اور یہ ایک مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقع ہوا، قرآن شریف کی آیت بارکنا حولہ کے مطابق ہے، پس کچھ شک نہیں جو قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے۔ (قادیانیت، ص ۱۴۵)

جب قادیان مقدس ٹھہرا تو اس کی زیارت حرمین شریفین کی زیارت کی طرح مقدس اور اس کا قصد ارادہ حج کے متوازی قرار پایا، مرزا بشیر الدین نے اس پہلو کو اجاگر کیا، چونکہ حج پر وہی لوگ جاسکتے ہیں جو مقدرت رکھتے ہوں، امیر ہوں، حالانکہ الٰہی تحریکات پہلے غرباء میں پھیلتی ہے اور غرباء کو شریعت نے معذور رکھا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یک ظلی حج مقرر کیا تا کہ وہ قوم جس سے وہ اسلام کی ترقی کا کام لینا چاہتا ہے اور تا کہ وہ غریب یعنی ہندوستان کے مسلمان اس میں شامل ہوسکیں۔

(الفضل، یکم دسمبر ۱۹۳۲ء)۔

انفرادیت کا رجحان قادیانیوں کے اندر اتنی شدت کا ہے کہ انہوں نے اپنے خودساختہ اسلامی مہینوں کے نام حسب ذیل رکھے ہیں' صلح، تبلیغ، امان، شہادت، ہجرت، احسان، وفا، ظہور، تبوک، اخاء، نبوت، فتح۔

قادیانیت کی جدت :

اخیر میں مفکر اسلامؒ نے قادیانیت کی جسارت اور جدت کے عنوان سے جو کچھ قلمبند کیا ہے اس کا خلاصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے جس سے اس تحریک کے منفی اور سلبی پہلوؤں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، رقمطراز ہیں' اسلام کے خلاف وقتاً فوقتاً جو تحریکیں اٹھیں ان میں قادیانیت کو خاص امتیاز حاصل ہے، وہ تحریکیں یا تو اسلام کے نظام حکومت کے خلاف تھیں، یا شریعت اسلام کے خلاف، لیکن قادیانیت درحقیقت نبوت محمدی

کے خلاف ایک سازش ہے، وہ اسلام کی ابدیت اورامت کی وحدت کے لئے چیلنج ہے،اس نے ختم نبوت سے انکار کرکے اس سرحدی خط کوعبور کرلیا ہے، جواس امت کودوسری امتوں سے ممتاز ومنفصل کرتا ہےاور جوکسی مملکت کے حدودکومقرر کرنے کے لئے قائم کیاجاتا ہے، ڈاکٹر سرمحمد اقبال نے اپنے ایک انگریزی مضمون میں جوہندوستان کے مشہوراخبار اسٹیٹس مین Statesman میں شائع ہواتھا، بڑی خوبی سے قادیانیت کی اس جسارت وجدت کوواضح کیا ہے،وہ فرماتے ہیں' اسلام لازماایک دینی جماعت ہے جس کے حدودمقرر ہیں، یعنی وحدت الوہیت پرایمان ،انبیاء پرایمان، اوررسول کریم ﷺ کی ختم رسالت پر ایمان، دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جومسلم اورغیرمسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے، اوراس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ فردگروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے یانہیں، برہموسماج خداپریقین رکھتے ہیں اوررسول کریم ﷺ کوخدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انہیں ملت اسلامیہ میں شمارنہیں کیاجاسکتا کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پرایمان رکھتے ہیں،اوررسول کریم ﷺ کی ذات کوختم نبوت نہیں مانتے یہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حدفاصل کوعبورکرنے کی جسارت نہیں کرسکا۔

ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کوصریحا جھٹلایا لیکن ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اورمسلمانوں میں شامل نہیں ، ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا ہے،لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یاملت کے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں' یہ ظاہر ہے کہ اسلام جوتمام جماعتوں کوایک رسی میں پرونے میں دعوی رکھتا ہے ایسی تحریک کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھ سکتا جواس کی

موجودہ وحدت کے لئے خطرہ اور مستقبل میں انسانی سوسائٹی کے لیے مزید افتراق کا باعث ہو، اور یہ اس لئے کہ اسلامی وحدت ختم نبوت سے ہی استوار ہوتی ہے، آگے رقمطراز ہیں' جب میں بانی احمدیت کی نفسیات کا مطالعہ ان کے دعوائے نبوت کی روشنی میں کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں پیغمبر اسلام کی تخلیقی قوت پر متصرف صرف ایک نبی یعنی تحریک احمدیہ کے بانی کی پیدائش تک محدود کر کے پیغمبر اسلام کے آخری نبی ہونے کا انکار کر دیتا ہے، اس طرح یہ نیا پیغمبر چپکے سے اپنے روحانی مورث کی ختم نبوت پر متصرف ہو جاتا ہے۔ (قادیانیت ص ۱۵۴/۱۵۷)

حضرت مفکر اسلامؒ نے اپنی کتاب قادیانیت میں جو اقتباسات دیے ہیں وہ چشم کشا ہیں، ان سے اس تحریک کو سمجھنے اور ان کی تاویلات کاسدہ فاسدہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اس تحریک کے بانی کی پشت پر غیر اسلامی طاقتیں اس وقت بھی تھیں اور آج بھی ہیں، اسلام کو آج جن چیلنجوں کا سامنا ہے ان میں خطرناک چیلنج اس کو قرار دیا جا سکتا ہے، دیہاتوں میں بسنے والے افراد یا دینی شعور سے ناواقف انسانوں کو بڑی آسانی سے ان کے مبلغین شکار کر لیتے ہیں، ضرورت ہے کہ ایسے مبلغین تیار کیے جائیں جو اس تحریک سے بخوبی واقف ہوں اور اس تحریک کا علمی، تاریخی اور تنقیدی جائزہ لے سکیں، اور واشگاف انداز میں ان کے اشکالات کا جواب دے سکیں، مفکر اسلام کی یہ کتاب قادیانیت اس لائق ہے کہ اس کو مطالعہ ادیان کے نصاب میں داخل کیا جائے تا کہ اس سے طلباء استفادہ کریں، اور ملت اسلامیہ کو درپیش چیلنج کے مقابلے کے لئے انہیں تیار کیا جا سکے۔

سعد ونحس کا جاہلانہ تصور

اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے اوران کے معاشرتی خصوصیات پر غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نحوست کا مسئلہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے، ہرقوم نے شگونی وبدشگونی کے کچھ اصول وقواعد اور علامتیں متعین کی ہیں، اوراپنے ذاتی اوراجتماعی امور میں اکثر وبیشتر ان امور کی رعایت کی ہے خوشی کے مواقع پر اس کا اہتمام اور بھی کیا جاتا ہے، خصوصاً ہمارے ملک ہندوستان میں جہاں بیشمار دیوی دیوتاؤں کی آبادی ہے سعد اور نحس کا مسئلہ اور زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

ہندوؤں کا عمل :

برادران وطن جب بھی کوئی کام کرتے ہیں تو اس سلسلہ میں پنڈتوں، اچاریوں اور کاہنوں سے رجوع کرتے ہیں، اورضروری معلومات حاصل کرکے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور کامیابی وکامرانی اسی میں تصور کرتے ہیں، بارہا ایسا ہوا ہے کہ پنڈت نے شادی کا وقت ڈیڑھ بجے رات میں بتایا تو ٹھیک اسی وقت شادی کی گئی، اوراس کے پہلے بارات گاؤں کے باہر پڑی رہی کیونکہ اس سے پہلے دولہا کے لئے مبارک گھڑی نہیں آئی ہے، لیکن اس کے باوجود خلاف توقع باتیں پیش آتی رہتی ہیں جس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ یہ اوقات، دن اور تاریخ بالذات ہرگز مؤثر نہیں بلکہ اصل مؤثر دوسری ذات ہے اور وہ رب کائنات ہے۔

مسلمانوں میں اس کے اثرات: ہندوؤں کے اثرات رفتہ رفتہ مسلمانوں میں

سرایت کرتے گئے، لہٰذا سعد ونحس کا تصور مسلم معاشرہ میں بھی آ گیا، اور عموماً شادی بیاہ رخصتی اور سفر وغیرہ کرنے میں بعض جگہوں پر اس کا بڑا لحاظ کیا جاتا ہے لیکن دینی نقطہ نظر سے اس کی کوئی حقیقت نہیں یہ ساری باتیں جاہلیت کی دین ہیں، ایام جاہلیت میں اس قسم کی باتیں بکثرت معاشرہ میں موجود تھیں، چنانچہ اہل مکہ شوال میں شادی بیاہ اور رخصتی وغیرہ نہیں کرتے تھے، اس پورے مہینہ کو منحوس تصور کرتے تھے، لیکن حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے اسی مہینہ میں شادی کی اور رخصتی بھی آپ کی اسی مہینہ میں ہوئی چنانچہ ایک موقع پر حضرت عائشہؓ نے خود فرمایا کہ میری شادی بھی شوال میں ہوئی اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی، اگر یہ منحوس ہے تو مجھ سے زیادہ بانصیب عورت کون ہے؟ ازدواجی زندگی مجھ سے زیادہ کامیاب کس کی ہوئی، اسی طرح اہل عرب پرندے وغیرہ اڑاتے اور اس سے اپنے معاملہ میں شگون لیتے، کبھی تیروں کے ذریعہ سعد ونحس کا ہونا معلوم کرتے، مردے کی کھوپڑی وغیرہ سے بھی اس کی نشان دہی کرتے، لیکن اسلام نے ان باتوں کو قطعاً ممنوع قرار دیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا کہ ' لا طیر و لا ھامۃ' یعنی سعد ونحس ہونے میں ان کا قطعاً کوئی اثر نہیں اور جاہلیت کا یہ تصور سرتاسر غلط ہے اس میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے، شقاوت و بدبختی میں اعمال کا اثر سعادت وشقاوت سب اسی کی طرف سے ہے۔

شقاوت و بدبختی میں اعمال کا اثر :

البتہ یہ ضرور ہے کہ بدبختی وشقاوت میں انسان کے کردار کا اور اعمال کا بھی اثر ظاہر ہوتا ہے، قوم ثمود کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی سعادت و برکات سے نوازا تھا، لیکن جب اس نے عناد سے کام لیا اور حق کی راہ سے مڑ گئی تو آٹھ دن مسلسل اس قوم پر شدید قسم کی آندھی چلی جس کی وجہ سے پوری قوم تباہ و برباد ہوگئی، ان دنوں کو قرآن پاک نے ضرور منحوس کہا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ دن ہی منحوس ہیں یا ابتداء وانتہاء کو منحوس

تصور کیا جائے، بلکہ یہ نحوست ان کے عمل کا نتیجہ ہے، اور دونوں کی حیثیت ظرف کی ہے نہ کہ سبب کی یہ بات خوب ذہن میں رکھنی چاہئے یہاں بہت سے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں، اور سعد ونحس کے سلسلہ میں ان آیتوں سے استدلال کرنے لگتے ہیں۔

بعض تاریخوں میں نحوست کا اثر :

اسی طرح بعض تاریخوں کے سلسلہ میں بھی یہی تصور پایا جاتا ہے مثلاً ۳/۱۳/۲۳/۸/۱۸/۲۸ ر ہر مہینہ کی یہ تاریخیں عموماً منحوس مانی جاتی ہیں، اور بعض جگہوں پر مسلم معاشرہ میں بھی یہ تصور عقیدہ کی حد تک پایا جاتا ہے، اسی طرح صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بھی اسی حیثیت سے دیکھی جاتی ہیں ان تاریخوں میں نہ شادی ہوتی ہے اور نہ کوئی اور مبارک ومسعود کام کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ سب باتیں غلط ہیں مسلمانوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے، اللہ کے رسول ﷺ نے یقین کے ساتھ لاصفر فرمایا ہے، یعنی ماہ صفر کے سلسلہ میں جو تصور پایا جاتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں، اسی طرح اتوار اور منگل کو بھی بعض جگہوں پر سعادت وبرکت کے قابل نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ یہ صحیح نہیں، اگر غور کیا جائے تو یہ بڑے بابرکت دن ہیں، کیونکہ کائنات کی تخلیق کا کام اتوار ہی کے دن شروع ہوا اور آسمان کی تخلیق کی ابتداء منگل سے ہوئی ہے، اسی طرح پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے چھ روز میں پیدا کیا اسی بناء پر یہودی سنیچر کو ہر کام سے فارغ ہو کر عبادت میں مصروف ہوتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کا کام اس روز مکمل کر کے آرام کیا تھا اور اتوار کو نصاریٰ اس لئے مقدس مانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تخلیق کا کام اس روز شروع کیا تھا۔

اصل میں ہوتا یہ ہے کہ ذہن میں کوئی بات پہلے سے بیٹھ جاتی ہے، پھر اگر اتفاقاً کوئی بات اسی کے موافق ہو جاتی ہے، تو فوراً ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ فلاں

چیز کا نتیجہ ہے، حالانکہ اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، مثال کے طور پر اس واقعہ کو لیجئے، اور دیکھئے کہ اس ذہنیت پر کس قدر روشنی پڑتی ہے، اسلام سے پہلے عربوں میں یہ تصور عام تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی دنیا سے گذرتا ہے یا اس پر کوئی افتاد پڑتی ہے تو سورج گہن ہوا کرتا ہے، چنانچہ جب حضرت ابراہیمؓ یعنی حضور اکرم ﷺ کے فرزند کا انتقال ہوا تو اتفاق سے اسی روز سورج گرہن بھی ہوا، لوگوں کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی کہ یہ اثر ہے حضرت ابراہیمؓ کی وفات کا، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کو جب اس کا احساس ہوا تو فوراً آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ چاند سورج سب اللہ کی نشانیاں ہیں اور کسی کی وفات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا، جب ایسا ہوا کرے تو تم اللہ کے سامنے سربسجود ہو جاو، اور دعائیں کرو، لہٰذا اس موقع پر صلوۃ کسوف وخسوف شروع ہوئی۔

۱۳/کا عدد اور مغربی دنیا :

بعض جگہوں پر ۱۳/کا عدد بہت منحوس سمجھا جاتا ہے، مغربی دنیا میں تو مبالغہ کی حد تک یہ بات پائی جاتی ہے، چنانچہ برطانیہ والے اس دسترخوان پر بیٹھنا گوارا نہیں کرتے جس میں تیرہ آدمی مدعو ہوں، اور فرانس میں ایسی صورت میں ایک شخص کا اضافہ کرلیا جاتا ہے، اور اسے کارٹون کہا جاتا ہے، امریکہ بھی اس معاملہ میں فرانس و برطانیہ کے دوش بدوش ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امریکی صدر فرینکلنز وزفلٹ اس دعوت میں ہرگز شریک نہیں ہوتا تھا جس میں ۱۳/مہمان شریک ہوئے ہوں لیکن اس کے باوجود امریکہ میں ایک کلب ہے جس کا نام ہی کلب نمبر ۱۳/ ہے اس کی ایک شاخ لندن میں بھی ہے اس کا ایک آرگن بھی 'باش' نامی نکلتا ہے جو صرف کارٹونوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور اس کا کام ہی عدد تیرہ کا مذاق اڑانا اور تیرہ کے تعلق سے جو واقعات وحوادث پیش آتے ہیں اس کا ذکر کرنا ہے، اہل امریکہ تیرہ کے عدد کو اور بھی منحوس سمجھتے ہیں کیونکہ جب تیرہ اپریل

۱۹۷۰ء کو اپولو ۱۳ / کو داغا جارہا تھا تو عین داغنے کے وقت اس کا گیس سلنڈر پھٹ گیا اور وہ پرواز کے قابل نہ رہا اور اتفاق سے اس کے تینوں خلاء بازوں کے ناموں کے عدد بھی تیرہ ہوتے تھے، ابھی کچھ سال پہلے مہینہ کی تیرہ تاریخ کو یمن میں زبردست زلزلہ آیا اور اتفاق سے وقت بھی ساڑھے بارہ کا تھا گویا کہ تیرہ کا عدد شروع ہو چکا تھا اور یہ عظیم حادثہ پیش آیا جس میں ڈھائی تین ہزار آدمی جاں بحق ہوئے، سات آٹھ سو بستیاں اجڑ گئیں۔

جلیل القدر انبیاء اور تیرہ کا عدد :

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تیرہ تاریخ اگر جمعہ کو پڑ جائے تو پھر کوئی نحوست ضرور ظاہر ہوتی ہے لیکن یہ ساری باتیں غیر اسلامی ہیں، اگر تیرہ کا عدد منحوس ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کے لئے قطعاً یہ بات پسند نہ فرماتا کیوں کہ نبی کی ذات خدا کے نزدیک برگزیدہ اور معصوم ہوتی ہے، چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے اور تیرہویں خود تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بارہ حواریین کے ساتھ تیرہویں خود تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارہ نقیب بڑے جاہ وجلال کے بادشاہ گزرے ہیں، مثلاً آرتھر اور ہیروس' ان کے مصاحبین کی تعداد بارہ تھی اور یہ دونوں تیرہ کا عدد پورا کرتے تھے، لیکن ان پر نحوست کا سایہ نہیں پڑا، اور سب سے بڑا واقعہ جس نے حق کو باطل سے ممتاز کر دیا اور کفر کے سر کو توڑ کر رکھ دیا غزوہ بدر کا واقعہ ہے، اس میں اہل اسلام کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی، اور اس کے مقابلہ میں غنیم کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، لیکن پھر بھی نہ جانے اس طرح کتنے ایسے توہمات ہیں جن کی آہنی زنجیروں میں انسانیت کی مشکیں بندھی ہوئی ہیں، عقیدہ خالص اور عمل صالح سے تہی دست، اس کا مایۂ وجود اہر من کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا ہوا ہے، حقیقی اسلام انسانوں کو اسی اسیری سے آزاد کرنے اور حق وصداقت کی سرمدی لذتوں سے روشناس کرانے آیا تھا لیکن خدا کے

بندوں نے اس کی قدر نہ کی اور بالآخر سعد ونحس کے چکروں نے انہیں قوت ارادی سے تہی دست اور عزم محکم کے فیضان سے محروم کر دیا۔

اسلام کا عظیم احسان :

اسلام نے اس سے منع کر کے اور بعض صورتوں میں کفر سے تعبیر کر کے جہاں عقیدہ کی حفاظت کا سامان کیا ہے، وہیں اس نے نفسیاتی الجھنوں سے بھی بچانے کی کوشش کی ہے، اور کامیابی وناکامی کا معیار عقیدہ وعمل کو قرار دیا ہے تاکہ عوارض کو مؤثرات حقیقی نہ سمجھا جائے، بلکہ ہر حال میں مؤثر خدا کی ذات کو مانا جائے، اور مسلسل عمل، محنت وجانفشانی سے زندگی کے تاریک دریچوں میں امید کی قندیلیں روشن کی جائیں، اس کے بغیر نہ کچھ ہوا ہے اور نہ ہوگا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے "لیس للانسان الا ماسعی وان سعیہ سوف یری" انسان کے ذمہ کوشش ہے اور اس کے نتائج سامنے آکر رہیں گے، ایک مسلمان آفاق کی وسعت دیکھ کر حیران وششدر مبہوت ودرماندہ ہو کر ہاتھ جوڑ کر ڈونڈت نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ وسعت افلاک میں اپنی تکبیر مسلسل سے زندگی پیدا کرتا ہے، اور وسعت آفاق کو اپنی فکر ونظر کا محور اور کدوکاوش کی جولانگاہ تصور کرتا ہے، اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ ساری کائنات اسی کی خاطر ہے، لیکن اس کی ذات رضائے الٰہی کی تابع ہے، یہی ایک مومن کی پہنچان ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کے گم اس میں ہے آفاق

اس تخیل کی کارفرمائی جب ذہن ودماغ سے گذر کر پورے وجود پر طاری ہو جاتی ہے تو ماحول کی برہمی، زمانہ کی ناسازگاری اور حالات کی ستم رانی کے باوجود ایسے کارہائے نمایاں انجام پاتے ہیں جو معجزات سے کم نہیں ہوتے۔

شعبان المعظم عظمت وفضیلت کا مہینہ

اسلامی تقویم کا ایک اہم قابل قدر اور مبارک مہینہ شعبان المعظم ہے۔ ترتیب میں یہ آٹھواں اسلامی مہینہ ہے۔ اس کو عام زبان میں شب برأت کا مہینہ بھی کہتے ہیں۔ برصغیر ہند و پاک میں حلوؤں، شیریں ٹکیوں اور نوع بنوع کی مٹھائیوں کا بھی اس مہینہ میں خصوصی اہتمام ہوتا ہے اور آج کل عوام الناس میں شہرت کی اصل وجہ یہی ہے۔ چنانچہ دیہاتوں سے لے کر شہروں اور قصبات تک میں اس مہینہ کی آمد کی خوشی میں چنا، روا اور شکر کی گرم بازاری شروع ہو جاتی ہے اور پندرہویں شب کی ضیافت انہی ماکولات سے کی جاتی ہے۔ اس موقع پر جشن کا سماں ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے نئے ملبوسات میں مسرور نظر آتے ہیں۔ چراغاں کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ شاید ہی گھر کا کوئی دروازہ، طاق اور چھتوں کی منڈیروں پر دیے جلانے اور روشنی کا اہتمام نہ کیا جاتا ہو۔ بعض مقامات پر دریاؤں، ندیوں یا تالابوں میں کشتیاں چلائی جاتی ہیں اور شمعیں روشن کی جاتی ہیں اور کنارے تک شمعوں کے روشن رہنے کو نیک فال تصور کیا جاتا ہے۔ رات بھر گلیوں میں پٹاخے داغے جاتے ہیں اور اس طرح لاکھوں روپیہ گندھک اور بارود کی نذر کر دیا جاتا ہے۔

یہ ہے وہ آئینہ جس میں شعبان المعظم اور شب برات کی تصویر نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے اور امت مسلمہ کے عقیدہ و توکل کو "مَـاآتَـاكُـمُ الـرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَـانَهَـاكُـمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" "رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے جو کچھ دیا ہے اس کو لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز آجاؤ" کی کسوٹی پر رکھ کر اس کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا

فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

'شعبان' عربی لفظ ہے۔ جس کے معنی جدا ہونے یا منتشر ہونے کے ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ مہینہ رجب اور رمضان دو اہم مہینوں کے درمیان واقع ہوتا ہے اس لئے اس کو شعبان کہا گیا۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں شعبان کی وجہ تسمیہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس مہینہ میں عرب پانی وغیرہ کی تلاش یا لوٹ مار کرنے کے لئے نکل جاتے تھے گویا رجب کی بندشیں ٹوٹ جاتی تھیں اور لوگ اپنے مقاصد کے حصول میں بکھر جاتے تھے۔ حضرت شیخ محدث عبدالحق دہلویؒ نے شعبان کی وجہ تسمیہ کے ذیل میں یہ تحریر کیا ہے : وَفِی الْحَدِیث اِنَّمَا سُمِّیَ شَعْبَان لِاَنَّہُ یُنْشَعِبُ فِیہِ خَیراً کَثِیراً لِلصَّائِمِ فِیہ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّۃ ''چونکہ اس مہینہ میں روزہ رکھنے والے کے لئے خیر کثیر کے حصول کے ساتھ دخول جنت کی بشارت ہے اس لئے اسے شعبان کہا گیا ہے۔''

حضور ﷺ کا عمل :

شعبان المعظم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مہینہ فرمایا ہے۔ یہ مہینہ جب سایہ فگن ہوتا تو آپ بکثرت روزہ رکھتے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اگر گذشتہ رمضان کے روزے آپ کے ذمہ ہوتے تو ترجیحاً اسی مہینہ میں قضا کرنے کا اہتمام فرماتی تھیں۔ (ترمذی)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ شعبان میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضرت اسامہؓ نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ ''یَارَسُوْلَ اللّٰہ، لَمْ اَرَکَ تَصُوْمُ شَھْراً مِنَ الشُّھُوْرِ مَا تَصُوْمُ مِنْ شَعْبَانِ قَالَ: ذٰلِکَ شَھْرٌ یَغْفُلُ النَّاسُ عَنْہُ بَیْنَ رَجَبَ وَ رَمَضَانَ وَھُوَ شَھْرٌ تُرْفَعُ فِیْہِ الْاَعْمَالُ اِلیٰ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ فَاُحِبُّ اَنْ یُرْفَعَ عَمَلِیْ وَ اَنَا صَائِمٌ'

(نسائی:۲۳۵۷)۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ شعبان میں ہر مہینے سے زیادہ روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ لوگوں نے اس سے بے توجہی برتی ہے حالانکہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں اعمال رب العالمین کے حضور میں پیش کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ روزہ کی حالت میں میرے اعمال پیش کئے جائیں۔ (نسائی)۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ شعبان میں اس سال مرنے والوں کی فہرست تیار کی جاتی ہے۔ لہٰذا میری یہ خواہش ہے کہ کتاب زندگی کے بند کئے جانے کا فیصلہ روزہ کی حالت میں ہو۔ (ماثبت بالسنہ)۔

مبارک رات :

اس مہینہ کی پندرہویں شب ایک نہایت مبارک رات ہے۔ حدیث میں اس رات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ قرآن مجید میں جس لیلۃ المبارکہ کا ذکر آیا ہے اور جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: ''کہ وہ رات ہے جس میں ہر معاملہ کا حکیمانہ اور محکم فیصلہ اللہ کے حکم سے صادر کیا جاتا ہے۔'' الدخان۔ اس کے متعلق حضرت عکرمہؒ جیسے مفسر کا خیال ہے کہ یہ لیلۃ المبارکہ نصف شعبان کی رات ہے اس میں افراد، قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فرشتوں کے حوالہ کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس رات آسمانِ دنیا پر تشریف لاتے ہیں اور بندوں کی مغفرت ہوتی ہے۔

عن عائشۃؓ اَنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ یَنْزِلُ لَیلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَی السَمَاءِ الدُّنْیَا فَیَغْفِرُ لِاَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعَرِ غَنَمِ کَلْبٍ' (ترمذی:۷۳۹)۔

''حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ نصف شعبان کی رات اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان سے دنیا پر تشریف لاتے ہیں اور بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ تعداد میں افراد کی مغفرت فرماتے ہیں۔''

بد بخت لوگ :

اس مبارک رات میں کینہ پرور، بغض وعناد رکھنے والے بدعت میں مبتلا، والدین کی نافرمانی کرنے والے، ناحق قتل کرنے والے، جادوٹونا میں ملوث، ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے، پائجامہ، لنگی کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے، شرابی، جواری، باجہ بجانے والے نیز احسان جتانے والے کی مغفرت نہیں ہوتی۔ ماثبت بالسنہ۔

فیصلہ کی رات :

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ عائشہؓ اس رات کے متعلق تمھیں کچھ خبر ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یارسول اللہ فرمایئے اس رات میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جو انسان اس سال پیدا ہونے والے ہیں، ان کی پیدائش اسی رات میں لکھی جاتی ہیں۔ اسی طرح جو لوگ سال بھر میں مرنے والے ہیں ان سب کی موت بھی اسی رات میں لکھی جاتی ہے۔ اس رات میں لوگوں کے اعمال اوپر پہونچائے جاتے ہیں اور اسی رات میں لوگوں کا رزق اتار دیا جاتا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایسی فیصلہ کن رات کو ہمیں کس طرح گذارنی چاہئے۔ ایک ایک پل کی ہمیں فکر کرنی چاہئے اور رب العزت کے حضور آئندہ پسندیدہ زندگی کی دعا کرنی چاہئے۔

عبادت کی رات، روزہ کا دن :

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

جب نصف شعبان کی رات آجائے تو (عبادت وریاضت اور نماز میں) کھڑے رہو اور اس کے بعد آنے والے دن میں روزہ رکھو۔ اس رات اللہ تبارک وتعالیٰ آفتاب ڈوبتے ہی آسمانِ دنیا پر تشریف لاتا ہے اور فرماتا ہے: ہے کوئی مغفرت کا طالب کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ ہے کوئی روزی کا خواہاں کہ میں اسے روزی دے دوں۔ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے نجات دے دوں۔ اس طرح ہر قسم کے لوگوں کے نام لے کر باری تعالیٰ کی رحمت پکارتی ہے اور یہ معاملۂ رحم وکرم طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔ (ابن ماجہ)۔

لہٰذا اس رات میں عبادت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ دعاؤں کا خاص التزام ہو۔ اگر ذیل کی دعا یاد ہو تو بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرۂ شریفہ میں نماز ادا فرمائی اور اس رات میں یوں دعا کی ہے : 'اَللّٰهُمَّ سَجَدَلَكَ خَيَالِي وَسَوادِي وَاٰمَنَ بِكَ فُوَادِيْ فَهٰذِهٖ يَدِيْ وَمَا جَنَيْتُ بِهَا عَلٰى نَفْسِيْ يَاعَظِيْمُ يرجى لِكُلِّ عَظِيْم اِغْفِرِالذنب العَظِيْمَ سَجَدَ وَجهِي لِلَّذِىْ خلقَهٗ وصَوَّرهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ و بَصَرهٗ اَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ واَعُوذُ بِعَفُوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُبكَ لَا اُحْصِىْ ثَنَاء عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنِيتَ عَلٰى نَفْسِكَ اَقُولُ كَمَا قَالَ اَخِيْ داؤدُ اعْفِرُوجهى فى التُّرَابِ لِسَيِّدِىْ وَحُقَّ لَهٗ اَنْ يَّسْجَدَ ، اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِى قَلْباً تَقِياً مِنَ الشِّرْكِ نَقِياً لَافَا جِراوَّ لَاشقِيّاً' (ماتبث بالسنه۔ ص ٨٤)۔

''اے اللہ! میرے خیال کی بلندی اور وجود کی نیرنگی تیرے حضور میں سجدہ ریز ہے، میرے دل کی گہرائیوں میں تجھ پر ایمان کی قندیل فروزاں اور یہ میرا بازو تیری گرفت کے لئے ارزاں ہے، تو عظمت والا ہے، بڑی سے بڑی مصیبت میں تیری ہی عظمت کی دہائی دی جاتی ہے۔ اے بار الٰہا! گناہوں کو بخش دے، میری پیشانی اس ذات کے لئے جھکی ہوئی ہے جس نے تخلیق سے بہرہ ور کیا۔ شکل وصورت عنایت فرمائی،

دیکھنے اور سننے کی طاقت دی، تیری رضا کا واسطہ دے کر تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں، تیری عفو کا خوگر ہوں۔ انتقام سے پناہ چاہتا ہوں، تجھ ہی سے پناہ کا طالب ہوں، میں تیری تعریف نہیں کرسکتا، تجھے وہ تعریفیں سزاوار ہیں جن کو تو نے اپنے لئے بیان فرمایا ہے۔ میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی داؤد علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا تھا۔ میں سرافگندہ ہوں، آقا کے حضور میں اور یہی حق ہے۔ اے اللہ! مجھے ایسا دل عطا فرما جو متقی ہو، شرک کی آلودگی سے پاک ہو، نافرمان اور بدبخت نہ ہو۔''

عارف باللہ امام ابوالحسن البکریؒ نے فرمایا کہ اس رات میں یہ بھی دعا بہتر ہے :

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفُوَ فَاعْفُ عَنِّي يَا كَرِيْمُ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ الْعَفُوَ وَالْعَافِيَةَ وَالمعَافَاةُ الدَّائِمةَ فِي الدُّنيَا وَالْاٰخِرَةَ o

''اے اللہ! تو کریم ہے، عفو و درگذر کو پسند فرماتا ہے، تو مجھے معاف فرمادے۔ اے اللہ! میں تجھ سے عفو اور دائمی عافیت کا طالب ہوں۔''

حضرت اسحاق بن راہویہ مشہور محدث ہیں، ان کے بارے میں آتا ہے کہ اس رات میں خاص اہتمام فرماتے، اپنے تلامذہ اور دیگر متعلقین کے ساتھ اس رات میں شب بیداری کرتے اور رات بھر ذکر و تلاوت اور تسبیحات و نماز میں مشغول رہتے۔

کوئی مخصوص نماز نہیں :

اس مبارک رات میں کوئی مخصوص نماز نہیں ہے بلکہ اپنی طاقت و رغبت کے مطابق نوافل کا اہتمام کرنا چاہئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس رات میں بعض نماز کا اپنی کتاب ''ماثبت بالسنہ'' میں تذکرہ کیا ہے، لیکن وہ روایتیں موضوع ہیں۔ مشہور محدث ملا علی قاریؒ نے اس موقع پر لکھا ہے :

اُعلم أن المذكور في اللآلي ان مأة ركعة في نصف شعبان بالاخلاص

عشر مرات فی کل رکعة مع طول فضله للدیلمی وغیره موضوع و فی بعض الرسائل، قالَ علی ابن ابراھیم : وممااحدث فی لیلة النصف من شعبان الصلوة الفیه مأة رکعة بالاخلاص عشرا عشرا بالجماعة واھتموا بھا اکثر من الجمع والاعیاد لم یات بھا خبر ولا أثر ضعیف أو موضوع ولا تفتربذکر صاحب القوت والاحیاء و غیرھما' (تحفة الاحوذی۔ ج۲۔ ص۵۳)۔

صلوۃ الفیہ جس میں سو رکعت باجماعت ادا کرتے ہیں، لیکن اس کا ثبوت کسی ادنیٰ درجہ کی روایت سے بھی نہیں ملتا۔ پانچویں صدی ہجری میں اس نماز کا بڑا زور تھا اور سب سے پہلے یہ نماز بیت المقدس میں ۴۳۸ھ میں بڑے اہتمام سے پڑھی گئی تھی۔ اس دور کے علماء نے اس کی مخالفت کی۔ یہاں تک کہ آٹھویں صدی ہجری میں یہ بدعت ختم ہوگئی۔ اسی نماز کے ذیل میں چراغاں کی بھی ابتداء ہوئی۔ لوگ رات میں گذرنے والوں کے لئے اپنے دروازوں اور دیواروں، مسجدوں کے زینوں کو روشن کرتے۔ مسجدوں کو چراغوں سے خوب سجایا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی ابتداء اصلاً برامکہ نے کی جو مجوسیت سے اسلام میں آئے تھے، لیکن مجوسیت کے اثرات سے پاک نہیں ہوسکے تھے۔ انھوں نے اس طرح آگ کی پرستش کا بہانا بنایا۔ ملاعلی قاریؒ نے اس موقع پر بھی لکھا ہے :

'قیل اول حدوث الوقید من البرامکه وکانوا عبدة النار فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام مایموھون انه من سنن الھدی و مقصودھم عبادة النیران'

چراغاں اور آتش بازی :

اس مبارک رات میں فضول چراغاں کرنے سے اپنے کو بچانا چاہئے۔ فضولیات میں پیسہ ضائع کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور پھر یہ کہ اس میں رسم کفار سے بھی مشابہت پائی جاتی ہے اور یہ احساس ابھرتا ہے کہ نعوذ باللہ یہ بھی

مسلمانوں کی ایک دیوالی ہے۔اسی طرح آتش بازی جس کے فضول ہونے میں کلام نہیں۔ اللہ کی رحمت کے فرشتے گندھک کی بدبو سے کیسے قریب ہوں گے۔لہٰذا ہم اپنے اس عمل سے اللہ کی رحمت سے دور مہجور ہوجاتے ہیں اور شب برأت جیسی مقدس رات میں بجائے سامان مغفرت کرنے کے سامانِ جہنم کے مترادف ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" (ابو داؤد:۴۰۳۱) "جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے۔"یعنی حشر میں انہی کے ساتھ اس کا معاملہ کیا جائے گا۔ کیسی بدنصیبی ہوگی کہ آج ایمان کی دولت حاصل ہونے کے باوجود ہم اس کی ناقدری کر کے ازلی بدبختی کے شکار ہوجائیں اور یہ مبارک رات حلووں کی دعوتیں، چراغوں، قمقموں کی نیرنگیاں اور آتش بازیوں کی دھوم دھام کی نذر ہوجائے اور عبادت وذکر کی طرف توجہ بھی نہ ہو پائے۔مبارک ہیں وہ لوگ جن کی یہ رات عبادت میں گذری ہو، قبرستانوں میں جاکر اپنی آخری منزل کو یاد کیا ہو، رو رو کر دعائیں کی ہوں اور دن روزہ کی حالت میں گذرا ہو اور رحمت، مغفرت اور عنایت ربانی سے شادکام ہوئے ہیں۔"وَمَا تَوْفِيقِيَ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيبُ"۔

رمضان المبارک

سعادت انسانیہ اور ہدایت امم کے ظہور کی یادگار

رمضان المبارک کا مہینہ وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں اللہ رب العزت نے ہماری ہدایت کے لئے اپنا آخری کلام نازل کیا۔ یہ وہ احسان عظیم ہے جو اللہ رب العزت نے اس امت پر کیا ہے جس سے امت مسلمہ کی زندگی، عظمت، ترقی، غلبہ وتسلط دنیا اور آخرت کی کامیابی وابستہ ہے۔ وہ رضائے الٰہی کی شاہ کلید ہے جو زندگی کے سارے مسائل کا حل ہے۔ وہ کلام الٰہی ہے جسے پڑھنے والے کو ایک گونہ ذات الٰہی سے اتصال وقرب حاصل ہوجاتا ہے۔ اس کا فیض روح کو بالیدگی اور ایمان کو تازگی بخشتا ہے۔

یہ ماہ مقدس حقیقت میں اس سعادت انسانیہ اور ہدایت امم کے ظہور کی یادگار ہے جس کا دروازہ قرآن حکیم کے نزول سے کھلا اور خدا اور اس کے رسول کے درمیان وصل و محبت کے راز ونیاز شروع ہوئے۔ مادی زندگی سے انفعال اور روحانی زندگی سے قرب و اتصال کا یہ وہ بہترین موسم ہے جس میں شمیم روحانیت کی عطر بیزی سے گلی کوچے معطر ہوجاتے ہیں اور بندگی میں ایسی زندگی پیدا ہوجاتی ہے جس سے روح وقلب پر چھائی ہوئی پژمردگی نشاط وتازگی سے بدل جاتی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :

’’شَهرُ رمضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرآن هُدَی لِلنَّاسِ و بینَاتٍ مِنَ الْهُدٰی وَالْفُرقَان‘‘ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا جو انسانوں کے لئے سرتاپا ہدایت ہے اور جس کی تعلیم ہدایت وتمیز اور حق وباطل کی نشانی ہے۔‘‘

اسلامی تقویم کا یہ نواں مہینہ ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی اسے رمضان کہا جاتا تھا۔ ''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' کی تصریح کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب میں یہ مہینہ سخت گرمی میں عام طور پر آتا تھا، اس لئے اس کو رمضان کہا گیا۔ اس لئے کہ عربی میں رمضاء یا رمض کے معنی شدتِ گرما کے ہوتے ہیں۔ ''رمض'' اس بارش کو کہتے ہیں جو موسم خریف سے پہلے ہوتی ہے جبکہ زمین سخت بنی ہوتی ہے۔ "اَلْمَطَرُیَاتِیْ قَبْلَ الْخَرِیْفِ فَیَجِدُالْاَرْضَ حَارَّۃً مَحْتَرَقَۃً" (المعجم الوسیط)۔

اسلام نے عظمت وسعادت سے اس مہینہ کو مقدس و بابرکت بنا دیا اور ہدایت کی ایسی ساقی گری ہوئی کہ انسانیت آسودہ ہوکر سرشار ہوگئی۔ جس رات یہ برکت وسعادت اتری وہ ایسی بابرکت رات قرار پائی جس کی نظیر دنیا نے کبھی نہیں دیکھی۔ اس مقدس انعام خداوندی اور عطائے ربانی کا تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد نے یوں فرمایا ہے :

''یہ انقلاب جس نے دنیا کے لیالی وایام ہدایت کی تقویم بدل دی۔ فی الحقیقت ایک مقدس رات تھی جو وادی بطحا کے کنارے سے جبل بوقبیس کی ایک تنگ وتاریک غار کے اندر نمودار ہوئی اور اس شبستانِ لاہوتی کے اندر مشرق سے ربوبیتِ اعلیٰ کا آفتابِ کلام اللہ طلوع ہوا۔ فیضانِ الٰہیہ کے بحور وانہار جوش میں آگئے۔ ملأ اعلیٰ اور قدوسیانِ عالم بالا میں ہلچل مچ گئی، مدبرات روحانیہ اور ملائکہ سماویہ کو حکم ہوا کہ زمین کی طرف متوجہ ہوجائیں، کیونکہ اب وہ آسمانوں میں مقہور ومخذول نہیں رہی۔ آسمانوں کے وہ دروازے جو صدیوں سے زمین پر بند کردیئے گئے تھے یکا یک کھل گئے اور یہ مقدس نغمہ آسمان وزمین کی وسعتوں میں بکھرتا چلا گیا۔

''ہم نے قرآن پاک کو لیلۃ القدر میں اتارا اور تم سمجھتے ہو لیلۃ القدر کیا شئے ہے؟ لیلۃ القدر ایک عہد رحمت ودورِ برکت ہے، جو ہزاروں مہینوں سے افضل ہے۔ ملائکہ سماوی و

روحِ الٰہی کا اس میں ہر طرف سے نزول ہوتا ہے۔ سلام اس پر یہاں تک کہ صبح طلوع ہوجائے۔'' (سورہ قدر)۔

اس مبارک مہینہ کی اہم عبادت روزہ ہے جو اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ عربی میں اسے ''صوم'' کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی رکنے کے ہیں۔ بندہ اللہ کی رضا و مغفرت کی امید اور انعامِ ربانی کے نزول کی یاد میں کھانا، پینا اور بیوی سے کنارہ کشی اختیار کر کے مالک کا شکر و سپاس ادا کرتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ یوں رقم طراز ہیں :

''عربی میں اس کو 'صوم' کہتے ہیں جس کے معنی رکنے اور چپ رہنے کے ہیں۔ بعض مفسرین کی تفسیروں کے مطابق قرآن پاک میں کہیں اس کو صبر بھی کہا گیا ہے جس کے معنی ضبطِ نفس، ثابت قدمی اور استقلال کے ہیں۔ ان معنوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی زبان میں روزہ کا کیا مفہوم ہے؟ وہ درحقیقت نفسانی ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشوں سے اپنے آپ کو روکنے اور حرص و ہوا کے ڈگمگا دینے والے موقفوں میں اپنے آپ کو ضابط اور ثابت قدم رکھنے کا نام ہے۔ روزانہ استعمال میں عام طور پر نفسانی خواہشوں اور انسانی حرص و ہوا کا مظہر تین چیزیں ہیں: یعنی کھانا، پینا اور عورت و مرد کے جنسی تعلقات۔ انہی سے ایک مدت متعین تک رکے رہنے کا نام شرعاً روزہ ہے، لیکن دراصل ان ظاہری خواہشوں کے ساتھ باطنی خواہشوں اور برائیوں سے دل اور زبان کو محفوظ رکھنا بھی خواص کے نزدیک روزہ کی حقیقت میں داخل ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے : ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهرَ فَلْيَصُمْهُ ''جو شخص روزہ کا مبارک مہینہ پائے وہ روزہ رکھے۔ لہٰذا ہر مسلمان عاقل، بالغ پر روزہ رکھنا فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ شعبان المعظم کا چاند نظر آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنا شروع فرما دیتے تھے۔ آپ کا

ارشاد ہے: ''شعبان میرا مہینہ ہے۔'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ شعبان کے مہینہ میں روزہ کا اہتمام آپؐ اس درجہ فرماتے کہ مجھے گمان ہونے لگتا کہ آپ افطار ہی نہیں کریں گے۔ یعنی کوئی دن بغیر روزہ کے نہ ہوتا۔ یہ سب کچھ آپؐ اس لئے فرماتے کہ رمضان المبارک میں کسی درجہ کوتاہی نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ آپؐ کی ذاتِ گرامی سے تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ آپؐ کا یہ اسوہ امت کے لئے ہے تاکہ رمضان المبارک کی عظمتوں اور برکتوں سے یہ امت کما حقہ بہرہ ور ہوسکے۔

بہاروں کا موسم :

رمضان المبارک روحانیت کے فروغ اور رضائے الٰہی کے حصول کا وہ بہترین موسم ہے جس میں چھوٹا سے چھوٹا عمل بھی اجر عظیم کا حامل ہوتا ہے۔ اس ماہ مقدس کی آمد کی خوشی میں جنت کو آراستہ کیا جاتا ہے اور اس کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جہنم کے دروازوں کو بند کردیا جاتا ہے اور وہ ذات بے ہمتا بے شمار اپنے مخلص بندوں کو پروانۂ نجات اور مغفرت وسعادت سے نوازتی ہے۔ نفس کا زور کم ہوجاتا ہے اور شیاطین کی شہ زوریاں بیڑیوں سے جکڑ دی جاتی ہیں۔ ہر عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستّر فرض کے برابر ہوجاتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو روزہ کے حدود کی رعایت کرے، منہیات سے اپنے آپ کو بچائے تو اس کا روزہ سابقہ گناہوں کے لئے کفارہ ہوجاتا ہے۔ (مسند احمد)

روزہ کا حق :

روزہ دار اللہ رب العزت کا مہمان ہوتا ہے۔ وہ روزہ کی حالت میں عروج کی

طرف مائل ہوتا ہے۔قرب الٰہی اور اللہ رب العزت کے مائل بہ کرم ہونے کی وجہ سے اس میں ملکوتی صفات پیدا ہوتی ہیں اور یہ صفات حقیقت میں مانع غضب الٰہی ہیں۔لہٰذا فرمایا گیا: ''روزہ ڈھال ہے'' غضبِ الٰہی سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔نفس وشیطان کے مکروفریب سے حفاظت کا وسیلہ ہے۔لہٰذا روزہ کا اہتمام کرنا چاہئے اور اس ربانی ڈھال میں کوئی خراش بھی نہ آنے پائے، اس کی پوری رعایت کرنی چاہئے، یہی روزہ کا حق ہے۔اللہ کے رسول کا ارشاد ہے :

''جو روزہ رکھے تو گناہ و بے حیائی کے کام نہ کرے اور نہ ہی نادانی سے پیش آئے۔اگر کوئی اس سے جھگڑا کرے یا گالی گلوج پر اتر آئے تو کمالِ دانشمندی کے ساتھ یہ بار بار عرض کردے کہ بھائی میں روزہ سے ہوں۔''

روزہ کی حفاظت منہ اور شرمگاہ کی حفاظت سے ہوتی ہے۔منہ کی حفاظت یہ ہے کہ بدزبانی نہ کرے، جھوٹ نہ بولے، غیبت نہ کرے یا بدگوئی اور ہرزہ سرائی سے غایت درجہ پرہیز کرے۔اس لئے کہ یہ سب چیزیں ناپاک اور غلیظ ہیں۔روزہ پاکی اور طہارت کا سرچشمہ ہے۔وہ ایسی خوشبو ہے جس کی عطر بیزی کائنات میں اللہ رب العزت کے نزدیک سب سے زیادہ قابل قدر ہے۔اس رب کی قدر افزائی کا لحاظ کرنا چاہئے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے : 'وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَاللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ' (بخاری:۱۹۰٤) ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ رب العزت کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ عطر بیز اور فرحت انگیز ہے۔''

رب کے ہاتھوں انعام :

اسی محبوبیت کا نتیجہ ہے کہ رب دوعالم نے روزہ کو اپنی ذات کے محبت کے

اظہار کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اپنے ہاتھوں اس پر انعام کا وعدہ فرمایا۔ ارشاد ہے : يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ وَ شَهْوَاتِهِ مِنْ اَجْلِي الصِّيَامُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهِ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا ''میرا بندہ میری خاطر کھانا، پینا اور دیگر شہوتوں کو ترک کر کے روزہ رکھتا ہے (تو وہ میری نظر میں اس درجہ قابل قدر ہے) کہ میں اس کو اس کا مخصوص بدلہ عطا کروں گا۔'' بعض روایتوں میں ہے کہ میں خود بدلہ بن جاؤں گا اور نیکی کا بدلہ دس گنا دوں گا۔

روزہ کی شفاعت :

قیامت کے دن روزہ دار کے لئے تسلی و تشفی اور ہر دلعزیزی کا ذریعہ ہوگا۔ وہ بارگاہ رب العزت میں شفیع بن کر کھڑا ہوگا اور ایک عظیم محسن کا کردار یوں ادا کرے گا، روزہ عرض کرے گا میرے مالک میں نے دن میں کھانے پینے سے روکا، نفسانی شہوتوں سے باز رکھا، تو اس بندہ کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ قرآن پاک عرض کرے گا: بارالہا، میں نے راتوں کو تلاوت کلام پاک میں مشغول رکھ کر سونے سے باز رکھا، تو میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ رب العزت کے حضور میں دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (مسند احمد)

حضرت ابوامامہؓ کا بیان ہے کہ بارگاہ رسالت میں حاضری ہوئی تو عرض کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ فرمایا: روزہ کا اہتمام کرو، اس کے برابر کوئی عمل نہیں۔ دوبارہ عرض کرنے کے جواب میں بھی آپ نے یہی فرمایا: عليك بالصوم فانه لامثل له ''روزہ کا اہتمام کرو اس جیسا کوئی عمل نہیں۔'' (نسائی: ۲۲۲۰)

جو روزہ چھوڑے :

کس قدر محروم ہے وہ شخص جو اپنے رب کی اس عنایت کی قدر نہ کرتا ہو، روزہ کو چھوڑتا

ہو یا روزہ رکھ کر فضولیات اور لغویات میں پڑا رہتا ہو۔ مغلظات کی خاردار جھاڑیوں میں اس کا دامن الجھا ہوا ہو، سب وشتم کے تیر سے اس کا روحانی وجود چھلنی ہو چکا ہو، وہ نوازش ربانی کا تحمل کیسے کرسکتا ہے، اس کے کیف پرور اور جاں نواز عطر بیز جھونکے سے اِسے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے، بلکہ ایسے شخص کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ سرے سے وہ ایمان ہی سے محروم ہوجائے اور ازلی عتاب میں گرفتار ہوجائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دین واسلام کے اہم اصول تین ہیں جن پر اسلام کی بنیادیں ہیں۔ ان میں سے ایک کا بھی تارک کافر ہے، اس کا خون مباح ہے وہ تین چیزیں یہ ہیں: (۱) کلمہ طیبہ (۲) نماز (۳) روزہ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: جو شخص ایک دن بھی روزہ بغیر عذر کے چھوڑے تو زندگی بھر کا روزہ بھی اس کو پورا نہیں کرسکتا ہے۔ (ابوداؤد)۔

امام ذہبی نے فرمایا ہے کہ اہل ایمان کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ جو بغیر کسی بیماری کے روزہ چھوڑ دے وہ زانی، شرابی سے زیادہ برا ہے، بلکہ اس کے اسلام میں شک ہے اور کفر وزندقہ کا خطرہ ہے۔ (فقہ السنہ۔ ج ۱۔ ص ۳۶۷)۔

روزہ چھوڑنے پر بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کے لئے کیسے یہ روا ہوگا کہ وہ چند ٹکڑوں کے لئے اس عظیم نعمت سے محروم ہوکر عتاب الٰہی کا نشانہ بنے اور ابدی بدبختیوں اور شقاوت سے دوچار ہو۔ العیاذ باللہ۔

سحری :

روزہ دار کو سحری کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ بہت سے لوگ اس میں کوتاہی کرتے ہیں۔ ان کا ذہن حقیقت میں سحری کی مادی منفعت یعنی حصول قوت کی طرف جاتا ہے۔ حالانکہ سحری تحصیل قوت کے ساتھ اجر وثواب کا بھی ذریعہ ہے۔ لہٰذا کھانے کی خواہش نہ بھی ہو، پھر بھی کچھ نہ کچھ بہ نیت ثواب ضرور کھانا چاہئے۔ خواہ ایک کھجور اور ایک

گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لوگو! سحری کھایا کرو، سحری کھانے میں برکت ہے۔(بخاری ومسلم)۔

حضرت مقداد بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ سحری کا اہتمام کرو کیونکہ سحری بابرکت غذا ہے۔(نسائی)۔

برکت سے مراد قوت ونشاط ہے جو سحری کے ذریعہ روزہ دار کو حاصل ہوتا ہے، جس کی وجہ سے روزہ رکھنا آسان ہوجاتا ہے۔حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ سحری یقیناً وجہ برکت ہے۔ چنانچہ سحری کرنا ترک نہ کرو، خواہ ایک گھونٹ پانی ہی پی لیا کرو۔ کیونکہ اللہ رب العزت سحری کرنے والے پر رحمت نازل کرتے ہیں اور فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں۔سحری کا وقت طلوع صبح صادق سے پہلے پہلے ہے۔آخری وقت میں سحری کرنا بہتر ہے۔

افطار :

روزہ کا عمل طلوع صبح سے شروع ہوکر آفتاب کے غروب ہونے تک پورا ہوتا ہے۔ آفتاب غروب ہوتے ہی بغیر تاخیر کئے ہوئے افطار شروع کردینا چاہئے۔اس سلسلہ میں اذان کا انتظار کرنا ضروری نہیں۔البتہ قرائن کے طور پر کسی دیگر چیز سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

حدیث شریف میں افطار کی بڑی فضیلت ہے۔جس بندہ کو کھانے پینے سے روک دیا گیا تھا اب اس کا کھانا پینا حصول رضا کا ذریعہ ہوتا ہے۔اسی لئے افطار میں عجلت بہتر ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک لوگ افطار میں جلد بازی سے کام لیتے رہیں گے وہ خیر پر قائم رہیں گے۔(بخاری ومسلم)۔

خیر سے مراد کیا ہے؟۔

خیر کا مفہوم بہت عام ہے لیکن سب سے اعلیٰ اور جس کو جامع الخیر کہا جاسکے وہ ایمان ہے۔قرآن پاک نے خیر کو اس مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

''تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خیر کی طرف دعوت دے رہی ہو۔'' (سورہ نساء) تو معلوم ہوا کہ روزہ دار کے لئے افطار کی برکت سے ایمان پر قائم رہنے کی بشارت دی جا رہی ہے اور ایمان وہ عظیم سرمایہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضور اکرمؐ نماز مغرب سے پہلے تازہ کھجوروں سے افطار فرمایا کرتے تھے۔ اگر تازہ کھجوریں میسر نہ آتیں تو خشک کھجوریں ہی استعمال فرمالیتے۔ اگر وہ بھی حاصل نہ ہوتیں تو ایک دو چلو پانی ہی سے افطار کرلیا کرتے تھے۔ (ابوداؤد، ترمذی)۔

نماز سے پہلے کھانا :

جہاں تک افطار کا تعلق ہے وہ نماز سے پہلے ہو، اور اس میں جو کچھ میسر ہو، اس سے افطار کرلیا جائے۔ اب رہی یہ بات کہ کھانا حاضر ہے تو نماز سے پہلے کھانے سے بھی فارغ ہوا جاسکتا ہے کہ نہیں تو اس کی بھی اجازت ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ کھانا نماز مغرب کے بعد ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے : اِذَا قَـدِمَ الْـعَشَـاءُ فَابْدَؤابِهٖ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ وَلَاتَعَجَّلُوْا عَنْ عَشَاءِ كُمْ (رواہ الشیخان)۔

''اگر کھانا حاضر ہو تو نماز سے پہلے کھانا کھاؤ اور کھانے میں عجلت نہ کرو۔''

افطار کے بعد :

افطار کرتے ہی روزہ کا عمل اسوۂ نبوی کے مطابق مکمل ہوجاتا ہے۔ پیاسی رگیں تر ہوجاتی ہیں۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ زبان پر اللہ رب العزت کی حمد وثنا کے الفاظ جاری ہوجاتے ہیں، اس وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے :

''ذَهَـبَ الـظَّـمَـأُوَابتَلَّـت الـعُـرُوُق وَثَبَـتَ الْاَجُـرانِ شَـاءَ اللّٰهُ(ابو داؤ:۲۳۵۷)

''پیاسی رگیں تر ہوگئیں اور انشاءاللہ اجر ثابت ہوگیا۔''

افطار کے وقت دعاؤں کی مقبولیت کا وقت ہے۔ اہتمام سے افطار سے قبل دعا کرنی چاہئے۔ اللہ رب العزت اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے :

اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِہٖ دَعْوَۃٌ مَاتُرَدُّ(شعب الإیمان:۳۹۰۷) ''افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔'' لہٰذا افطار شروع کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھم لَکَ صُمتُ وَعَلیٰ رِزقِکَ اَفطَرتُ(المعجم الاوسط:۷۵۴۹)

''اے اللہ تیرے لئے روزہ رکھا اور تجھی پر ایمان لایا اور تیری ذات پر بھروسہ کیا اور تیرے دیئے ہوئے رزق سے افطار کیا۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو روزہ کے برکات سے نوازے اور اسوۂ نبوی پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

شب برأت اور ہمارا طرزِ عمل

اللہ تبارک تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے۔اس ذات بے ہمتا نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے، ورنہ کوئی شخص اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا،لیکن اس ذات وحدہٗ لاشریک کے سامنے بڑے سے بڑے خطا پر بھی ندامت کے چند آنسو بہا لئے جائیں اور خلوص دل سے توبہ کرلیا جائے تو اسے معاف کردیتا ہے۔بندے کی طلب اور جستجو کے بقدر اس کی عنایتوں کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔اپنی نوازش سے اس نے سال کے بعض مہینوں اور کچھ دنوں کو ایسی فضیلت دی ہے جس میں اس کی رحمت عام ہوتی ہے۔عنایات وکرم کی ایسی بارش ہوتی ہے کہ معمولی عمل پر بھی اس کا فیضان بے پناہ ہوتا ہے اور بسا اوقات ایک دن کی قدر پورے سال کی سلامتی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔شاید حدیث پاک میں اسی طرف اشارہ ہے : اِذَاسَلِمَتِ الْجُمُعَةُ سَلِمَتِ الْاَیَّامُ وَاِذَا سَلِمَ رَمَضَانُ سَلِمَتِ السُّنَّةُ ''جب جمعہ کا دن سلامتی سے گذر جاتا ہے تو بقیہ دنوں میں بھی سلامتی رہتی ہے اور ماہ رمضان کی سلامتی پر سال کی سلامتی موقوف ہے۔''

انہی مبارک دنوں میں سے شب برأت بھی ہے۔شعبان کی پندرہویں شب کو شب برأت یا لیلۃ البراۃ کہا جاتا ہے۔اس رات کی بڑی فضیلت آئی ہے، ہر چند کہ اکثر احادیث پر محدثین نے کلام کیا ہے اور درجہ صحت سے فروتر سمجھا ہے، لیکن پھر بھی ''صحاح'' میں بعض حدیثیں ایسی آئی ہیں جس سے اس رات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تو ماثبت بالسنہ میں فیہا یفرق کل امر حکیم کی تفسیر میں حضرت عکرمہؓ سے یہ نقل کیا ہے : 'قَالَ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ یُبْرَمُ

أَمْرُ السُّنَّةِ وَتُنْسَخُ الْاَحْيَاءُ وَ يُكْتَبُ الْحَاجُّ فَلَايُزَادُ فِيهِمْ اَحَدٌ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَحَدٌ' (رواہ ابن جریر۔ابن السد روابن ابی حاتم نے فرمایا کہ وہ رات شعبان کی پندرہویں شب ہے، جس میں سال بھر کا معاملہ طے ہوجاتا ہے۔ زندوں کی فہرست بن جاتی ہے۔ حجاج کی نشاندہی کردی جاتی ہے، پھر اس مرتب شدہ فہرست میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں اپنی تمام مخلوق کی طرف اپنی خاص توجہ فرماتے ہیں اور مشرک وکینہ پرور کے سوا سب کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔'' (ترغیب وترہیب۔۲۱۰)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاکر تلاش میں نکلی۔ آپؐ جنت البقیع (مدینہ منورہ کا قبرستان) میں تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آج نصف شعبان کی رات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کو جہنم سے نجات دے گا جتنے قبیلۂ بکر کی بکریوں کے بال ہیں۔ مگر چند بدنصیب شخصوں کی طرف اس رات میں بھی نظر عنایت نہ ہوگی: (۱) مشرک، کینہ پرور (۲) قطع رحمی کرنے والا (۳) پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا (۴) اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا۔ (۵) شراب نوشی کرنے والا۔

یہ حدیث امام بیہقی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ باختلاف الفاظ یہ روایت ترمذی ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ میں بھی موجود ہے۔ ایک اور حدیث امام بیہقی نے حضرت عائشہؓ ہی سے یوں نقل فرمائی ہے۔

''ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے کھڑے ہوئے، نماز شروع کی اور سجدہ میں گئے تو اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ خطرہ ہوگیا کہ شاید خدانخواستہ آپ کی روح قبض ہوگئی۔ یہاں تک کہ میں پریشان ہوکر اٹھی اور پاس جاکر انگوٹھے کو حرکت دی تو آپ

نے کچھ حرکت فرمائی، جس سے مجھے کچھ اطمینان ہوا اور اپنی جگہ لوٹ آئی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا:

''تم جانتی ہو کہ یہ کون سی رات ہے۔'' میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''یہ نصف شعبان کی رات ہے، اللہ تعالیٰ اس رات کو خاص طور سے دنیا والوں کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور مغفرت مانگنے والوں کی مغفرت اور رحم کی دعا کرنے والوں پر رحم فرماتے ہیں، مگر آپس میں کینہ رکھنے والوں کو ان کے ہی حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔'' (ترغیب وترہیب)۔

ابن ماجہ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب نصف شعبان کی رات آئے تو رات کو جاگو اور نماز پڑھو اور دن کو روزہ رکھو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس رات کو غروب آفتاب سے ہی نیچے آسمان پر تجلی فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ ہم اس کی مغفرت کریں، کوئی رزق مانگنے والا ہے کہ ہم اس کو رزق دیں یہ صدائے عام اسی طرح صبح تک جاری رہتی ہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو جائے۔''

یہ حدیثیں ذرا غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ وہ مالک وحدہ لاشریک اپنے بندوں کے حق میں کیسا مہربان ہے۔ وہ اپنے بندوں کی دستگیری کے لئے کس قدر بے تاب ہے، ہے کوئی دستگیری چاہنے والا۔ آج حالات کی ستم ظریفی کا رونا رویا جارہا ہے لیکن کیا ایسے مہتم بالشان مواقع جس میں اللہ کی نصرت کے فیصلے ہوا کرتے ہیں۔ اپنی غفلت کے نتیجے میں ہم ضائع نہیں کر دیتے ہیں۔

شب برأت ہم منانے کا اہتمام ضرور کرتے ہیں لیکن کس طرح۔ زرق برق لباسوں، دعوتوں، گلی کوچوں، مساجد اور گھروں پر برقی قمقموں کو لگانے اور روشنی کا خاص

اہتمام کر کے پٹاخوں کے شور شرابہ اور بارود کی گھن گرج اور بدبو سے اس رات کی برکتوں کو دور بھگا دیتے ہیں۔ عورتیں قسم در قسم کے حلوے تیار کرنے میں دن بھر مصروف رہ کر رات سو کر گذار دیتی ہیں۔ مصروفیات کی وجہ سے دن میں روزہ کا بھی اہتمام نہیں ہوتا۔ حلوہ پکانے کا ایسا التزام ہوتا ہے کہ گویا اس کے بغیر اسلام کی تکمیل ادھوری رہ جائے گی۔ پھر اس عمل کو وجہ ثواب بھی جانا جاتا ہے۔ مردوں کے لئے ان کی عمر وفات کا لحاظ کرتے ہوئے سخت و نرم حلوہ تیار کیا جاتا ہے اور اس پر نیاز کرائی جاتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مُردوں کو یہ حلوہ پہونچ رہا ہوگا۔ حلوہ پکانے میں یہ نکتہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہونے پر آپ نے حلوہ تناول فرمایا تھا یا حضرت اویس قرنیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے سارے دانت توڑ دیئے تھے۔ لہٰذا وہ حلوہ نوش فرماتے تھے، اگر یہی نکتہ ہے تو حقیقت میں شعبان کے بجائے شوال میں اس کا اہتمام ہونا چاہئے کیونکہ غزوۂ احد میں آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور وہ شوال المکرّم کا مہینہ تھا اس سے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ شب برأت حضرت حمزہؓ کی شہادت کا دن ہے، اس لئے حلوہ پکا کر فاتحہ دلواتے ہیں۔

پندرہویں شب کو عورتیں عرفہ کہتی ہیں اور یہ خیال کرتی ہیں کہ مُردوں کی روحیں آج آپس میں ملتی ہیں اور اس سال جس کی وفات ہوتی ہے وہ خاص طور پر آج کی رات مُردوں کی برادری میں شامل ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کے نام سے حلوہ کا فاتحہ دلاتی ہیں یہ نری جہالت ہے۔ بعض جگہوں پر نئے برتنوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جس طرح ہندو دیوالی کے موقع پر کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جن سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول گرامی کی روشنی میں اگر کوئی بات ہو سکتی ہے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں حسب ذیل امور مسنون ہیں۔

(۱)رات میں نماز پڑھنا اور ذکروتلاوت میں مشغول رہنا۔قبرستان جانا۔
(۲)اس رات کی صبح یعنی پندرہویں تاریخ کوروزہ رکھنا۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے اس موقع پرلکھا ہے : ''یہی وجہ ہے کہ صحابہ وتابعین سے رات میں جاگنا اوراعمالِ مسنونہ پرعمل کرنا قابل اعتمادروایت سے ثابت ہوا ہے۔ جیسا کہ مواہب لدنیہ کے آخر میں لکھا ہےاورابن حاج مکی مدخل ص ۲۴۸ میں فرماتے ہیں کہ سلف صالحین اس رات کی تعظیم کرتے اوراس کے لئے پہلے سے تیاریاں کرتے تھے، نیز مذکورہ روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل گناہ اس قدر سخت ہیں کہ اس کی وجہ سے اس رات کی تمام تر برکتوں سے محرومی ہوجاتی ہے۔

(۱) خدا کے ساتھ اس کی ذات وصفات میں کسی کوشریک سمجھنا۔(۲) کسی مسلمان بھائی سے کینہ رکھنا۔(۳) عزیزوں،قریبوں کے جوحقوق ہیں ان کوادا نہ کرنا، ان سے بدسلوکی کرنا۔(۴) پائجامہ یا تہ بند ٹخنے سے نیچے لٹکانا۔(۵) والدین کی نافرمانی کرنا۔(۶) شراب پینا۔(۷) رشوت لینا۔(۸) جادوکرنا۔(۹) غیب کی خبریں بتانا۔(۱۰) فال نکالنا۔

اوربھی وہ اعمال ہیں جن پرخدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔لہٰذا ان تمام باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔مال ودولت اللہ کی نعمت ہے اس کا حساب دینا ہوگا۔لہٰذا آتش بازی میں پیسہ ضائع نہیں کرنا چاہئے۔آتش بازی میں پیسہ لگانا فضول خرچی ہے اور فضول خرچی کرنے والے کواللہ تعالیٰ پسندنہیں کرتے ہیں۔خصوصاً موجودہ حالات میں جب امت کا ایک طبقہ فرقہ وارانہ فساد کی زد میں آکرنانِ شبینہ کامحتاج ہے۔کتنی بیواؤں کی آہیں اور کراہیں فضا میں چیخ وپکار رہی ہیں،کتنوں کی دکانیں جلادی گئی ہیں اور وہ حسرت ویاس کے عالم میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں کہ کاش کوئی مدد کے لئے

آئے۔ایسے حالات میں اگر کوئی فضول خرچی کرتا ہے تو ملت اسلامیہ کا وہ ظالم فرد ہے،اس کو اس پر غور کرنا چاہئے۔اس مبارک رات میں توبہ کرنا چاہئے، دعاؤں کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے۔ابتہال وتضرع کے ساتھ رو رو کر اس رات میں دعا کریں۔اگر پوری رات جاگنا مشکل ہو تو شروع رات میں نماز وتلاوت کا اہتمام کریں۔صلوۃ التسبیح کا اگر اہتمام کریں تو بہتر ہے اور اگر یہ خیال کریں کہ یہ راتیں ہمیشہ میسر نہیں آنے والی ہیں۔لہٰذا قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور عمل کے جذبہ سے سرشار ہو کر اللہ کے حضور میں کھڑے ہو جائیں۔

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سایہ تلے
حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سایہ تلے

●●●

غیر مسلموں کے درمیان دعوتی کام اور اُس کا اُسلوب

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی بے شمار مخلوقات میں انسان کو ایسے شرف سے نوازا جس میں دوسری کوئی مخلوق شریک وسہیم نہیں۔ بساط گیتی پر جب ہم ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ جمادات، نباتات، حیوانات کی بکھری ہوئی کہکشاں میں احساس و شعور، وجدان وآگہی، بصیرت وواقفیت کی دولت سے صرف انسان کو نوازا گیا ہے۔

جمادات وجود تو رکھتے ہیں لیکن نشوونما سے عاری ہیں، یا اگر کسی درجہ میں تسلیم کیا جائے تو یہ عمل اتنا ضعیف اور خفیف الحرکت ہے کہ عام مشاہدہ کی گرفت سے باہر ہے جبکہ نباتات میں وجود کے ساتھ نشوونما کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔ تخم ریزی کے بعد ایک تناور درخت کی شکل میں تدریجی ارتقاء نشوونما ہی کے عمل سے عبارت ہے۔ لیکن حرکت ونشاط کی مطلوبہ کیفیت اس میں بھی نہیں پائی جاتی۔ حیوانات ہر چند کہ کسی درجہ میں احساس وشعور بھی رکھتے ہیں لیکن احساس وشعور طبعی احتیاج کی تکمیل تک ہی کسی قدر ساتھ ان کا دے سکتے ہیں۔ ایسا احساس وشعور جو ذمہ دارانہ ہو اور ابتکاری عمل اور اختراعی نظریات کو بروئے کار لانے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس سے وہ بھی عاری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تکلیف کا جوا اِن کے کاندھوں پر نہیں رکھا گیا۔

لیکن انسان جو وجود بھی رکھتا ہے، نشوونما، حرکت واحساس اور شعور ووجدان کی دولت سے مالا مال سرفراز ہے، عروج وزوال کے فسانے اسی کی ذات سے مرقوم ہونے چاہئے تھے۔ لہٰذا مکرمت، عزت، شرف وفضیلت کا مرصع تاج اسی کے سر پر رکھ کر عروس

کائنات بنایا گیا۔ارشاد ربانی ہے :" وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا" (ترجمہ)"اور تحقیق کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت عطا کی۔ خشکی اور تری میں اس کو سربلند کیا اور پاکیزہ غذا سے نوازا اور بہت سی مخلوقات پر ہم نے اسے ایک امتیازی شان بخشی۔"

یہ وہ انسان ہے جو مکلّف ہے، صحیح راستہ پر قائم رہنا اور دوسروں کو قائم رکھنے کی انتھک کوشش کرنا، اس کی فطری ذمہ داری ہے۔اس لئے کہ اس کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ مخلوق کو خالق سے جوڑ دے اور بندے کو معبود سے ملادے۔رستم کے دربار میں حضرت ربعی بن عامرؓ کا پُر شکوہ اور جرأت مندانہ اعلان اسی کا غماز ہے اور اسی فرض منصبی کی بازگشت ہے جس سے ایوان رستم میں زلزلہ طاری ہوگیا اور عزم و جزم اور زعم و دانش کے پہاڑ ریت کے تودے ثابت ہوتے چلے گئے۔ان کا جواب تھا :

"ہم کو اللہ نے اسی لئے بھیجا ہے کہ جس کے بارے میں اس کی مرضی ہو، اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کردیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہونچادیں اور مذاہب کی زیادتیوں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عدل کے سایہ تلے لے آئیں۔" (البدایہ والنہایہ)۔

اسی فکر ونظر، احساس وشعور، بصیرت وفراست کے صالح آمیزہ سے فکر ونظر کی دنیا بدل گئی اور کائنات ارضی میں ایسا انقلاب آیا کہ زندگی مقصد سے آشنا ہوگئی اور صدیوں سے تپتی ہوئی بے آب وگیاہ وادی میں بہاریں خیمہ زن ہوگئیں۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

حقیقت تو یہ ہے۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ پود سب انہی کی لگائی ہوئی ہے

اللہ رب العزت نے انسانوں کو پیدا کیا تو بندگی کی چاشنی اس کی فطرت میں رکھی انسانی زندگی سے اس نشاستہ کو الگ کر دیا جائے۔ (اگر ممکن ہو) تو انسان اپنا وزن اس کائنات میں برقرار نہیں رکھ سکتا ہے۔ یہی چیز اس کو باوزن بناتی ہے، احساس ذمہ داری پیدا کرتی ہے اور تنظیم کائنات میں اس کو محو کر دیتی ہے۔ کیونکہ اس کا شعور اس کی رہبری کرتا ہے کہ وہ رب کا بندہ ہے۔ رب کی رضا اس کا مقصود ہے، لہٰذا وہ خوش دلی کے ساتھ اس کو اختیار کرتا ہے جس سے اس کا رب راضی ہوتا ہے اور اس سے وہ پہلو بدل لیتا ہے جس میں یہ حقیقت معدوم ہوتی ہے۔ لہٰذا اس پیکر سپاس و طاعت کو ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا :

”کُنتُم خَیرَ اُمَّةٍ اُخرِجَتُ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بالمعروف و تَنۡھَونَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ و تومِنُونَ بسالـلّٰہِ“ ”اب دنیا میں بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

خیر امت کے لقب سے نواز کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو داعیانہ ذمہ داریوں کے احساس میں اور بھی شدت پیدا کر دی ہے، جس کی رو سے ان پر لازم آتا ہے کہ یہ امت محمدی جسے قرآن کی وراثت سونپی گئی ہے ان غلطیوں سے بچے، جن غلطیوں کی بنا پر بنی اسرائیل کو دنیا کی امامت اور رہنمائی سے معزول کر کے اس امت کو اس منصب پر فائز کیا گیا ہے۔ لیکن امت کی بے توجہی، بے خبری اور غفلت نے آج اس قوم کو موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے۔ خیر امت کے لقب سے نوازے جانے کے باوجود اپنی فضیلتوں اور ذمہ داریوں سے ناواقفیت یا عدم توجہی کی باتوں ہی کی طرف علامہ اقبالؔ

نے اپنی نظم ''شمع اور شاعر'' میں اس امت مسلمہ کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو کھیتی بھی تو، باراں بھی تو حاصل بھی تو
آہ! کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تو ، رہ رو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو
کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو ، بحر تو ، دریا بھی تو، ساحل بھی تو
دیکھ آکر کوچۂ چاک گریباں میں کبھی
قیس تو ، لیلیٰ بھی تو، صحرا بھی تو، محمل بھی تو
وائے نادانی! کہ تو محتاج ساقی ہوگیا
مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو
بے خبر! تو جوہر آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

پھر وہ کہتے ہیں۔

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے
سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیام ناز کا
جو نظام دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

تسخیر کائنات کا یہی وہ مقام ہے جس کی فرازوں کو ایک مومن ہی تسخیر کرسکتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے خیر امت کا لقب دیا گیا ہے۔ لیکن آج ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے کہ آیا ہم بحیثیت مسلمان اور اسلام کے شیدائی ہونے کے اس فریضہ کو کہاں تک ادا کرر ہے ہیں اور اس کے لئے کیا طریقۂ کار اپنار ہے ہیں۔ اس میدان میں ہمارے اکتسابات کیا ہیں۔ وہ زمانہ اور ماحول کے اعتبار سے کس حد تک صالح اور مفید ہیں، اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ دعوتی بنیادوں پر قائم ہندوستان کی دیگر غیر اسلامی تحریکوں نے کیا منہج اختیار کرر کھا ہے اور ان کی کامیابیاں اس میں کس حد تک ہیں۔ اگر ان چیزوں کے بغیر کام شروع کیا گیا تو دعوت اسلامی کا عمل غیر مؤثر اور کمزور ہوگا۔

ہمیں یہ بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ برصغیر ہندو پاک، بنگلہ دیش میں، بھارت کو جداگانہ نوعیت حاصل ہے اور سردست اس مضمون میں بھارت میں دعوت اسلامی اور اس کے طریقۂ کار، منہج واسلوب ہی کا جائزہ مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت ایک عظیم آبادی، نوع بنوع تہذیب، مختلف نظریات، افکار، مذاہب ومسالک اور روایات پر مشتمل ایک بڑا ملک ہے جہاں کی غالب آبادی کفر وشرک کی آماجگاہ میں پل رہی ہے، جہاں طبقاتی نظام کی آویزش بھی ہے اور لسانی عصبیت کی کشمکش بھی اور دینی حمیت و غیرت کی آزمائش بھی اور پرستاران باطل کے لئے آسائش بھی۔ لیکن ایک مومن کو تو ایک طرف یہ حکم ہے کہ : " أَنِ اعْبُدُوا اللّٰه وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوت " ''یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (سرکش طاقتوں) سے الگ رہو۔''

تو دوسری طرف اس کے ذمہ دعوت الی الخیر کی یہ ذمہ داری بھی دی گئی ہے :

"وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ"

''تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو خیر کی دعوت دے۔'' ظاہر ہے یہ

خیر کی دعوت خود ایمان کی دعوت ہے۔

علامہ بغوی نے ''خیر'' کی تشریح ''اسلام'' سے کی ہے۔ (معالم التنزیل۔ ص۳۳۴) امام رازی فرماتے ہیں: ''دعوت الی الخیر'' ایک جنس ہے اس کی دونوعیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کاموں کے کرنے کی ترغیب دی جائے جو مطلوب ہیں، اسی کا نام امر بالمعروف ہے۔ دوسری یہ کہ ان چیزوں کو چھوڑنے کی ترغیب دی جائے جو نامطلوب ہیں۔ اسی کو نہی عن المنکر کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوجعفر باقرؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی : "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ" اور فرمایا : اَلْخَيْرُ اتِّبَاعُ الْقُرآنِ وَسُنَّتِي" ''گویا دعوت الی الخیر کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن وسنت کی اتباع و اطاعت کی دعوت دی جائے۔'' حضرت مقاتلؒ نے الخیر کا ترجمہ اسلام کیا ہے، شارح جلالین علامہ صاویؒ فرماتے ہیں : اِنَّمَا قَصَرُہ علیہ (علی الاسلام) لِاَنَّہٗ رأس الأمورِ صاحب جلالین نے خیر کے معنی صرف اسلام کے لئے ہیں کیونکہ اسلام ہی سارے معاملات کی اساس ہے۔

اس موقع پر حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے بڑی نفیس دلنشین انداز، مؤثر پیرایہ بیان اور منطقی اسلوب میں مومن کے اس ذمہ دارانہ مقام پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ یوں رقمطراز ہیں:

''آیت کے اس جز میں امت اسلامی کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل و مکمل ہونے کا پورا فوٹو آ گیا۔ مطلب یہ کہ اے مسلمانو! تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو، تم توحید کے امانت دار ہو، زمین پر اللہ کے نائب وخلیفہ ہو۔ بہ طور اس کی پولس کے ہو، الٰہی قانون کے نفاذ وتحفظ کے لئے دنیا کے نظام عدل کو برقرار رکھنے کے لئے بھیجے گئے ہو۔ تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کو چلاؤ، نظام حق کے ایک ایک کل پرزہ کو

درست رکھو اور نظام باطل کا زور چلنے ہی نہ دو۔ ظلم ہوتا، اگر اس ذمہ دار فعال جماعت کو جدال وقتال کی آزادی نہ ملتی، بلا اجازت جہاد، بلا اجازت اجراء حدود وتعزیرات اس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ ہاتھ پیر باندھ کر دریا میں پھینکنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

کیا تماشہ ہے، اگر انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دیں تو وہ ملک کے محسن، ہندوؤں میں بچپن کی شادیوں کے دستور کو روک دیں تو ان کا شکریہ واجب، لیکن اللہ کا سپاہی اور مالک الملک کے پیارے اگر یہ حق حاصل کرنا چاہیں تو قانون الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امن عالم کو غارت کر کے رکھ دینے والوں کی داروگیر کریں تو ''روشن خیالی'' کے جبین تحمل پر شکن آجائے اور تہذیب کا پروپیگنڈسٹ اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگے، منکر کے تحت میں آج کے شراب خانہ اور تھیٹر، سنیما اور کنسرٹ ہال، ناچ گھر اور میوزک کالج اسکول آف آرٹ اور تصویر خانے سب آجاتے ہیں۔ آیت سے ظاہر ہے کہ اس امت کی خیریت وافضلیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ ان صفات کی حامل ہے۔ یعنی ایمان باللہ میں مضبوط ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (ایجابی وسلبی) دونوں قسموں کی اخلاقی خوبیوں پر قائم ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ دعوت الی اللہ سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی کام نہیں۔ فقہاء نے دعوت الی اللہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ بہترین قولی عبادت دعوت الی اللہ ہی ہے۔

●●●

لاٹری سماج کا ناسور

انسان اپنے مزاج، افتادِ طبع، تصورات اور معتقدات میں اپنے گرد و پیش سے متاثر ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے جو اسے دھڑکتا ہوا دل اور پھڑکتا ہوا دماغ دیا ہے وہ تاثیر و تاثر کی آماجگاہ ہے۔ دیگر مخلوق خدا میں یہی اس کے لئے وجہ امتیاز اور سرمایۂ افتخار ہے۔ عقل و شعور جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے، انسانی مزاج کی تشکیل میں ان کا اہم رول ہوتا ہے، اس لئے خالق کائنات نے عقل و شعور کو جو اپنی خلقی کمزوریوں کی وجہ سے بہت سی خامیوں سے پُر ہے اسے کامل معیار قرار دیتے ہوئے حسن و قبح اور تحریم و تحلیل کا میزان قرار نہیں دیا ہے بلکہ انسانوں کی ہدایت کے لئے اور عقل و شعور کو صحیح رخ پر کام کرنے کے لئے اپنے احکام کی پابندی اور حدود اللہ کی رعایت لازم قرار دی ہے تاکہ ذاتی اور وقتی غرض اور سطحی لطف و لذت اور عارضی امنگوں کی تکمیل کی خاطر اجتماعی بہبود اور فلاح عالم کو داؤ پر نہ لگایا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ شراب و جوے (لاٹری) کے تعلق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوال کیا گیا تو وحی الٰہی نے اس نکتہ کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا۔ ارشاد ہوتا ہے :

"یَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیهَا اِثْمٌ كَبِیرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا" (بقرۃ) "وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ اعلان فرمادیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدہ بھی ہے اور ان کا گناہ نفع سے بڑھ کر ہے۔"

شراب و جوے کی حرمت میں یہ سب سے پہلی آیت ہے جو مدینہ منورہ میں نازل

ہوئی۔حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا: اللّٰھم بیّن لنا فیہ بیانًا شافیا اے اللہ ہمارے لئے (دوٹوک) اطمینان بخش حکم نازل فرمادے۔لہٰذا اس سلسلے کی سب سے آخری آیت اس وقت نازل ہوئی جب دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ شراب وجوا (جسے عرب جاہلی معاشرہ میں نہ صرف پذیرائی حاصل تھی بلکہ ترقی یافتہ ہونے کی ایک علامت سمجھی جاتی تھی۔اسی وجہ سے شرابوں کے نام اور اقسام کی کثرت پائی جاتی تھی اور جوا کھیلنے کی نت نئی راہیں ڈھونڈھی جاتی تھیں) خالق کائنات کو پسند نہیں، کیونکہ اس میں انسانوں کی تباہی کا سامان کہیں زیادہ ہے۔لہٰذا جب یہ آیت نازل ہوئی :

"اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیسِرُ وَالْاَنصَابُ وَالْاَزلَامُ رِجسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیطَانِ اِلیٰ ..... فَھَلْ اَنْتُمْ مُنْتَھُونَ" (المائدہ) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا : "نَحْنُ مُنْتَھُونَ نَحْنُ مُنْتَھُون" ہم باز آنے والے ہیں ہم باز آنے والے ہیں۔اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ مدینہ کی گلیوں سے شراب کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر گھورے اور گڑھوں کی نذر ہو رہا ہے۔قمار، جوا اور پانسہ کے تیروں کا نشان مٹ رہا ہے۔شیطان دم بخود ہے اور انسان ابن آدمؑ اپنے مالک کے حکم کی تعمیل میں مصروف وسرگرداں ہے۔خالق ومخلوق کی اسی قوی نسبت نے اسے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے بلند مقام پر فائز کر دیا اور **یُحِبّھم و یحبونہ** کا زرتار کلاہ اس کے سر کی زینت بنا۔پھر انھیں شراب بہانے میں جو لطف ولذت حاصل ہوئی وہ کبھی شراب پینے میں بھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے :

'ذَاقَ طَعْمَ الْاِیمانِ مَنْ رَضِیَ باللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دینًا وَبِمُحمَّدٍ نَبِیًّا وَّرَسُولًا' (صحیح مسلم:۳٤) ''اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو (اس بات سے) راضی ہوگیا (کہ) اللہ پروردگار ہے اور اسلام دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور رسول ہیں۔''

جب ایمان اس درجہ کا ہوتا ہے تو ایک مسلمان کی زندگی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر گذرنے لگتی ہے۔ اس میں اسے کوئی کلفت محسوس نہیں ہوتی۔ دنیا کی چمک دمک اس کی نظر کو خیرہ نہیں کرتی۔ حرام وحلال سے بے پرواہ نہیں ہوتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مال واسباب کے پیچھے بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ جس طریقہ سے بھی ہو، مال حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ اس پر یقین رکھتا ہے کہ دنیاوی ترقی اس کے بغیر ہونہیں سکتی۔ شیطان یہ سمجھاتا ہے کہ یہ حرام نہیں بلکہ فن ہے۔ رشوت ستانی فن ہے۔ جوا، لاٹری اور سودی کاروبار ایک صنعت ہے۔ اس کی بھوک بڑھتی جاتی ہے اور وہ اپنے رب سے دور اور سکون قلبی اور راحت سرمدی سے مہجور ہوجاتا ہے۔ آج اس تباہی کو صرف دینی حلقوں نے ہی محسوس نہیں کیا ہے بلکہ اب تو ریاستیں حکومتی سطح پر اس کی تباہی پر غور کرنے لگی ہیں۔ مدھیہ پردیش میں علماء نے اس موضوع کو سب سے پہلے اٹھایا اور حکومت کو باور کرایا کہ اس میں فلاح انسانیت کا پہلو قطعاً نہیں ہے، لہٰذا حکومت نے سرکاری طور پر لاٹری پر پابندی عائد کردی ہے اور بھی بعض ریاستوں میں اس پر پابندی لگائی جاچکی ہے اور تازہ خبروں کے مطابق حکومت اتر پردیش نے بھی اس عفریت کی خون آشامی کو محسوس کرلیا ہے اور ریاستی حکومت لاٹری پر پابندی لگانے کے لئے سنجیدگی سے غور کررہی ہے۔ حکومت نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ لاٹری کی لت سے کئی خاندان تباہ ہوچکے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بڑا خوش آئند اقدام ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا نشہ انسان کو مفلوج بنا کر رکھ دیتا ہے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ پڑھنے کے زمانے میں ایک دفعہ میں نے لاٹری کا ایک ٹکٹ خرید لیا تھا، اس کا یہ اثر تھا کہ ایک ہفتہ تک اخباروں کو دیکھتا کہ میرا نمبر تو نہیں آگیا ہے۔ اسٹال کے چکر لگاتا۔ ایک ہفتہ تک پڑھنے سے طبیعت اچاٹ رہی۔ اب سوچئے جو لوگ اس میں مبتلا ہوجاتے ہیں، ان کا حال کیا ہوگا۔ قیاس وخیالات، پیشین گوئیوں اور آرزوؤں کے صحرا میں کہاں کہاں بھٹکتے

رہتے ہیں اور اپنے کو اور اپنے خاندان کو تباہ و برباد کرتے رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے : "وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ" (زخرف) "اور جو خدا کی یاد (حکم کی تعمیل) سے آنکھیں بند کرے، اس پر ہم ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں تو وہ اس کا دوست و ہم نوا ہوتا ہے۔"

اور ظاہر ہے شیطان کی رہبری، ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس کی دوستی جہنم کا پیش خیمہ نہیں تو اور کیا ہے۔ آج لاٹری کا عفریت ہر شخص پر سوار ہے۔ حکومت کی سرپرستی نے اس کی وہ تشہیر کر دی ہے کہ بچہ بچہ پر اس کا نشہ طاری ہے۔ خصوصاً متوسط اور معمولی آمدنی والے طبقے میں اس کی مقبولیت دو چند ہے۔ ایک سازش کے تحت خصوصاً مسلم محلوں میں اس کی خرید و فروخت کے مراکز کثرت سے دیکھے جاتے ہیں۔ بے روزگار مسلم نوجوان رکشہ کھینچنے والا غریب مسلمان، ملازمت پر گذارہ کرنے والا خاندان، اس عفریت کے شکنجہ میں ہے۔ ایک ایک شہر سے روزانہ کروڑوں روپیہ اس لاٹری کی دیوی کی نذر ہو جاتا ہے۔ جس کا ۳/۱ سے زیادہ ٹکٹ خریدنے والوں کو نہیں ملتا۔ بقیہ حکومت کی ایجنسیاں اس سے خوب فائدہ اٹھا رہی ہیں اور غریب عوام کا خون جونک کی طرح چوس رہی ہیں، لیکن عوام خصوصاً مسلمانوں کو ہوش نہیں کہ لاٹری کا چکر ان کی دنیا بھی تباہ کر رہا ہے اور دین بھی۔ لاٹری حرام ہے، اس کا خریدنا، بیچنا، اس کی ایجنسی لینا، ایجنٹی کرنا، کمیشن کھانا، سب حرام ہے۔ یہ ایک ایسی لت ہے جس کی خاطر لاٹری کھیلنے والا، اپنا سارا سرمایہ تباہ و برباد کر لیتا ہے۔ کتنی خودکشیاں اس لئے بھی ہوتی ہیں کہ اب کچھ باقی نہیں رہا تو ایک جان ہی سہی، اس کو بھی داؤ پر لگا کر جہنم کا سامان کر لیا جائے۔ (اعاذنا اللّٰہُ عنھا)۔

بابری مسجد کی شہادت کے موقع پر فسادات کے دوران ایسے ہینڈ بل پائے گئے

تھے جس میں مسلمانوں کی جمعیت، ان کی قوت اور مالی حیثیت ختم کرنے کے لئے بعض مسلم دشمن تنظیموں نے اپنے رضا کاروں کو کچھ احکام دیئے تھے، اس میں خصوصیت کے ساتھ لاٹری کا بھی تذکرہ کیا گیا تھا اور اس پر زور دیا گیا تھا کہ لاٹری کے اسٹال کثرت سے مسلم محلوں میں قائم کئے جائیں تا کہ مسلمانوں کی جائز آمدنی بھی ناجائز وحرام مال کی تحصیل بلکہ آرزو میں صرف ہو جائے، اس کے باوجود بھی آج صرف لکھنؤ کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ انھیں محلوں کے چوراہوں، نکڑوں اور تاریخی عمارتوں کے زیر سایہ اس صنعت کو خوب فروغ ہو رہا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے اور اس میں اہم رول ہم ادا کرنے والے ہیں۔ افسوس۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اہل دانش کو اس کی فکر کرنی چاہئے اور لاٹری کے مسلم محلوں میں جہاں جہاں اسٹال ہوں حکمت کے ساتھ انھیں ختم کرنے کی فکر کرنی چاہئے اور مسلم نوجوانوں میں یہ شعور پیدا کرنا چاہئے کہ روزی کمانے کے حلال طریقے اختیار کرنے سے برکت ہوتی ہے اور روزی تقدیرات الٰہیہ میں سے ہے، اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ نے لکھ دی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے : ''انسان کا رزق اس کے پیچھے اس طرح لگا رہتا ہے جس طرح اس کی موت اس کا پیچھا کرتی ہے۔''

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے : ''اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاق'' ''بے شک اللہ ہی روزی دینے والا ہے۔'' ''لَانَسئَلُکَ رِزقًا نَحنُ نَرزُقُکَ'' (طہ) ''ہم تم سے روزی کے طالب نہیں ہیں ہم تم کو روزی دیتے ہیں۔''

لہٰذا جو اللہ کو بھول جائے اور حرام وحلال کی تمیز اس کے دل سے نکل جائے تو اس نے اپنی اقتصادی زبوں حالی کو دعوت دی، جس میں بے دلی واضطراب ہے، سکون وقرار

حاصل نہیں ہوتا۔

"مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِی فَاِنَّ لَهٗ مَعِيشَةً ضَنْكًا" (طہ) ''جو میری یاد سے اعراض کرے تو اس کے لئے معیشت کی تنگی ہے۔''

مال واسباب کی کثرت کے باوجود وہ معیشت کی تنگی سے اپنے آپ کو آزاد نہیں کر پاتا ہے، لہٰذا ایسے تمام کام سے بچنا چاہئے، جس میں حرام کی آمیزش ہو۔ ابھی چند دنوں پہلے ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ایک ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ایک بزرگ سے تعلق رکھتے ہیں۔ نماز کے پابند اور معاملات کے کھرے معلوم ہوئے۔ رشوت آج تک انھوں نے نہیں لی۔ بڑی اطمینان کی زندگی ہے۔ اثنائے گفتگو انھوں نے بتایا کہ ہمارے ایک دوست ہیں، خوب رشوت لیتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ رشوت نہ لیا کرو۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوا پیٹ کا آپریشن ہوا ہے۔ ملاقات ہوئی تو کہنے لگے: رشوت لیتا تھا اللہ نے پیٹ پھڑوا دیا۔ میں نے کہا: اب نہ لینا۔ لیکن صحت کے بعد پھر انھوں نے رشوت لینی شروع کی۔ میں نے کہا: بھئی کیا بات ہے؟ کہنے لگے: کیا کریں طبیعت نہیں مانتی۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر پیٹ میں تکلیف شروع ہوئی اور اس سے بڑا آپریشن کرانا پڑا۔ اب ملے تو کہنے لگے: اس پیٹ کے لئے لیا، دو مرتبہ پھاڑا جا چکا، بھئی دعا کرو، اب نہیں لوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی انھیں تنبہ ہوا اور وہ باز آ گئے۔

اس طرح کتنے واقعات ہیں جو ہمارے لئے سامانِ عبرت ہیں۔ کاش لاٹری، جوا کھیلنے والے خدا کے غضب سے ڈریں اور اس سے باز آ جائیں۔ ''فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ''

عالمی تناظر میں مسلمانوں کی حیثیت، ایک تجزیہ......

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو اپنی اصل شکل وصورت میں باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب قرآن پاک میں ایک زیر زبر کا بھی فرق نہیں آیا ہے، اس لئے کہ اس ذات حق نے اس کو نازل فرما کر یہ بھی فرمایا ہے: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ" "بیشک ہم نے قرآن پاک نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت بھی کرنے والے ہیں۔" یہاں تک کہ مخالفین نے بھی مان لیا ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی دنیا میں اس حقیقت کو تسلیم کیا جاتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قوموں کا عروج وزوال اس کتاب ہدایت سے وابستہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ" (صحیح مسلم: ۸۱۷) "بے شک اللہ تعالیٰ قرآن پر عمل کے ذریعہ کسی قوم کو رفعت وعروج عطا فرمائے گا اور کسی قوم کو (اس پر نہ عمل کرنے کی وجہ سے) پست وذلیل کردے گا۔"

مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ تاریخ میں جو آب وتاب نظر آتی ہے، اس کا کارواں جس طرح ہر طرف بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کا اندازہ اسلامی قوموں کی وسعت دیگر قوموں پر ان کے شکوہ ودبدبہ سے ہوتا ہے، حالانکہ اس عرصہ میں اندرونی خلفشار بھی ہوئے، لیکن سیل اسلام ہر طرف بڑھتا اور آفتاب کی طرح چڑھتا ہی رہا۔ خلیفہ عباسی ہارون رشید نے ایک دفعہ آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا دیکھا تو بڑی خوداعتمادی کے ساتھ کہا تھا: اِمطری حيثُ شئتِ فسيأتيني خراجكِ "جہاں چاہو برسو، تمہارا اخراج تو میرے ہی پاس آئے گا۔" اسلامی قلمرو کی وسعت کے ساتھ ساتھ ہیبت کا عالم تھا کہ کوئی قوم ان کے مدمقابل نہیں رہ گئی تھی۔ اپنوں سے زیادہ بیگانوں کی زبانیں طوعاً وکرہاً ان کے محیر العقول کارناموں کی معترف ہیں۔ اسلامی تاریخ کا ایک طویل زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ تقریباً پوری دنیا کلمۂ لا

اِلٰہ الا اللّٰہ کے ماننے والوں کے زیر نگیں تھی۔کوئی قابل ذکر سلطنت وریاست ایسی نہ تھی جو مسلمانوں کی باج گذار نہ ہو۔خلافت اسلامیہ کی ہیبت سے پوری دنیا سر تسلیم خم کئے ہوئے تھی اور مسلمانوں کا عالم یہ تھا کہ ہر شعبۂ زندگی میں متحرک، تہذیب وتمدن کا زرنگار کلاہ ان کے سر پر علم کی سرپرستی ان کے دم سے قائم تھی اور بقول علامہ اقبالؔ ع

رکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

لیکن تقریباً ستر ہویں صدی عیسوی سے مسلمانوں کے اقبال کو جیسے نظر لگ گئی ہے۔انحطاط وادبار اور زوال کی وہ مسلسل دلدوز تاریخ رقم کی گئی ہے، جس کو پڑھتے ہوئے آنکھیں نم اور دل بے دم ہوجاتا ہے۔جمود وتعطل کا وہ دور سامنے آتا ہے جس میں کوئی توجیہہ مشکل ہے۔اپنوں نے جو طوطا چشمی کا رویہ اختیار کیا ہے۔وہ غیروں کے رویہ سے زیادہ کربناک اور الم انگیز ہے ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

موجودہ حالات میں مسلمانوں پر مسلسل فتنوں کا طوفان اور تمام شعبہائے زندگی علمی، عملی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی واقتصادی حالات میں عالمگیر انحطاط اس تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے کہ ان حالات کا موازنہ گذشتہ پچاس برس پہلے کے زمانہ سے کیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ افسوس کہ اس قوم سے کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔

بدل کس نے دیا آئین میکش و میکدہ ساقی
جہاں میں اب تو ہر شئی اجنبی معلوم ہوتی ہے

ظاہر ہے ان حالات نے ہر ذی شعور کو متاثر کیا ہے۔مفکرین ومصلحین سے یہ امت کبھی خالی نہیں رہی۔وہ ان حالات کو دیکھ کر بے قرار ہیں، ان کے دلوں کا چین جاتا رہا۔جب دنیا کے کسی حصہ میں مسلمانوں پر کسی قسم کے افتاد کی خبر آتی ہے تو مضطرب وبے قرار ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں اور اس احساس سے ان کا کرب اور بڑھ جاتا ہے، جب انھیں محسوس ہوتا ہے کہ امت کے ایک بڑے طبقہ کو ان حالات کی شدت کا قطعاً

احساس بھی نہیں ہے اور اگر ہے تو امراض کی تشخیص میں دانشور طبقہ جادۂ مستقیم سے کوسوں دور ہے اور اسے اپنی شعوری اور غیر شعوری فروگذاشتوں کا احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

عالمی تناظر میں مسلمانوں پر ادبار و انحطاط کی جیسے مہر ثبت ہوگئی ہو۔ اقوام عالم کی امت مسلمہ پر اس طرح یلغار ہے، جیسے بھوکے بھیڑیے کسی شکار پر یا بھوکے لوگ کسی پیالہ پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بوسنیا ہرزے گووینا میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے، اقوام متحدہ میں ان کے بچاؤ اور حفاظت کے ریزرویشن اور قراردادیں پاس کی جارہی ہیں، تمام متحارب گروہوں کے درمیان مفاہمت کی کئی کوششیں رائیگاں ہوچکی ہیں اور اقوام متحدہ کی حفاظتی زون کا ڈرامہ بھی کوہ کندن اور کاہ برآوردن کے مترادف ہے۔ مسلمانوں کی نصف صد سلطنتیں اپنی افرادی اور مادی قوت کے باوجود کٹھ پتلیوں کی طرح عالمی اسٹیج پر کوئی کردار ادا کرنے کے لئے مغرب کی طرف دیکھ رہی ہیں اور بھائیوں کا خون بلکہ منصوبہ بند نسل کشی کا عمل ان مغربی آقاؤں کے اشارہ ہی پر مسلمانوں کی اس سرزمین پر دیدہ دلیری کے ساتھ جاری ہے۔ الجزائر، تونس، مصر میں اسلامی تحریک کا ناطقہ بند اور قافیہ تنگ کیا جاچکا ہے اور بہت سے ممالک میں حقوق انسانی کی پامالی کا ننگا ناچ جاری ہے۔ افغانستان، تاجکستان، آذربائیجان اور روس کی دیگر آزاد اور خودمختار مسلم جمہوریاؤں میں بھی انتشار و اختلاف کی ایسی آگ لگی ہوئی ہے جو بڑھتی ہی جارہی ہے، بجھنے کا نام نہیں لیتی ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج پوری دنیا میں بنیاد پرستی کا ہوا کھڑا کردیا گیا ہے۔ یہ بھی مغرب کی ایک سازش ہے۔ بنیاد پرستی سے مراد درحقیقت وہ اسلامی تحریکیں ہیں جو مسلمانوں میں اسلامی بیداری کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ یہ بات مغرب کو پسند نہیں۔ لہٰذا امریکہ کے اشارہ پر پوری دنیا میں اس کے خلاف آواز اٹھائی جارہی ہے اور نشانہ اسلامی گروہ ہے۔ ہندو مذہب کی بنیاد پر مساجد مسمار

کردیں، مقدس سرزمین کا تقدس انسانی خون سے آلودہ کردیں، مذہب کی بنیاد پر پردہ نشین خواتین کی برہنہ فلمیں تیار کردیں، زندہ انسانوں کو آگ میں جلائیں تو یہ بنیاد پرستی نہیں۔ یہود قدیم ورثہ کا احیا، تشدد وانتہا پسندی کے ساتھ کریں۔ مذہب کے نام پر حکومت قائم کرنے کے لئے معصوم فلسطینیوں کی زمینیں چھین لیں، ان کے خانماں برباد کردیں۔ آزادانہ لوٹ مار، جبر واکراہ کا معاملہ، عورتوں کا پیٹ چاک کریں، بچوں کو ذبح کریں، معصوم انسانوں کو تڑپ تڑپ کر مرنے کے ویرانوں میں ڈال دیں، تو یہ عین امن وسلامتی کی راہ قرار دی جائے اور اگر دنیا کے کسی خطہ میں مسلمان اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کریں تو انھیں دہشت گرد، انتہا پسند، بنیاد پرست کہا جائے اور اگر ان بے کسوں کی کسی اسلامی ملک نے تھوڑی امداد ونصرت کی کوشش کی تو عالمی رائے عامہ کو اس ملک کے خلاف کر کے اس پورے ملک کو دہشت گردی کی فہرست میں شامل کردیا جائے۔ آج عالمی بساط پر ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ یہی ہو رہا ہے۔ اپنے ملک، اپنی سرزمین میں امت مسلمہ آج بے کسی کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہی ہے اور تڑپ رہی ہے ع

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

افسوس کہ اس سال حج کے موقع پر وہ پاک سرزمین جہاں سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں اور اس کی شعاعوں سے بقعۂ عالم منور ہوا، وہاں بھی بڑی قوت کے ساتھ اعلان کیا گیا کہ اس سرزمین پر بنیاد پرستی کو فروغ پانے نہیں دیا جائے گا۔ یہ ساری باتیں کیوں ہو رہی ہیں، اہل دل پریشان اور اہل خرد اس کی توجیہہ سے قاصر ہیں۔ فلسطین کے سلسلہ میں اب تک جو قراردادیں اقوام متحدہ نے پاس کی ہیں۔ ان کا مجموعی وزن دس ٹن تک پہنچ جاتا ہے، لیکن فلسطین کا مسئلہ پہلے سے زیادہ سنگین ہوتا جا رہا ہے۔

حالانکہ مسلمانوں کے پاس پیسہ بھی ہے، مال ودولت کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ متمول جس کو قرار دیا گیا ہے وہ برونائی کے سلطان

ہیں۔اس کے بعد ہی دنیا کے دیگر سرمایہ دار ہیں۔ان کے جملہ سرمایہ کا شمار کھربوں ڈالر میں ہوتا ہے۔مسلمانوں کے پاس جو حکومتیں ہیں، قدرت کے بے پناہ عطیہ سے مالا مال ہیں۔ پٹرول، تیل، گیس اور دیگر معدنیات کا وافر ذخیرہ ان کے ملکوں میں پایا جاتا ہے۔اسلامی ملکوں کی آمدنی کا عالم یہ ہے کہ عالمی بینک اپنا عالمی رول ادا کرنے میں اس سرمایہ کا محتاج ہے جو ان ملکوں کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔امریکہ کی معیشت کا توازن عربوں کی آمدنی پر قائم ہے، لیکن اس کا اثر عالمی تناظر میں مسلمانوں یا عربوں کے حق میں صفر کے برابر ہے۔

تعلیم کا یہ عالم ہے کہ ان کے ملکوں میں جامعات وکلیات کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔جس ملک میں ایک قاعدہ کی درسگاہ بھی نہیں تھی آج وہاں کتنی یونیورسٹیاں، میڈیکل کالج، انجینئرنگ کالج قائم ہیں اور اب تو وہیں کے لوگ نہیں بلکہ دیگر ملکوں کے طلباء بھی ان یونیورسٹیوں اور دانش گاہوں سے استفادہ کرنے جوق در جوق جارہے ہیں۔ان دانش گاہوں کی وجہ سے تعلیمی میدان میں پہلے کے مقابلہ میں کافی پیش رفت ہوئی ہے۔

جہاں تک اقتصادیات ومعیشت کا تعلق ہے تو اس میدان میں بھی عالم اسلام نے کافی ترقی کی ہے۔کارخانے فرٹیلائزر اور دیگر تنصیبات کے لئے بڑے بڑے منصوبے بنائے جارہے ہیں، ریگستانوں میں ہریالی وسبزہ اگانے میں سائنس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جارہا ہے۔

سعودی عرب کا حال یہ ہے کہ گیہوں کی پیداوار اب وہاں اتنی بڑی مقدار میں ہوتی ہے کہ سعودی عرب اس پوزیشن میں ہے کہ دوسرے ممالک کو گیہوں فراہم کرسکے۔غذائی اجناس آج بھی سعودیہ اور دیگر ان ملکوں میں جہاں پہلے شدید قلت تھی، آج بازاروں میں ریل پیل ہے۔فلک بوس عمارتوں، آرام دہ سواریوں، خوبصورت پارکوں اور دیگر اسباب کی فراوانی سے ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ عرب اپنے مقابل سے کسی چیز میں کم نہیں۔

جہاں تک عددی قوت کا تعلق ہے اس میں بھی اپنے مقابل سے کم نہیں۔اس کے باوجود انحطاط کیوں؟ اہل خرد کے نزدیک عروج کے اسباب تو یہی ہیں، جس کا ایک

مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ آج ہندوستان کی سرزمین پر مسلمانوں کو کیا اس بات کی تلقین نہیں کی جاتی۔ تعلیم کی کمی کا عام شکوہ ہے اور یہ اعداد وشمار کے اعتبار سے یہ درست بھی ہے، لیکن کیا پہلے کے مقابلہ میں اس میں اضافہ نہیں ہوا ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مقابلہ کے امتحانوں میں بیس ہزار کی تعداد جس میں غالب اکثریت مسلم طلباء کی ہے، اس سے اعلیٰ تعلیم کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان کی غمازی نہیں ہوتی۔ مسلم یونیورسٹی کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ہمدرد یونیورسٹی، مزید مسلمانوں کے تعلیمی معیار و تناسب کو بڑھانے اور مستحکم کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔

ہندوستان کی سطح پر مسلمانوں کی معیشت بھی ضرور کچھ بہتر ہوئی ہے۔ کئی مقام اور خاص شہروں، مدراس، کلکتہ، بمبئی اور دیگر مقامات پر مسلمانوں کی اقتصادی حالت پہلے سے بہتر ہوئی ہے۔ بعض چھوٹی چھوٹی جگہوں پر جہاں آج سے چند سال پہلے مسلمانوں کی کوئی قاعدہ کی دکان بھی نہیں تھی۔ صنعتی زمرہ سے وہاں کی آبادی بالکل دور تھی۔ آج مسلمانوں کی زبردست مارکیٹ ہے اور صنعتی ادارہ بھی انھوں نے قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان کے طول وعرض میں مسلم کالجیز، انجینئرنگ کالج، یہاں تک کہ میڈیکل کالج آزاد وخودمختار پائے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی فیکٹریاں بھی قائم ہیں۔

مدارس کا عالم یہ ہے کہ گذشتہ دہائیوں کے مقدار میں کئی گنا زیادہ قائم ہو چکے ہیں۔ پہلے طلباء کو دور دراز علاقوں کا سفر کرنا پڑتا تھا اور آج عالم یہ ہے کہ خورد ونوش کے معقول انتظام کے ساتھ مدارس قائم ہیں، لیکن انھیں طلباء کی قلت کی شکایت ہے۔ طلباء کے لئے بار بار اشتہارات شائع ہوتے ہیں۔

یہ بھی تاثر رہا ہے کہ مدارس کے طلباء کو پیشہ ور تعلیم دی جائے، اس احساس کو بھی عملی جامہ پہنایا جا چکا ہے۔ جامعۃ الہدایہ جے پور اور دیگر اور کئی مراکز اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔

جہاں تک افرادی قوت کی بات ہے تقسیم ہند کے وقت جو تعداد تھی آج اس

سے کئی گنا اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد ہو چکی ہے۔

سرکاری سطح پر حقوق کی بازیابی کے لئے کئی تنظیمیں قائم ہیں اور اس میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ان سب کے باوجود ہم اپنا وزن کیوں کھوتے جا رہے ہیں۔ **وامعتصماہ** کی صدائیں کیوں رائیگاں جا رہی ہیں۔ اس پر سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔

جن امور کی طرف نشاندہی کی گئی ہے ان سے کسی کو بھلا انکار کیونکر ہو سکتا ہے۔ زندگی کی ضرورتیں ان سے وابستہ ہیں۔ نظام تشریعی کا قیام بھی تو اس کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سب صحیح ہے لیکن ان سب چیزوں کی حیثیت جسم کی ہے، روح کی نہیں اور صرف جسم پر محنت ہو، اس کو خوب عمدہ لباس زیب تن کرایا جائے، عمدہ آرام دہ ایئر کنڈیشن محل اس کے لئے بنا دیا جائے، اعلیٰ قسم کی غذائیں فراہم کر دی جائیں تو کیا اس جسم کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے جو روح سے خالی ہو تو ایسی قوم جس کی بنیاد دین پر قائم ہے، وین پر اس کی اٹھان ہوئی ہے، قرآن پاک اس کے لئے نسخۂ کیمیا ہے، اس کی تعلیمات اس کے لئے روح کے مرادف ہے، اس سے اعراض کرنا کیا اس کے لئے موت کا پیش خیمہ نہیں ہیں۔

تمہاری قوم کی تو ہے بنا ہی دین و ایماں پر
تمھاری زندگی موقوف ہے تعمیل قرآں پر

تمھاری فتحیابی منحصر ہے فضل یزداں پر
نہ قوت پر نہ کثرت پر نہ شوکت پر نہ ساماں پر

جو زوال کا اصل سبب ہے اس پر کسی کی نظر نہیں جاتی۔ دوسرے اسباب وعلل بیان ہوتے رہے ہیں اور ترغیب وتشویق کے مضامین کا ایک انبار لگتا چلا جا رہا ہے۔

سبب کچھ اور جس کو تو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

حالات سے مایوس نہ ہوں

رہے زندہ جاوید وطن کے وہ فدائی
جان اپنی جنہوں نے رہ ملت میں گنوائی
ہمت نے انہی کی ہمیں ساعت یہ دکھائی
انصاری واجمل ہوں ،تلک ہوں یاڈسائی
یادآگئے ہیں ہم سب کوشہیدان وطن آج

1947ء میں جب وطن آزاد ہوا تو قادرالکلام، پرگواورزودگو اقبال سہیل مرحوم نے ایک طویل نظم کہی جس میں مادروطن کے ان سپوتوں کوخراج عقیدت اور ہدیہ تبریک پیش کیا گیا تھا جنہوں نے اپنے خون سے ریگزارچمن کوسینچ کرگلزار بنانے کی کوشش کی تھی،ان ملی رہنماؤں کو یادکیا گیا تھا جوآج ہم میں نہیں ہیں،لیکن ان کے اخلاص ومحبت کی شمیم وطن کے ہرگلی کوچہ میں،بادنسیم کے ہرجھونکے میں بسی معلوم ہوتی تھی، یہ طویل نظم جس کا نام ہی 'جشن آزادی' ہے،15اگست 1947ء کواعظم گڑھ کے ایک تہنیتی جلسہ میں پیش کی گئی تھی، ملک کوآزادی کا پروانہ ملا تھا،آزادی کے متوالے پھولے نہیں سمارہے تھے،لیکن وہ اپنے اسلاف کے تذکرہ سے نیک نام بھی ہورہے تھے،اس اجلاس میں ملک کے ہرطبقہ کے لوگ تھے،عوام وخواص کا جم غفیر تھا،سبھی شاداں فرحاں تھے،ایسا سماں تھا کہ گویا ہما کا سایہ سب کے سروں پر ہے،اورابدی نعمتوں کے خوان یغما سے سب آسودہ ہورہے ہیں،ان کیفیات کونظموں کے پیکر میں ڈھالنا آسان نہیں ہے، بہرکیف وہ ایک خوشی کالمحہ تھا جوگذرگیا،ایک ہوا کا جھونکا تھا جوآیااور چلا گیا،ایک بلبلہ آب تھا جوسطح آب پررقصاں ہوکرٹوٹ گیا۔اس کے بعد کے ادوار کانگریس کے زیرسایہ آزادی وطن کے

متوالوں نے کیا پایا، کیا دیکھا، اوران کے ساتھ کیا کچھ کیا گیا ہے، ایک کربناک داستان ہے، ایک الم انگیز حکایت ہے جس کو سننا بڑے دل گردہ کی بات ہے۔

آزادی کی لڑائی میں مسلمان شانہ بہ شانہ تھے، ان کا خون ہر گلی کوچہ میں بہایا گیا، ہزاروں علماء کو دار ورسن کی سوغات ملی اور ہزاروں کو زندہ جلا دیا گیا یا خنزیر کی کھالوں میں زندہ ڈال کر سی دیا گیا، جلیانوالہ باغ میں بڑی تعداد مسلم شہداء کی بھی تھی، مالپلے تحریک کے روح رواں مسلمان ہی تھے، اور کئی سو مسلمانوں کو اس تحریک سے جڑے ہونے کی سزا اس طرح دی گئی کہ مال گاڑی کے ڈبوں میں انہیں بند کر کے دور دراز سفر پر بھیجا گیا، لہٰذا بڑی تعداد کو منتو رپہنچتے پہنچتے جاں بحق ہوگئی۔

آزادی صبح یقیناً خوشی کی تھی لیکن مسلمانوں کے لئے وہ صبح شاید شام کا نظارہ پیش کر رہی تھی، اور شفق کا ارغوانی رنگ ان کے خون سے سرخ ہو رہا تھا، آج آزادی کے ستہتر سال ہو چکے ہیں، بھارت میں مسلمانوں کی جو صورتحال ہو رہی ہے اگر اس کا تصور آزادی کے ان فرزانوں کو ہوتا تو ان کی روح کانپ جاتی، اس اثناء میں مسلمانوں کو بے وزن کر کے تحقیر کرنے ان کی معاشی صورتحال خراب کرنے اور انہیں ان پڑھ و ناخواندہ رکھنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں اور پھر دہشت گردی، انتہا پسندی، رجعت پسندی اور بنیاد پرستی کے الزامات کا تسلسل بھی جاری رہا، اور اب موجودہ حکومت جو رہی سہی کسر تھی وہ پوری کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔

نت نئے حالات ایسے پیدا کیے جا رہے ہیں کہ مسلم نوجوانوں کو بے ریش کر دیا جائے، ملک کے موجودہ وزیر اعظم دوسری بار اقتدار پر براجمان ہونے کے بعد بار بار اپنی حصولیابی کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس میں عام طور پر طلاق ثلاثہ، دفعہ 370 سی اے اے، این آر سی، دیگر ان ضابطوں اور شکنجوں کا اظہار کرتے ہیں جس سے مسلم کمیونٹی کو دبانے یا کم از کم مرعوب رکھنے کا کام کیا جا رہا ہے۔ ابھی صوبہ اتر پردیش اور پھر اسکے بعد

صوبہ مدھیہ پردیش میں نیا قانون' لو جہاد' کے نام سے بنایا گیا، اور اس کا آرڈیننس منظور ہوا ہے، اس کا براہ راست استعمال مسلم نوجوانوں کے خلاف کیا جارہا ہے، حال ہی میں ضلع بریلی میں دو مسلم بچیوں نے ہندو لڑکوں کے بہکاوے میں آکر ہندو مذہب اختیار کر کے ایک مندر میں شادی کرائی تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا، بلکہ حکمراں پارٹی کے افراد اس میں شریک ہوئے اور خوب جشن منایا، دوسری طرف ضلع مئو میں چریا کوٹ کے مقام پر ایک مسلم نوجوان نے ایک ہندو لڑکی سے شادی کرلی تھی لڑکی بار بار کہتی رہی کہ وہ بالغہ ہے اس کے باوجود صرف اس لڑکے کو ہی نہیں بلکہ پورے گھر والوں کو جیل میں ڈال دیا گیا، اس قسم کے واقعات ملک کے طول وعرض میں ہورہے ہیں، دوہری پالیسی تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے، قانونی اور دستوری حقوق کو بالائے طاق رکھا جارہا ہے، یہ جنوری کا مہینہ جس کی 26 تاریخ میں ہندوستان کو یہ سوغات دستور کی شکل میں ملی تاکہ ملک میں سب چین وآرام بھائی چارہ اور محبت کے ساتھ رہیں اور ملک کو ترقی دیں مگر آج نفرت کی آگ لگائی جارہی ہے۔ معنوی اور حقیقی طور پر دستور ہند کو سوخت کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں۔ لیکن حالات کی برہمی اور ماحول کی ناسازگاری سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے، ایمان کا تقاضہ ہے کہ ہم رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھیں، تعلیم کی طرف توجہ دیں، غیر قانونی سرگرمیوں سے پرہیز کریں، ملک وملت کے فائدے کیلئے تن من کی بازی لگادیں، ان شاء اللہ اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا اندھیری رات سے صبح کی سفیدی ضرور ظاہر ہوگی، اور ملک کی صورتحال بدل کر رہے گی، یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے ہمیں ہمت سے کام لینا چاہئے اسی ذات باری کی طرف رجوع کرنا اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ کو مضبوطی سے تھامے رہنا چاہئے کہ اس میں دارین کی فلاح وسعادت مضمر ہے۔

مالِ حرام کی نحوست

عصر حاضر کا انسان اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل اور روزمرہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کمائی کے سلسلہ میں بہت سرگرم ہے۔ ہر آن کمائی کا بھوت اس پر سوار ہے۔ نت نئے طریقے کمائی کے ایجاد ہو رہے ہیں۔ معاشی میدان میں آگے بڑھنے کے لئے اخلاقی حدوں کو پار کر لینا اب کوئی معیوب نہیں رہا ہے بلکہ اب تو یہ خیال راسخ ہوتا جا رہا ہے کہ تجارت میں فروغ دھوکہ دہی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے جو تجارت میں اخلاقی اصولوں پر کاربند ہوگا وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں میں بھی یہ احساس روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی غلہ منڈی میں ایک شخص کو گیہوں فروخت کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے غلہ کے ڈھیر کے اندر ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ اس ڈھیر کے اندر کا گیہوں بھیگا ہوا ہے اور اوپر سے خشک گیہوں ڈال دیا گیا ہے یہ منظر دیکھ کر آپ نے ناگواری کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا 'مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا' تجارت میں جو دھوکہ دہی سے کام لے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

انسان یہ سمجھتا ہے کہ پیسہ کا حصول ہر ضرورت کی تکمیل ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ پیسہ ہر مرض کا نہ علاج ہے اور نہ ہی ہر درد کا مداوا۔ اللہ عزوجل کے یہاں آمد وخرچ دونوں کا حساب دینا ہوگا۔ دونوں مدوں کی تفصیل اللہ کے یہاں ریکارڈ ہے اس میں کوئی تخلف بھی نہیں ہوسکتا۔ لیکن پھر بھی انسان کی آنکھ نہیں کھلتی۔ چند پیسوں اور معمولی جائیداد اور زمین کے لئے کیسے کیسے خطرناک منصوبے بناتا ہے۔ قتل وخونریزی کرتا ہے۔ الزام تراشی کرتا ہے۔ جھوٹ اور جھوٹی گواہیوں کا سہارا لیتا ہے۔ اس سلسلے میں صحیحین میں ایک واقعہ درج ہے جو بڑا عبرت آموز ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں اروی بنت اوس نے حاکم مدینہ حکم کی عدالت میں حضرت سعید ابن زیدؓ کے خلاف جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یہ دعوی کیا کہ انہوں نے میری فلاں زمین دبالی ہے۔ حضرت سعید ابن زیدؓ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ ہوا۔ انہوں نے مروان ابن حکم سے کہا کہ میں اس عورت کی زمین دبالوں گا؟ ناحق اس پر قبضہ کرلوں گا؟ جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد عالی سنا ہے کہ جس شخص نے ایک بالشت زمین از راہ ظلم لے لی تو اس زمین کو ساتوں زمینوں سمیت ہار بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ مروان نے کہا کہ اس کے بعد آپ سے کوئی گواہ اور ثبوت طلب نہیں کرتا لیکن سعید ابن زیدؓ نے وہ زمین اس عورت کو دے دی۔

اس کے بعد سعید ابن زیدؓ نے کہا اے اللہ اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کو اس کی آنکھوں کی بینائی سے محروم فرمادے اور اسی زمین میں ہلاک فرمادے۔ واقعہ کے راوی عروۃ ابن زبیرؒ فرماتے ہیں کہ بالآخر وہ عورت اندھی ہوگئی اور ایک دن اس زمین سے گزرتے ہوئے اس میں موجود کنویں میں گر پڑی اور فوت ہوگئی۔

حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ حرام مال چاہے جس طریقہ سے بھی حاصل کیا جائے وہ وبال جان ہوتا ہے۔ اگر اس کمائی سے کوئی صدقہ کرے تو قبول نہیں۔ اور وارثوں کے لیے حرام مال جمع کرے تو وہ جہنم کا موجب ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ، كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهٖ (مشکوۃ ص242) جسم کا وہ گوشت جنت میں داخل نہ ہوگا جس کی نشوونما حرام مال سے ہوئی ہو، اور ہر ایسا گوشت جو حرام مال سے پلا بڑھا ہو دوزخ اس کی زیادہ حقدار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرام مال کھانے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ آج اس فتنے کے زمانے میں حلال وحرام کی تمیز ہی

اٹھتی جارہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی اس سلسلہ میں کیسی تربیت فرمائی تھی ذیل کے اس واقعہ سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک غلام تھا جو آپ کو خراج دیا کرتا تھا حضرت ابوبکرؓ اسکی آمدنی کھایا کرتے تھے، ایک دن وہ غلام آیا اور ایک چیز حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں پکڑادی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس سے کچھ تناول فرمایا اس پر اس نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ مال کیسا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تو ہی بتا یہ کیسا ہے، اس نے کہا اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں میں نے ایک آدمی کے سامنے اپنے آپ کو کاہن ظاہر کر کے دھوکا دیا تھا جبکہ میں کہانت میں ماہر نہیں تھا۔ آج وہ آدمی مجھے ملا اور یہ چیز اس نے مجھے دی جو آپ نے تناول فرمائی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر کے قے کر دی اور جو کچھ معدہ تک پہنچا تھا اس کو نکال دیا (مشکوۃ ص 242)۔

اسی طرح امام مالک اور امام بیہقی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی صاحب نے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں دودھ پیش کیا آپ نے اس کو نوش فرمایا آپ کو دودھ بہت اچھا لگا تو دودھ پیش کرنے والے سے پوچھا کہ یہ دودھ تم کہاں سے لائے ہو؟ اس نے بتایا کہ فلاں گھاٹ پر میں گیا تھا۔ وہاں صدقہ اور زکوۃ کے جانور اونٹیاں بکریاں وغیرہ تھیں چرواہے ان کا دودھ نکال رہے تھے اور لوگوں کو پلا رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی دیا میں نے اس کو اپنے برتن میں رکھ لیا یہ وہی دودھ ہے۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی۔ (مشکوۃ ص 162)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مال حرام کی نحوست سے محفوظ فرمائے اور مال حلال کی توفیق سے نوازے، آمین۔

●●●